لسان الصدق

ایڈیٹر۔ ابوالکلام آزاد دہلوی

لِسان الصِّدق، کلکتہ

نومبر ۱۹۰۳ء تا مئی ۱۹۰۵ء

(عکسی اشاعت)

ایڈیٹر

مولانا ابوالکلام آزاد

ناشر

مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پاکستان

کراچی: ۷۵۸۰۰

رسالہ	:	لسان الصدق، کلکتہ (عکسی اشاعت)
ایڈیٹر	:	مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی
تعارف	:	ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
ناشر	:	مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پاکستان۔کراچی
طابع	:	المحزن پرنٹرز، پاکستان چوک، کراچی ۷۴۲۰۰
اشاعت اول	:	۱۹۰۳ء۔۵ (ماہوار)
اشاعت ثانی	:	۱۹۹۶ء (بین الدفتین)
قیمت	:	...... روپے

ملنے کے پتے

(۱)

مکتبہ ء شاہد

۹/۱، علی گڑھ کالونی، کراچی۔۷۵۸۰۰

(۲)

مکتبہ رشیدیہ

اردو بازار (نزد مسجد مقدس)، کراچی

فہرست

اعتراف

اس سلسلے میں ایک حقیقت کا اعتراف دل پر جبر کر کے کر رہا ہوں۔ پوری کوشش کے باوجود مئی ۱۹۰۴ء میں ضمیمہ "اصول زندگی / معاشرانہ زندگی" کے اصل صفحات یا ان کا عکس حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ اس لیے صرف یہ سولہ صفحات نئی کتابت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ صفحات یا ان کا عکس پروفیسر عبدالقوی دیسنوی (بھوپال) کے پاس تھا اور محترم مشفق خواجہ نے ہم دونوں کے درمیان یہ طے کرا دیا تھا کہ ہر دو افراد اپنے اپنے زائد مواد کا ایک دوسرے کو فوٹو اسٹیٹ فراہم کر کے اپنی اپنی جلدیں مکمل کر لیں۔ ہم دونوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن دیسنوی صاحب کے مولانا ابو الکلام آزاد سے عشق نے یہ گوارا نہ کیا کہ لسان الصدق کے ان صفحات کا عکس دے کر اس امتیاز اور فخر سے محروم ہو جائیں، جو ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم اور اصحاب ذوق میں صرف انھیں حاصل ہے۔ ایک دوست کا خیال ہے کہ چوں کہ ایک خاص وجہ سے آں موصوف کے دل میں خاکسار سے رنجش ہے۔ اس لیے انھوں نے ان صفحات کا عکس نہیں دیا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ گمان درست نہیں۔

محترم دیسنوی صاحب کے اخلاق اس سے بہت بلند ہیں کہ وہ اپنے ایک دور افتادہ نیاز مند سے رنجیدہ خاطر ہوں۔ میرے خیال میں اس کی وجہ حضرت مولانا آزاد سے کمال عشق اور ایک امتیاز سے محرومی کے احساس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی۔

ہندوستان میں مالک رام مرحوم کے بعد مولانا آزاد کے محققوں میں پروفیسر عبدالقوی دیسنوی کا ایک خاص مقام اور ایک امتیاز ہے۔ مولانا کے سوانح، فکر و فن

اور علم وادب و صحافت میں ان کی خدمات، انشا واسلوب میں ان کے خصائص اور اخلاق و سیرت میں ان کے محاسن کے تذکرے میں ان کی کئی تالیفات ہیں اور وہ خود بہت خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔ خاکسار ان کا قدر دان اور ان کی تالیفات سے استفادہ کرنے والوں میں شامل ہے۔ خاکسار اپنی یہ حقیر کاوش آں محترم کی خدمات کے اعتراف میں ان کے نام معنون کرتا ہے۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

پیش لفظ

لسان الصدق کی عکسی اشاعت پیش خدمت ہے۔ اس کی اشاعت بھی آزاد صدی (۱۹۸۸ء) کے اشاعتی پروگرام میں شامل تھی اور اسی زمانے میں اسے پریس کے حوالے کر دیا جا سکتا تھا۔ لیکن بعض وجوہ مانع ہوئے:

۱۔ اسی زمانے میں دہلی سے اسے کتابت میں شائع کر دیا گیا۔ چوں کہ عام شائقین کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے یہ کافی تھا۔ اس لیے اس کی اشاعت کی فوری تحریک باقی نہیں رہی تھی۔

۲۔ میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پاک و ہند کا کوئی ایک ادارہ مولانا ابوالکلام آزاد پر یا ان کی یاد میں زیادہ سے زیادہ جتنی کتابیں شائع کرے گا۔ اس سے زیادہ کتابیں، خواہ ایک ہی زیادہ ہو شائع کروں گا۔

آج سوچتا ہوں کہ یہ عجیب احمقانہ فیصلہ تھا۔ مجھے جو کرنا تھا، وہ اپنے وسائل کی حد میں کام کی اہمیت اور افادیت کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے تھا، نہ کہ کسی کی ضد میں اپنے تئیں تباہ کر لینا چاہیے تھا۔ ۱۹۸۹ء میں جب میں ہندوستان گیا تھا، تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ کتابوں کی اشاعت اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو کے پروگرام میں ہے یہ تعداد ۱۸، ۱۹ کتابوں تک پہنچتی ہے۔ اگرچہ اس وقت تک اتنی تعداد میں کتابیں چھاپ چکا تھا، لیکن دل نے کہا کہ ابھی عزم کی آزمائش کا ایک مرحلہ باقی ہے۔ واپس آکر ۲۲ مطبوعات کی حد تک اس منصوبے کو وسیع کیا۔

۳۔ اس منصوبے کی تکمیل میں حضرت مولانا آزاد کے کسی عقیدت مند یا کسی عزیز و مخلص سے ایک پیسے کی امداد کا روادار ہوا تھا۔ میری اپنی حالت پہلے ہی اچھی نہ تھی اس منصوبے کی تکمیل کے شوق میں اور خراب کر لی تھی۔ حتیٰ کہ بعض کتابیں جو خود

چھاپنا چاہتا تھا مجبور ہو کر دوسرے ناشرین کو دے دینا پڑی تھیں ۔ لسان الصدق کی اشاعت بھی میرے لیے ممکن نہ تھی ۔

میں اس موقع پر اترپردیش اردو اکادمی کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کی ۱۴، ۱۵ مطبوعات کے مقابلے میں تو شاید میں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاؤں کہ مولانا آزاد نیشنل کمیٹی، پاکستان کا کام زیادہ وقیع ہے ۔ لیکن الہلال (۱۴-۱۹۱۲ء)، البلاغ (۱۶-۱۹۱۵ء) اور الہلال (۱۹۲۷ء) کی اشاعت پر رشک آتا ہے ۔ یہ اکادمی کا اتنا بڑا تاریخی کارنامہ اور اتنی عظیم الشان ادبی، صحافتی اور علمی سیاسی خدمت ہے کہ کوئی عام علمی، تحقیقی یا اشاعتی ادارہ اس کا تصور ہی نہیں کر سکتا تھا ۔ بلکہ سرکاری اداروں کے سربراہوں میں بھی خاص ذوق و ہمت کے لوگوں ہی سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی ۔ بلاشبہ اکادمی کے سابق چیرمین پروفیسر محمود الہیٰ ایسے ہی اصحابِ ذوق اور اہل ہمت میں سے تھے ۔

لیکن یہ عجیب اتفاق کی بات ہوئی کہ مولانا آزاد نیشنل کمیٹی، پاکستان کو اکادمی کے حضرات سے شکایت پیدا ہو گئی ۔ ہوا یہ کہ پیغام کے مکمل فائل ہندوستان اور پاکستان میں دیسنہ اور شاہجہان پور کے دو صاحبوں کے پاس تھے ۔ دیسنہ کے صاحب نے تو کسی کو ان کی ہوا بھی نہ لگنے دی، شاہجہان پوری نے انھیں چھاپ کر مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (یکے از ارکان اترپردیش اردو اکادمی لکھنو) کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ جب کہ انھی دنوں وہ پاکستان تشریف لائے تھے ۔ مولانا فرنگی محلی وطن واپس تشریف لے گئے اور اترپردیش اردو اکادمی کی مطبوعات آزاد صدی میں ایک کتاب کا اضافہ ہو گیا ۔ یہ پیغام کے مضامین کا انتخاب تھا ۔ اس میں کوئی حوالہ نہیں کہ مرتب نے یہ مضامین کہاں سے اور کس کی عنایت سے حاصل کیے ۔ اگر لکھنو میں کسی

صاحب کے پاس پیغام تھا تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ ان صاحب کے ذوق علمی کا اعتراف کیا جاتا۔ ان کا نام ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان مضامین کی اشاعت بہ جاے خود مفید ہے، لیکن اگر کسی طالب علم کی سعی یا کسی ادارے کی کاوش کا حوالہ دیا جاتا، تو اس کام کی افادیت میں کوئی کمی واقع نہ ہو جاتی۔ میرا تو خیال ہے کہ اس سے فاضل مرتب کے علمی ادبی ذوق کے علاوہ وسعت اخلاق کا بھی پتا چلتا اور ایک طالب علم کے ذوق خدمت کی پرورش بھی ہوتی۔

مولانا آزاد نیشنل کمیٹی، پاکستان کے اشاعتی منصوبے کے بعض علمی ادبی کام دوسرے حضرات سے کروائے تھے اور بعض مجبوریوں کی بنا پر جب یہ منصوبہ چوبیس کتابوں کی تعداد پر روک دینا پڑا تھا تو بعض کام اشاعت سے رہ گئے تھے۔ ان میں لسان الصدق کی عکسی اشاعت بھی تھی۔

لسان الصدق کی اشاعت دہلی کے بعد اسے نہ چھاپتا، لیکن اس کی اشاعت کے لیے کئی محرکات موثر ہوئے؛

۱۔ عکسی اشاعت کی اہمیت بہ جاے خود اس کی متقاضی تھی۔

۲۔ ہندوستان پاکستان میں لسان الصدق کی اصل جلدیں مکمل صورت میں کسی بھی ایک شخص کے پاس یا کسی ایک لائبریری میں موجود نہیں، یہ ممکن تھا کہ بعض اصل پرچوں اور بعض فوٹو اسٹیٹ سے جو دو فائل مکمل کر لیے گئے تھے۔ ان کا عکس شائع کر دیا جائے تاکہ حوالے کے لائق ایک اشاعت وجود میں آجائے اور تمام شائقین کے پاس اگر اصل تحریرات نہ ہوں تو وہ ان کے عکس کے مطالعے سے اپنے ذوق کو تسکین دے لیں۔

۳۔ اس کی اشاعت کا محرک یہ بات بھی ہوئی کہ دہلی اشاعت عکسی نہیں، نئی

کتابت میں ہے۔اس میں بعض شذرات اور اشتہارات چھوٹ گئے ہیں۔ مثلاً؛

الف: اگست و ستمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے کا ٹائیٹل نہیں۔اس کے نتیجے میں سرورق کے صفحہ دو اور صفحہ تین چار کے اشتہارات چھوٹ گئے ہیں۔

ب: اپریل و مئی ۱۹۰۵ء (آخری پرچہ) کے ٹائیٹل کا دوسرا ورق (صفحہ تین وچار) بھی مرتب کو دستیاب نہیں ہو سکا تھا۔اس کے نتیجے میں ٹائیٹل کے صفحہ تین کے دو شذرے اور آخری صفحے (نمبر۴) کا اشتہار "خضاب لاجواب" چھوٹ گیا ہے۔شذرے یہ ہیں؛

۱۔ پہلا شذرہ "عرفت ربی بفسخ العزائم" کے عنوان سے ہے۔اس میں لسان الصدق کی اشاعت میں تاخیر کی وجہ بیان کی گئی ہے اور اس پر معذرت۔

۲۔ دوسرا شذرہ "دربار سید اعظم" کے عنوان سے ہے۔اس میں سرسید اور ان کے رفقا کی ایک تصویر کی اشاعت کی خبر دی گئی ہے۔ اس تصویر کو قارئین لسان الصدق فریم میں لگوا کر اپنے اپنے کمروں کی زینت بنا سکتے ہیں۔مولانا آزاد نے سرسید اور ان کے رفقا کو اکبر اعظم اور اس کے نورتنوں سے تشبیہ دی ہے۔

ان وجوہ سے لسان الصدق کی اشاعت دہلی مکمل بھی نہیں کہی جا سکتی!

مذکورہ بالا دو شماروں کے ٹائیٹلوں کے اشتہارات اور شذرات کے لیے میں کتب خانہ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز (آزاد بھون ، نئی دہلی) کے پروگرام ڈائریکٹر محترم گلزار احمد نقوی اور ان کے معاون خواجہ قاضی محمد منیر کا شکر گذار ہوں۔

قیمت عام سالانہ عہ مع محصول ڈاک۔

دار السلطنت کلکتہ کا ماہوار رسالہ

لسان الصدق

ایڈیٹر: ابو الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی

جسمین

عام علمی، و اخلاقی، تاریخی، سائنٹیفک مضامین کے علاوہ ذیل کے چار مقصد و نپر مضامین شائع ہوتے ہین۔

(لسان الصدق کے خاص مقاصد اربعہ)

(۱) سوشیل ریفارم۔ یعنی مسلمانون کی معاشرت، اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

(۲) ترقی اردو۔ یعنی اردو زبان کی علمی، ادبی ترقی کی کوشش کرنی۔

(۳) تنقید۔ یعنی ملک کی مشہور تصنیفون، اور اخبارون پر منصفانہ ریویو کرنا۔

(۴) علمی مذاق کی اشاعت۔ بالخصوص بنگالہ مین۔

مقام اشاعت۔ نمبر ۱۶۔تا راچند دت اسٹریٹ۔ کلکتہ

ماڈرن پریس کلکتہ نمبر ۱۲۴ ہیرسن روڈ مین چھپا

سرورق [illegible] نامی پریس لکھنؤ مین چھپا

لسان الصدق، کلکتہ
تاریخِ اجرا، مقاصد و خدمات پر ایک نظر

"لسان الصدق" مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافتی زندگی میں ایک اہم موڑ اور سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اجرا کیوں کر عمل میں آیا تھا، اس کی تفصیل مولانا نے اپنی کہانی میں بیان کی ہے۔

انجمن اصلاح:

جس زمانے میں "احسن الاخبار" نکلتا تھا۔ مولانا کو خیال ہوا کہ ایک انجمن قائم کرنی چاہیے، جس کا دفتر علمی، ادبی، سرگرمیوں، بحث و مذاکرہ اور تبادلِ خیالات کے لیے ایک مرکز یا کلب کا کام دے اور اس کی دل چسپی برابر قائم رکھنے کے لیے ایک ریڈنگ روم کا قیام بھی ضروری ہے۔ چناں چہ مولوی احمد حسن مالک احسن الاخبار، کے تعاون سے حمیدیہ ہوٹل کے اوپر ایک کمرے اور ہال کا انتظام کر لیا گیا اور "الاصلاح" کے نام سے انجمن اور "دارالاخبار" کے نام سے ریڈنگ روم کا قیام عمل میں آگیا۔ احسن الاخبار کے تبادلے میں آنے والے اخبارات اور رسائل وہاں رکھ دیے جاتے تھے اور مقامی انگریزی اخبار خرید لیے جاتے تھے۔ کتابوں کا ایک ذخیرہ بھی جو عام مطالعے کے لیے مفید ہو سکتا تھا، مہیا کر دیا گیا۔

مقاصد الاصلاح:

مولانا آزاد کے بیان کے مطابق انجمن الاصلاح کے مقاصد یہ قرار پائے تھے:

۱۔ شہر (کلکتہ) میں علمی مذاق کو فروغ دینا۔

۲۔ عام اتحاد و ائتلاف پیدا کرنا۔

۳۔ تقریر و تحریر کے ذوق کو ترقی دینا اور اس کی مشق و ترقی کے لیے عمدہ وسائل مہیا کرنا۔

۴۔ ایک ایسے مرکز علم و تہذیب کا وجود میں لانا، جہاں علمی ذوق رکھنے والے اکٹھے ہوں

اور جس کے ذریعے علم و فن کا چرچا عام ہو سکے۔

۵۔ اصلاحِ رسوم وغیرہ۔

دارالاخبار:

انھی مقاصد کے لیے ایک قرأت خانہ جس کا نام "دارالاخبار" طے پایا تھا، قائم کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"(انجمن) اصلاح کے ہفتے وار جلسے ہوتے تھے۔ موضوع مقررین کو دیے جاتے تھے اور بعض لوگ تحریریں اور بعض لوگ زبانی تقریریں کرتے تھے اور بعض موضوعوں کے متعلق مباحثے کا وقت رکھا جاتا تھا۔ اس وقت کالجوں کے بعض ذہین انڈر گریجویٹ بھی آنے لگے اور تحریر و تقریر میں حصہ لینے لگے۔ باہر سے کوئی مشہور آدمی آجاتا تو وہ بھی وہیں لیکچر دیتا۔۔۔ کلکتے میں فی الحقیقت ایسی صحبت بالکل ناپید تھی۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں علمی ذوق رکھنے والے اکٹھے ہوں اور علم و فن کا چرچا ہو سکے۔ اخبار بینی کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے اس کلب کے قائم ہو جانے سے واقعی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو گئی۔"[۱]

لسان الصدق:

جب احسن الاخبار بند ہو گیا تو اس کے تبادلے میں آنے والے اخبارات و رسائل بھی بند ہونے لگے اور چوں کہ یہ اخبارات و رسائل انجمن اور دارالاسلام کے قیام کی بنیاد تھے۔ یہ بند ہونے لگے تو اُن کا وجود بھی خطرے میں پڑ گیا۔ اُسے بچانے کی فکر کی گئی اور طے یہ پایا کہ "لسان الصدق" کے نام سے ایک پندرہ روزہ یا ماہوار رسالہ جاری کر دیا جائے تاکہ احسن الاخبار کے تبادلے میں آنے والے اخبارات و رسائل آتے رہیں اور انجمن الاصلاح اور دارالاخبار کے مشغلے کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا مشغلہ بھی باقی رہے۔ مولانا آزاد نے اپنی کہانی میں یہ داستان بھی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہی دارالاخبار ایک دوسرے مشغلے کا باعث ہوا، یعنی لسان الصدق کی اشاعت

۱۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی۔ دہلی، حالی پبلشنگ ہاؤس، اپریل ۱۹۵۸ء، ص ۲۰۲

گا۔ جب احسن الاخبار بند ہوگیا تو اس کے تبادلے میں جو اخبارات آتے تھے، وہ بھی آہستہ آہستہ بند ہونے لگے۔ دار الاخبار کے وجود کی بنیاد انھی پر تھی۔ اب بڑی مشکل پیش آئی۔ لوگ وسیع مطالعے کے عادی ہو چکے تھے۔ اخبارات کی کمی کا نتیجہ یہ تھا کہ دار الاخبار بند ہو جائے۔ بہ قیمت اگر اس قدر اخبارات منگوائے جاتے تو اس کے لیے ایک بہت بڑے فنڈ کی ضرورت تھی اور اس کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ . . . . . اُس زمانے میں مولوی محمد یوسف جعفری سے . . . ملاقات بہت بڑھ چکی تھی اور روزانہ دار الاخبار میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ابتدا سے وہ احسن الاخبار، انجمن (الاصلاح) اور دار الاخبار کی تجویز اور انتظام کے ایک شریک اور معاون رہے تھے۔ ان سے میں نے کہا کہ اخبارات کے حصول کی یہی ایک راہ نظر آتی ہے کہ ایک چھوٹا سا ماہوار یا پندرہ روزہ رسالہ نکال دیا جائے اور اس کے مبادلے میں اخبارات حاصل کیے جائیں۔ جو خرچ اس کی چھپائی وغیرہ میں ہوگا، وہ اوّل تو خریداروں سے کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہو جائے گا۔ بالفرض سیکڑوں اخبارات کی قیمت کے مقابلے میں یہ خرچ بہت ہی ہلکا ہوگا۔ انھوں نے یہ رائے پسند کی اور اس کا انتظام اپنے ذمے رکھنے پر راضی ہو گئے۔

ہادی پریس سے انتظام کیا گیا اور تجویز ہوئی کہ بالفعل فل اسکیپ تقطیع پر ایک جز کا رسالہ نکالا جائے اور مہینے میں دو بار نکلے۔ میں نے اس کا نام لسان الصدق تجویز کیا اور بلا کسی اعلان کے پہلا نمبر چھاپ کر شایع کر دیا۔"[1]

انجمن ترقی اردو کا پہلا ترجمان:

لسان الصدق کے مقاصد کی تالیف اور انجمن ترقی اردو سے اس کے تعلق کے ذیل میں مولانا آزاد کے ایک اور بیان سے استفادہ ضروری ہے اور مناسب معلوم ہوتا کہ یہ استفادہ اسی مقام پر کر لیا جائے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ "انجمن ترقی اردو" قائم

---

[1] ایضاً، ص ۳۰۲-۳۰۳

ہو چکی تھی اور مرحوم مولانا شبلی اُس کے ناظم تھے۔ انجمن ہی کے سلسلے میں میں نے خط و کتابت کی تھی اور انھوں نے خط و کتابت کے بعد مجھے بڑا اشائق اور کارکن سمجھ کر انجمن کے ارکانِ انتظامیہ میں چن لیا تھا۔

دوسری شاخ خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے اصلاحِ رسوم کی قائم کی تھی اور "عصرِ جدید" نکالا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لسان الصدق کے خاص مقاصد میں یہ دو مقصد بھی داخل کیے گئے تھے۔ یعنی ترقی اردو اور اصلاحِ رسوم۔ اس کے علاوہ عام طور پر علمی و ادبی مضامین کا وہ مجموعہ تھا۔

انجمن ترقی اردو نے اُس کی دل چسپی دیکھ کر اسے اپنا آرگن قرار دے دیا تھا۔ اور مولانا (شبلی) مرحوم انجمن کے متعلق، جس قدر مفید و دل چسپ باتیں ہوتی تھیں، اُنھیں سب سے پہلے اسی میں اندراج کے لیے بھیج دیتے تھے۔ اور تمام ممبران انجمن کے نام ایک اطلاع شائع کر دی تھی کہ اس پرچے کو ضرور منگوائیں۔ اس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد متعلقین انجمن کی اُس کی خریدار ہو گئی تھی۔ دو تین نمبروں کے بعد ہی چھ سات سو خریدار ہو گئے تھے۔

پہلے تو خیال تھا کہ محض دارالاخبار کے قیام کا یہ ایک ذریعہ ہے، رسالہ مقصود بالذات نہ تھا۔ اس لیے اُس کی زیادہ اہمیت نظر میں نہ تھی۔ لیکن جب اُسے لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اخبارات نے لمبے چوڑے ریویو لکھے۔ اس کے ہر نمبر کے مضامین وکیل وغیرہ میں نقل کیے گئے تو خیال ہوا کہ اسے ایک اچھا رسالہ بنانا چاہیے۔ چھ مہینے کے بعد (اُسے) ماہوار کر دیا گیا اور کتاب کی شکل میں کم از کم تین جز کی ضخامت تک پہنچ گیا۔ باہر سے لوگ مضامین بھیجنے لگے تھے "۔[1]

پندرہ روزہ یا ماہوار:

ایک بات کی تصحیح یہیں کر دی جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ کہ لسان الصدق پہلے پندرہ روزہ نکلنا شروع ہوا پھر ماہوار کر دیا گیا۔ فیصلہ شاید یہی ہوا ہوگا کہ پندرہ روزہ نکالا جائے۔ اُس

---

[1] ایضاً، ص ۵ - ۴ - ۳

کے لیے ہر ماہ کی ۵ر اور ۲۰ر تاریخ اشاعت مقرر ہوئی ہو گی۔ لیکن لسان الصدق عملاً شروع ہی سے ماہوار نکلا تھا۔ ابتدا میں چند ماہ (نومبر ۱۹۰۳ء تا اپریل ۱۹۰۴ء) اس پر ہر ماہ کی ۲۰ر تاریخ درج ہوئی تھی۔ مئی سے یہ صراحت بھی ختم کر دی گئی۔ شاید یہی زمانہ اس کی پندرہ روزہ اشاعت کا دور مراد ہے۔ مئی ۱۹۰۴ء سے اس کی اشاعت ماہوار شمار کی گئی۔

دستور العمل:

مقاصد کے دائرے میں سچائی اور راست بازی کو لسان الصدق کا موٹو یا دستور العمل قرار دیا گیا تھا۔ اس کا پہلا پرچہ اپنے صفحۂ اوّل پر اس اعلان کے ساتھ شائع ہوا تھا:

"اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ"

"لسان الصدق کا دستور العمل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ یہ قوم کو کذب سے بچائے اور راستی پر لائے۔ جب اس کا فرض منصبی صرف حق گوئی قرار دیا گیا تو اس کی امید قوم کو اس سے نہیں رکھنی چاہیے کہ یہ انھیں ایسے ترانے سنائے گا۔ جو نہایت شیریں معلوم ہوں۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ پھر "سچائی کی زبان" کیوں کر شیریں معلوم ہو گی۔ یہ ہمیشہ تم کو کڑوی کسیلی باتیں سنائے گا۔ جو اگرچہ تمھیں ناگوار معلوم ہوں گی۔ لیکن اس زمانے کو دور نہ سمجھو جب کہ صدق کا منجی ہونا اور کذب کا مہلک ہونا تم پر ظاہر ہو جائے گا۔"

مقاصد:

لسان الصدق کے چار مقاصد قرار پائے تھے جو مولانا آزاد کی ترتیب کے مطابق انھی کی زبان میں یہ تھے:

۱۔ سوشل ریفارم؛ یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی۔
۲۔ ترقی اردو؛ یعنی اردو زبان کے علمی لٹریچر کو وسیع کرنا۔
۳۔ علمی ذوق کی اشاعت ــــــ بالخصوص بنگالہ میں
۴۔ تنقید؛ یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا

مولانا آزاد نے لسان الصدق کے پہلے پرچے میں ان مقاصد کا اعلان کیا تھا اور اسی شمارے میں اس کی وضاحت اور تشریح بھی کر دی تھی۔ ہم یہاں بہ ترتیب دفعات مولانا کی زبان میں اس کے مطالعے کا موقع فراہم کرتے ہیں:

سوشل ریفارم:

اس مقصد کی تشریح میں مولانا لکھتے ہیں:

"اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں کے موجودہ رسم ورواج کی بنا ہندوؤں کے میل جول سے پڑی۔ مسلمانوں نے جب ہندوستان فتح کیا تو مفتوح قوم کے رسم ورواج سے واقف ہونے کی انھیں ضرورت ہوئی واقفیت کے ساتھ جب میل جول بڑھا تو خود بہ خود مفتوح قوم کے رسم ورواج نے فاتح قوم کے افعال پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ادھر اکبر اعظم کی غیر متعصبیت نے یہاں تک ترقی کی کہ ہندوؤں کے رسم ورواج پر مائل ہوکر مسلمانوں میں غیر محسوس طریقے پر میلان پیدا کر دیا۔ مذہبی کمزوری نے بھی بہت سے توہمات پیدا کر دیے اور ان سب باتوں نے مل کر مسلمانوں کے افعال پر یہاں تک اثر کیا کہ انیسویں صدی" میں مسلمانوں کے خاص رسم ورواج نظر آنے لگے۔ اُن کی اُس عربی سادگی اور ایرانی تکلف کی جگہ، ایک خاص ہندوستانی مخلوط رنگ نظر آنے لگا۔ اُن کے رسم ورواج نے انھیں اپنے قدیم سرچشمے سے ایسا جدا کر دیا کہ کوئی دیکھنے والا انھیں کبھی وہ قدیم مسلمان نہیں سمجھ سکتا، جنھوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا۔ اسی رسم وراج کی بدولت انھوں نے اپنی تمام قدیم صفتیں[1] کھو دیں وہ جو کچھ اپنے ساتھ لے کر ہندوستان آئے تھے، اُسے برباد کر کے ہندوستان کا سرمایہ بھی تباہ کر دیا جس کی جانب حالی نے "شکوہٗ ہند" میں کیا خوب اشارہ کیا ہے:

رخصت اے ہندوستاں! اے بوستانِ بے خزاں	رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
تونے ثروت دی، حکومت دی، ریاست دی ہمیں	شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا؛
نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک بہ خاطر داریاں	جو دیا تھا تونے، وہ آخر کو سب رکھوا لیا
تیرا اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار	جس نے چاہا لے لیا اور جس کو چاہا دے دیا

---

[1] "صفتیں" کی جگہ لسان الصدق "صنعتیں" چھپا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اسی لیے اپنے خیال کے مطابق اسے "صفتیں" کر دیا ہے (ا۔س۔ش)

پر گلہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ   وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا
سب سے بڑی وجہ ان بیہودہ رسم و رواج کی طبیعت ثانیہ ہونے کی یہ ہوئی کہ مذہبی توہمات اور علما کی غفلت نے عوام کو اچھا موقع دے دیا کہ وہ انھیں داخل مذہب سمجھ کر ہر مسلمان کے لیے لازمی سمجھ لیں۔ بعض رسومات ایسے تھے، جن سے علما اور واعظین کو بالخصوص مالی منفعت ہوئی تھی اور یہ منفعت انھیں اعلانِ حق سے باز رکھتی تھی۔ ایک مدت تک جب کسی قسم کی اصلاح نہ کی گئی تو ان کے طبیعتِ ثانیہ ہونے میں کیا دیر تھی؟ اسلامی حکومت کا آخری دور بالکل عیش و عشرت کا زمانہ تھا۔ لکھنؤ میں تمول اور بے فکری نے خود بہت سے نئے رواج پیدا کر دیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی و غمی کی بے جا رسمیں زیادہ تر لکھنؤ ہی کی بے فکرانہ زندگی سے پیدا ہوئی ہیں۔

جب ہندوستان میں زمانے نے دوسرا دور شروع کیا اور وہ ایک متمدن سلطنت کے قبضے میں آیا تو یہ غیر ممکن تھا کہ ہر شخص قدیم روش کی طرح بے فکری کی زندگی بسر کرتا۔ اسباب کا پیدا کرنا اور تعلیم کا حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔ لیکن رسم و رواج میں باوجود تعلیمی انہماک کے کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ ہر ایک رسم اسی طرح ہر معیّن موقعے کے لیے ضروری رہی اور قدیم روش کی تقلید اسی طرح ہر شخص کے لیے لازمی قرار دی گئی لیکن چوں کہ وہ بے فکری اور تموّل ایک متمدن سلطنت کے زیرِ سایہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ قدیم روش سیکڑوں خاندانوں کے لیے بربادی کا باعث ہوئی۔ معمولی معمولی تقریبوں پر ہزاروں روپے صرف ہونے لگے اور سوسائٹی کے دباؤ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان ظالم رسومات سے ذرا بھی مخالفت کر سکے۔

ہمارے ایک دوست نے ہندوستان کی یہ حالت دیکھ کر ہم سے بیان کیا کہ ہندوستان کی غربت کی ایک بڑی وجہ یہاں کے رسم و رواج ہیں جو سوسائٹی کا زور لے کر ہر شخص سے مجبوراً سیکڑوں روپے صرف کرا لیتے ہیں"۔ لکھنؤ میں تمھیں اکثر یہ آوازیں سننے میں آئیں گی کہ بلن میاں کی شادی میں پانچ ہزار کا قرضہ ہو گیا اور چھٹن میاں کے ختنے میں دو مکان گروی ہو گئے۔ اب اور آمدنی کی کوئی صورت

تو ہے نہیں خاندان کا خاندان فاقوں مر رہا ہے اور سود کا خیال خون خشک کر رہا ہے۔ اگر اصلی معنوں میں سادگی کے ساتھ شادی کر دی جاتی اور صرف ختنہ کر دیا جاتا تو یہ بیتن اور چھٹن خاندانوں کے تباہ ہونے کے باعث نہ ہوتے۔ رسم و رواج کی پابندی نے یہ کچھ خرابیاں ہندوستان میں پیدا کر رکھی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی اصلاح کی جانب آج تک کسی نے توجہ نہیں کی اور یہ مرض اسی طرح قوم میں ترقی کرتا گیا۔

اکثر اس خیال میں رہے کہ ہم جن ضروری اصلاحوں میں مشغول ہیں وہ اس اصلاح سے بدرجہا ضروری ہیں اس لیے اس اصلاح سے قوم کو وحشت ہوئی اور رسم و رواج کی محبت نے ہمیں ان کا مخالف سمجھ کر ہم سے بدظن کرا دیا تو اصلی کوشش میں خرابی پیدا ہو جائے گی اور اس اصلاح کی بدولت اور ضروری اصلاحیں بھی رہ جائیں گی۔

بعضوں نے یہ خیال کیا کہ جب قوم میں تعلیم عام ہو جائے گی اور جدید اثرات ہر دماغ تک پہنچ جائیں گے تو خود بخود اصلاح مراسم کا خیال طبیعتوں میں پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے اس وقت کوشش کرنی قبل از وقت ہے۔ یہ خیالات آج تک اس ضروری اصلاح سے مانع رہے اور حکیم کا بے جا سکوت اور مریض کی بے خبری نے مرض کو لاعلاج ہونے کے قریب کر دیا۔

اگر اس وقت بھی ہم اس قسم کی دور اندیشیوں میں مست رہیں گے، تو اس زمانے کو کچھ دور نہیں سمجھنا چاہیے جب کہ مرض کلیتہً لاعلاج ہو جائے گا اور تمام ہمارے وقت اس کے علاج سے عاجز ہو جائیں گے۔“

گزشتہ سطروں میں ایک طبقۂ فکر کے اس خیال کا ذکر آیا ہے کہ ضرورت تعلیم کے عام ہونے کی ہے۔ تعلیم کے فروغ کے ساتھ رسم و رواج کی خود بخود اصلاح ہو جائے گی۔ مولانا کے خیال میں رسم و رواج خود تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو تعلیم کی اشاعت سے رسم و رواج کی اصلاح کی منزل قریب کیوں کر آسکتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر میں رسم و رواج کی اصلاح کی تحریک تعلیم کے فروغ کی تحریک سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی تھی بلکہ مولانا اسے دوسری اصلاحات قومی کے لیے بھی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ مولانا اس نقش کو اجاگر کرنے کے لیے

اسی سلسلۂ بیان میں فرماتے ہیں :

"وہ پہلی جماعت، جسے ہم نے "اکثر" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ بیشک بہت سی ضروری اصلاحوں میں مشغول ہے اور بلاشبہ ان کا قوم میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اصلاحِ رسومات دراصل ایسی ضروری اصلاح ہے کہ ہر قسم کی اصلاح اس پر مبنی ہے۔ تعلیم کو مسلمانوں میں آج تک جو ناکامیابی ہوئی وہ بہت کچھ رسم و رواج کی پابندی سے ہوئی۔ اکثر خاندانوں میں اب تک انگریزی اسی لیے نہیں پڑھائی جاتی کہ ان کے یہاں ایک خاص نصاب تعلیم کی رسم پڑ گئی ہے اور رسم و رواج کے لحاظ سے اس کا پڑھانا ضروری ہے۔ انگریزی اگر اولاد کو پڑھائی جائے تو اس تعلیم کا وقت نہ ملے اور یہ رسم و رواج کے خلاف ہو۔ اسی قسم کی بہت سی رکاوٹیں ہر قسم کی اصلاحوں میں ان رسومات کی پابندی نے پیدا کر دی ہیں جو بلا اصلاح مراسم کے دور نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے اس جماعت کا اور اصلاحوں کو اس سے ضروری سمجھ کر ادھر توجہ نہ کرنا دراصل ایک بیّن غلطی ہے۔"

ان سطروں میں مولانا نے جو بات ارشاد فرمائی ہے۔ اُس پر غور فرمایئے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک اصلاح رسم و رواج کا مطلب صرف شادی اور موت کی رسموں کی اصلاح تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ اصلاح قومی کا ایک وسیع اور جامع تصور رکھتے تھے اور اُسی وقت (۱۹۰۳ء) سے وہ تعلیم کے نصاب میں اصلاح کے قائل تھے جس کے لیے زندگی کے آخری دور اور ملک کی آزادی کے بعد تک ان کی جدوجہد جاری رہی۔

اس کے بعد اسی پہلی جماعت — جسے مولانا نے "اکثر" کے ساتھ تعبیر کیا ہے، کے دوسرے خیال کی تردید یوں فرماتے ہیں :

"اب رہی دوسری بات کہ رسم و رواج چوں کہ غایت درجے کی قوم میں وقعت رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر اُن کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو قوم کو ہماری طرف سے تنفر بڑھے گا اور ہماری اور اصلاحوں میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک تو ہم نے کون سی ایسی اصلاحی کوشش کی ہے جسے قوم نے بلا کسی تنفر کے قبول کر لیا ہو؟ انگریزی تعلیم کی اشاعت پر جو کچھ ہمیں خطاب

ملے اور جس قدر ہم سے تنفر ظاہر کیا گیا، وہ ہمیں ابھی بھولا نہیں ہے۔
ایک ایسی قوم کی جس میں ایک مدت سے غایت درجے کی جہالت پھیلی ہوئی ہو، جب اصلاح کی جائے گی۔ چاہے وہ جس قسم کی ہو اور جس طرح کی ہو مصلحین سے اس کا متنفر ہونا ایک ضروری امر ہے۔ صرف اس خوف سے اصلاح مراسم جیسی ضروری اصلاح سے چشم پوشی کرنی کتنی بڑی غلطی ہے۔"

اس کے بعد مولانا دوسری جماعت کے خیالات پر بحث کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:
"دوسری جماعت کا اس توقع میں رہنا کہ جب تعلیم عام ہو جائے گی تو خود بخود قوم کو اصلاح کا خیال پیدا ہو جائے گا، کس قدر بے جا توقع ہے؟
تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ قدیم رسم و رواج جو خاندانوں میں نسلاً بعد نسلٍ قائم ہوتے چلے آئے ہیں، کبھی تعلیم سے دور نہیں ہو سکتے۔ سوسائٹی کا دباؤ، قدیم خاندانی اثر تعلیم پر غالب آ جاتا ہے اور ایک تعلیم یافتہ شخص جو گھر سے باہر آزاد اور مہذب نظر آتا ہے۔ گھر کی چار دیواری کے اندر آ کر پھر رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور وہ تعلیمی اثر جس نے اُسے گھر سے باہر مہذب اور آزاد دکھلایا تھا خاندانی اثر سے ناشائستہ رسومات کا پابند ہو جاتا ہے۔
تعلیم بے شک ایک قسم کا خفیف احساس پیدا کر دیتی ہے، لیکن ایک زبردست تحریک کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک وہ تحریک طبیعت میں آمادگی پیدا نہ کرے، طبیعت کسی چیز کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ اسی تحریک کا نام اصلاح کی کوشش ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اِس کی کوشش کی جائے اور اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ فضول گفتگو اور بحث میں وقت ضائع کیا جائے بلکہ جو کچھ کرنا ہے اُسے شروع کر دینا چاہیے۔ "کن یدأ و لانکن لسانا" گفتگو از حد گذشت و مرگ نزدیک آمدہ۔
اے عزیزان! آخر این بیمار را باشد علاج! بڑی مسرت کی بات ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء نے اصلاح تمدن اور اصلاح مراسم پر توجہ شروع کر دی ہے۔
ندوۃ العلماء نے آج تک جو کچھ کیا ہے، اس پر ہمیں اِس وقت بحث مقصود

نہیں ہے، لیکن دہلی کے جلسے میں جو علمی کارروائی کانفرنس نے شروع کی ہے، وہ واقعی قابلِ توجہ ہے اور اسے دیکھ کر امید بندھتی ہے کہ یہ کوشش ضرور کوئی نتیجہ پیدا کرے گی۔

کانفرنس نے اصلاح تمدن کا علاحدہ صیغہ قائم کیا ہے۔ جس کے سکریٹری علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ جناب غلام الثقلین ہیں، جو واقعی اس اہم عہدے کے پورے لائق ثابت ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اسی مقصد کے لیے "عصرِ جدید" نامی ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے اور ایسے ممبروں کے بڑھانے کا ایک عمدہ ذریعہ پیدا کر لیا ہے، جو اس امر کا عہد کر لیں کہ آئندہ کسی رسم کی پابندی نہیں کریں گے۔ ہم خواجہ صاحب کی اس کوشش کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جب وہ کانفرنس بمبئی میں اپنا سالانہ کارنامہ پیش کریں گے تو تمام قوم بھی ان کی خدمت کو ہماری طرح قدر کی نگاہ سے دیکھے گی۔ انھیں ضرورتوں کو دیکھ کر "لسان الصدق" کے مقاصد میں یہ مقصد داخل کیا گیا۔ لیکن چوں کہ سب سے زیادہ مضر رسومات وہ ہیں جن کا تعلق معاشرت سے ہے۔ اس لیے اصلاح معاشرت پر اس کی توجہ زیادہ رہے گی۔"

اصلاح معاشرت کے سلسلے میں مولانا کے یہ عزائم اعلان تک ہی محدود نہ رہے تھے۔ لسان الصدق کے صفحات میں نہایت مفید اور فکر انگیز مضامین موجود ہیں اور جس طرح اردو کی ترقی کی ایک تحریک پیدا کر دی تھی اور معیاری تنقید کے ذوق کے نشوونما میں حصّہ لیا تھا۔ اصلاح معاشرت کا شعور پیدا کرنے اور غلط رسم و رواج اور توہّمات، اسراف، قرض، فضول خرچی وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کی تحریک پیدا کرنے میں بھی لسان الصدق کا قابلِ قدر حصّہ ہے۔ اصلاح معاشرت کے سلسلے میں لسان الصدق میں یہ مضامین شائع ہوئے ہیں:

اسلام اور رسوم	مولوی محمد یوسف جعفری رنجور	ج ۱ ش ۲
″ ″ ″ (۲)	″ ″ ″	ج ۱ ش ۱
معاشرانہ زندگی (ترجمہ)[1]	″ ″ ″	ج ۲ ش ۵

---

[1] یہ سرجان لبک کی کتاب "دی یوز آف لائف" کے ایک باب کا ترجمہ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

معاشرانہ زندگی (ترجمہ)	مولوی محمد یوسف جعفری رنجور	ج ۲ ش ۶، ۷
شادی	ابوالنصر آہ دہلوی	ج ۱ ش ۲
توہمات کی زندگی	” ”	ج ۲ ش ۱
شگون	” ”	ج ۲ ش ۲

اصلاحِ معاشرت: حقوقِ نسواں اور اس کے متعلق

ایک بڑی غلط فہمی کی اصلاح	مولوی سید محمد سعید بلگرامی	ج ۲ ش ۵
” ” ” : شادی خانہ آبادی	” ”	ج ۲ ش ۶، ۷

اس سلسلے میں مولانا آزاد کا ایک شذرہ جو انھوں نے کلکتہ کے ایک تاجر کی بیٹی کے کان چھیدنے کی رسم کے موقعے پر بے جا اسراف کے بارے میں لکھا تھا (ج ۱ ش ۱) اور مولوی سید محمد سعید بلگرامی کے مضمون پر ان کا نوٹ (ج ۲ ش ۵) نیز مولوی محمد یوسف جعفری رنجور مرحوم کے ترجمے "معاشرانہ زندگی" (ضمیمہ ج ۲ ش ۵) پر ان کی تعارفی تحریر نہایت مفید، فکر انگیز اور اعلیٰ خیالات پر مبنی ہے۔

اصلاحِ معاشرت کا مسئلہ جس طرح اب سے سو برس پہلے سرسید مرحوم کے عہد میں اہم تھا۔ اسی طرح ۸۵ برس قبل لسان الصدق کی اشاعت کے دور میں لائقِ توجہ تھا، اسی طرح آج بھی یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے اور ضرورت ہے کہ اس کے لیے ایک منظم اور مستقل تحریک پیدا کر دی جائے اور اسے مسلسل جاری رکھا جائے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کی بعض قومیں اور برادریاں بے جا رسموں، غلط رواجوں، قرض، فضول خرچیوں اور اسراف سے نجات پانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور کسی حد تک انھوں نے اس مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے تو اس میں سرسید مرحوم کی ایجوکیشنل کانفرنس کی تحریک اصلاحِ معاشرت، خواجہ غلام الثقلین کے "عصرِ جدید" اور مولانا آزاد کے لسان الصدق کا بھی حصہ ہے [1]

---

* یہ جو مئی اور جون جولائی کے رسالے کے ساتھ بہ طور ضمیمہ شامل کیا گیا تھا منصوبہ یہ تھا اسی طرح ماہانہ اقساط میں رسالے کے ساتھ بہ طور ضمیمہ یہ ترجمہ شائع ہوتا رہے گا اور کچھ عرصے کے بعد قارئین لسان الصدق ایک عمدہ کتاب کا ترجمہ اپنے پاس موجود پائیں گے۔ لیکن یہ سلسلہ دو قسطوں سے آگے جاری نہ رہ سکا۔

[1] دراصل ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ زوال میں اصلاحِ معاشرت کی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ہے)

دو سال کی جدوجہد اور مطالعہ و مشاہدے کے بعد مولانا آزاد کی نظر میں اصلاح معاشرت کی ضرورت اور اہمیت اور بڑھ گئی اور وہ لسان الصدق کے صفحات کے محض ایک حصّے کو اِس اہم مقصد کے حصول کے لیے ناکافی سمجھنے لگے۔ چناں چہ ۱۹۰۵ء میں جب انھوں نے لسان الصدق کے نئے دور کے آغاز کا عزم کیا تھا تو یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اصلاحِ معاشرت کے میدان کو کلیتاً "عصرِ جدید" کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ اہلِ علم اور اصلاح کا جذبہ رکھنے والوں کا تعاون اُسے حاصل ہو اور وہ زیادہ دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ اِس مہم کو سر کرنے کی کوشش کر سکے۔
لیکن گزشتہ دو سال کے تجربات سے یہ بات بھی ان کے قلب پر نقش ہو گئی تھی کہ اصلاح معاشرت کی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی:

۱۔ جب تک اصلاحِ خیالات کا مرحلہ طے نہ ہو جائے۔

۲۔ اصلاحِ خیالات کا مرحلہ طے کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ عورتوں کی جہالت ہے۔

۳۔ عورتوں کی جہالت دور کرنے کے لیے ان کی تعلیم ضروری ہے۔ اس لیے "اصلاح خیال" کے مقصد کا اس نئے دور کے مقاصد میں اضافہ کیا گیا۔

مولانا کے نزدیک معاشرتی برائیوں کا سرچشمہ عورتوں کی جہالت سے پھوٹتا ہے۔ پس اگر اصلاحِ معاشرت کے معاملے میں کوئی مخلص ہے اور قوم میں اصلاح کے عمل کا دل سے خواہشمند تو اسے سب سے پہلے عورتوں میں اشاعتِ تعلیم کی مہم سر کرنی چاہیے۔

اس وقت جب کہ میں یہ بات لکھ رہا ہوں اور مولانا آزاد کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہوں تو میرے سامنے لسان الصدق کے علاوہ بھی اسی دور کی مولانا کی بعض تحریرات ہیں۔

ترقی اردو:

اس مقصد کی وضاحت و تشریح میں مولانا لکھتے ہیں:

یہ پہلی تحریک امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے پیدا کی تھی۔ انھوں نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی اور جماعت میں اس کا احساس پیدا کیا، شاہ عبدالعزیز اور ان کے اخوان نے اسے آگے بڑھایا اور سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید وغیرہم نے اس تحریک کو منظم کیا اور سیاسی زبان، قلم اور عمل سے اِس سلسلے میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ سرسید کی اصلاحی تحریک بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی اور حضرت شاہ شہید کا فیضانِ نظر تھا اور خواجہ و آزاد کی اصلاحی کوششیں اسی کے سنابل۔

"اردو زبان نے آج تک جس قدر علمی ترقی کی ہے، وہ کسی خاص کوشش پر مبنی نہیں ہے۔ مسلمان آج تک اس سے بے خبر رہے اور صرف معمولی طور سے علمی تصانیف ان کے ذخیرے کو وسیع کرتی رہیں۔ غور کیا جائے تو چار زبانیں مشرقی زبانوں میں ایسی ملیں گی جو اردو کے ساتھ شمار کی جا سکتی ہیں۔ ترکی، عربی، فارسی اور بنگلہ۔ یہ وہ زبانیں ہیں جنھوں نے جدید اثرات اردو کی طرح اسی آخری دور میں حاصل کیے ہیں۔ ان میں سے تین زبانیں خاص اسلامی ممالک کی زبانیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارسی نے بہ نسبت اردو کے کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کی۔ لیکن ترکی اور عربی زبانوں کے مقابلے میں اگر اردو لائی جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ عربی زبان میں جدید علوم و فنون کی جس کثرت سے کتابیں موجود ہیں اور ہر ماہ جس قدر کتابیں عربی ترجمہ ہو کر شائع ہوتی ہیں، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جو بیروت اور مصر کی موجودہ حالت سے واقف ہو۔ ترکی زبان میں تمام جدید علوم کی کتابیں موجود ہیں اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہیں۔ اردو میں تو عربی کی دائرۃ المعارف (عربی انسائیکلوپیڈیا) اور "النقش فی الحجر" ہی کا جواب نہیں۔ اس مقابلے سے مقصود یہ ہے کہ اردو ابھی اور مشرقی اسلامی زبانوں سے بہت پیچھے ہے اور اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ علوم و فنون کے ترجمے کا اردو میں سلسلہ قائم نہیں ہوا اور صرف تعلیم کی جانب اب تک توجہ رہی۔

اس کے علاوہ اردو میں عمدہ تصانیف کی بھی کمی ہے۔ سوا چند مشہور مصنفوں کے جن کا نام انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے اور کسی قابل شخص کے قلم سے عمدہ تصنیف نہیں نکلتی۔ برخلاف اس کے مخرب اخلاق ناولوں کی اور فضول کتابوں کی اس قدر کثرت ہے کہ شاید فارسی کی کتب عشقیہ نظم و نثر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ملک میں کافی تعداد ایسے اہل قلم کی موجود ہے جن کی کوششوں سے عمدہ کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں۔ لیکن عام میلان دیکھ کر وہ اس کی توقع نہیں کر سکتے کہ کسی علمی تصنیف کے ذریعے وہ کاپی رائٹ کے قاعدے سے مستفیض ہو سکیں گے۔ اس لیے انھیں بجائے مفید کتابوں کے ناولوں میں وقت صرف کرنا پڑتا ہے اور اس طرح اردو زبان کا علمی دائرہ بجائے وسیع ہونے کے

روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے۔

یہ تمام ضرورتیں ایک ایسی انجمن کی منتظر تھیں جو اردو زبان کی ترقی کے وسائل پیدا کرے اور اہل قلم کی مدد کر کے ان سے علمی خدمت لے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لٹریری سیکشن کا انجمن ترقی اردو قائم کرنا واقعی ہمیں امید دلا رہا ہے کہ اس انجمن کی بدولت یہ تمام ضرورتیں رفع ہو جائیں گی اور ہم ایک دن اپنی زبان کو علمی زبانوں کی ہم سری کرتے ہوئے دیکھیں گے۔

لسان الصدق کا دوسرا مقصد "ترقی اردو" اسی انجمن کے متعلق ہے۔ یہ ان تمام وسائل کو عمل میں لائے گا جو ترقی اردو کے لیے انجمن قرار دے گی۔ بالخصوص بنگالہ میں انجمن کے مقاصد کی اشاعت اور بنگالہ کی اہل قلم جماعت کو اس پر متوجہ کرنا لسان الصدق کا اہم فریضہ ہے۔"

تنقید:

لسان الصدق کا تیسرا مقصد "تنقید؛ یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا" قرار پایا تھا۔ اس مقصد کی اہمیت پر بھی مولانا آزاد نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"انگریزی میں کسی کتاب پر "ریویو" کرنا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اس کتاب کے حسن و قبح پر بحث کی جائے اور ریویو نویس اپنی رائے ظاہر کرے۔ لیکن اردو میں ہمیشہ ریویو کا ترجمہ "تقریظ" کیا گیا ہے، جس سے ریویو کا اصلی مفہوم ہی مفقود ہو گیا۔ اس لیے کہ تقریظ تو عام طور پر کسی کتاب کی مدح و تحسین کرنے کا مفہوم رکھتی ہے۔ برخلاف ریویو کے کہ اس کا مفہوم صرف اس کے حسن ہی پر بحث کرنی نہیں ہے بلکہ اس کے قبح پر بھی نکتہ چینی کرنی ہے۔ اکثر کتابوں کے آخر میں بعض ہم عصر افاضل کی تقریظیں نظر آتی ہیں، جن میں مدح و تحسین سے دو تین صفحے کالے کرنے کے سوا "کریٹسزم" کے اصول سے ذرا بھی کام نہیں لیا جاتا۔ تقریظ کا صرف مدح و تحسین کا مفہوم رکھنا یہاں تک مسلم ہو گیا ہے کہ اگر کسی تقریظ میں کتاب پر کوئی ذرا سا اعتراض کیا ہو یا کتاب کی کسی قدر خرابی ظاہر کی ہو تو وہ تقریظ کے دائرے ہی سے باہر سمجھ کر اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ کتاب کے ساتھ شائع کی جائے۔

سر سید احمد خاں نے جب اپنے ابتدائی زمانے میں "آثار الصنادید" کی تصحیح کی اور

اُسے طبع کیا تو مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم سے تقریظ کی فرمایش کی۔ مرزا صاحب یورپ کے جدید آئین کے دلدادہ تھے اور آئینِ اکبری کو ایک فضول کام سمجھتے تھے۔ انھوں نے سر سید کی خاطر تقریظ تو نظم میں لکھ دی، لیکن اظہارِ رائے سے نہ بچ سکے۔ تقریظ کا پہلا شعر یہ ہے:

مژدہ یاراں را کہ ایں دیرین کتاب
یافت از اقبالِ سید فتح باب

اس کے بعد انھوں نے انگریزوں کے آئین اور ایجادات کی تعریف کی ہے اور اس کتاب میں سر سید نے جو عرق ریزی کی تھی، اُسے شاعرانہ پہلو سے فضول بتلایا ہے اور چند شعر سر سید کی مدح میں لکھ کر تقریظ ختم کر دی ہے۔

سر سید نے جب تقریظ دیکھی تو بہت ناراض ہوئے اور کتاب کے ساتھ شائع نہیں کی۔ اس ناراضی کا اصل سبب یہ تھا کہ سر سید "ریویو" کے اصلی مفہوم کے عادی نہ تھے۔ تقریظ میں صرف مدح و تحسین کا ہونا ان کے ذہن نشین تھا۔

"ریویو" کا اصلی ترجمہ ہماری زبانوں میں "تنقید" سے بہتر نہیں ہو سکتا اور ممالک اسلامیہ میں "ریویو" کی جگہ یہی لفظ مستعمل ہے۔ ہندوستان کے عام اخبارات میں آج کل جس طریقے سے کتابوں پر بالعموم ریویو کیا جاتا ہے، اُسے ریویو کی جگہ تقریظ کہنا چاہیے۔ نہ کتاب کی پوری کیفیت ظاہر کی جاتی ہے اور نہ اس کے حسن و قبح پر بحث ہوتی ہے۔ صرف مصنف اور جائے طبع اور قیمت کی اطلاع دے دینی ریویو نویسی کا فرض سمجھا گیا ہے۔ ایسے ریویو سے علاوہ اس کے کہ ریویو نویسی کا اہم فرض نہیں پورا کیا جاتا، سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ کتاب کے نقائص نہ پبلک پر ظاہر ہوتے ہیں اور نہ مصنف پر۔ رفتہ رفتہ مصنف بھی تقریظ کے عادی ہو جاتے ہیں اور پھر وہ کسی قسم کے اعتراض سننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔

لسان الصدق کا فرض ہوگا کہ وہ ہر کتاب پر اپنی سچی رائے ظاہر کرے۔ اور جس طرح کتاب کا روشن پہلو پبلک کے سامنے کر دے، اسی طرح اس کے تاریک پہلو کو بھی پیش کر دے۔ وہ اس کی بالکل پروا نہیں کرے گا کہ اس کا مصنف کون

ہے اور کس پائے کا ہے؛ وہ تصنیف گو کیسے ہی با اقتدار اور مشہور شخص کی کیوں نہ ہو۔ یہ اس کی سچی خوبیاں ظاہر کر دے گا۔ کیوں کہ یہ لسان الصدق ہے اور سچائی اس کا دستور العمل ہے۔"

لسان الصدق میں مولانا کے قلم سے تنقید کے بہترین نمونے موجود ہیں لیکن تنقید کی جو اہمیت مولانا کی نظر میں تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا خود اس سے مطمئن نہ تھے اور لسان الصدق کے محدود صفحات کو اس کے لیے ناکافی خیال کرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے خاص اس مقصد کے لیے "ریویو" کے نام سے ایک رسالہ نکالنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

"..... انتقاد اس قدر ضروری اور اہم ہے کہ اس کے لیے ایک ایسا رسالہ جو اور مقصد کے لیے بھی اپنے اوراق صرف کرنا چاہتا ہو، کافی نہیں ہو سکتا اور اس لیے ہم نے اس مقصد کے لیے لسان الصدق کا ایک ضمیمہ "ریویو" جاری کرنا تجویز کیا ہے۔ جس کا اشتہار کسی دوسری جگہ درج کیا جائے گا۔"

اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے اس مشترکہ شمارے میں پورے ایک صفحے پر "ریویو" کا اشتہار بھی چھپا ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ "ریویو" کے نصب العین اور مقاصدِ اجرا کی صراحت فرمائی ہے۔

۱۵ جون سے اسے نکالنے کا عزم بھی کر لیا تھا۔ اگرچہ ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

علمی مذاق کی اشاعت:

یوں تو پورے ملک میں علمی مذاق کی اشاعت مولانا کے پیش نظر تھا۔ لیکن بنگال میں جس کے مرکز کلکتہ میں مولانا ایک مدت سے مقیم تھے، خاص طور پر علمی مذاق کی اشاعت چاہتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کا چوتھا مقصد علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگالہ میں ہے اگرچہ یہ مقصد عمومیت کے ساتھ تمام ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے لیکن بنگالہ کی خصوصیت خاص اس صوبے کے مسلمانوں کی حالت پر مبنی ہے۔ ہندوستان میں تعلیم روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے اور بالخصوص مسلمانوں میں تعلیم یافتہ جماعت بڑھتی جاتی ہے لیکن باوجود اس کے علمی مذاق جس چیز سے عبارت ہے اس

کی مسلمانوں میں بڑی کمی ہے۔ زندہ دلان پنجاب ہمارے لیئے سے کسی قدر مستثنیٰ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں ورنہ ہندوستان کی عام حالت کے متعلق تو ہمارا اندازہ بہت صحیح ہے۔

علمی مذاق سے ہماری مراد اخبارات کا مطالعہ، علمی رسائل کی کثرت، مجالس علمی کی شرکت، علمی مباحث کا چرچا جو پنجاب کے سوا اور کہیں خال خال نظر آتا ہے۔

یہ تو ہمارے مقصد کے عام پہلو کی تشریح تھی۔ بنگالہ کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی اسلامی سوسائٹی اس مذاق سے بالکل معرّا ہے۔ اور اگر ہمارے بعض احباب بنگالہ اجازت دیں تو ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انھیں اپنی غلطی کا احساس بھی نہیں ہے۔

برخلاف مسلمانوں کے اگر اس صوبے کے ہندو بنگالیوں کو دیکھا جائے تو زمین و آسمان کی اَن نیچرل تشبیہ نیچرل معلوم ہوگی، جو علمی مذاق اور دماغی ترقی ہندوؤں میں نظر آتی ہے اُسے دیکھ کر ایک باریک بیں نگاہ حیرت میں آجاتی ہے کہ ایک ہی خاک کے دو نوجوان ایک ہی یونیورسٹی سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں لیکن مسلمان نوجوان کسی خاص شغل کو حاصل کر کے ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ اُسے کسی قسم کی علمی تحریک ہشیار نہیں کر سکتی۔ برخلاف اس کے وہ ہندو نوجوان باوجودے کہ ایک اعلیٰ درجے کے کام میں منہمک ہوتا ہے، علمی مذاق سے اپنی دماغی قوت کو قوی کرتا ہے اور شب و روز مسائل علمی اور مباحث فنّی کے مطالعے میں مشغول رہتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا کوئی نزیا لوجسٹ ہمیں بتلا سکتا ہے کہ بنگالہ کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی دماغی امتیاز ہے؟ یہ ممکن تھا کہ ہم بلا دریافت کے خارجی امتیاز کی بنا پر دماغی امتیاز بھی تسلیم کر لیتے۔ لیکن جب ہم انھیں بنگالی مسلمانوں میں بعض ایسے گراں مایہ وجود بھی دیکھتے ہیں جن کی علمی قابلیتوں کا تمام انڈیا معترف ہے اور جن کا قابلِ عظمت جوہر اپنی ملکی زبان میں ظاہر نہیں ہوا ہے بلکہ ایک غیر مانوس علمی زبان میں انھوں نے اپنا سکہ بٹھایا ہے تو ہمارا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوؤں کی علمی قابلیت کی اصلی وجہ ان کا علمی مذاق ہے، جس میں وہ کالج سے

نکل کر ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اور مسلمانوں کی عدم قابلیت کی حقیقی وجہ اس مذاق سے بے بہرہ ہونا ہے جس کا انھیں بالکل احساس نہیں ہے۔

لسان الصدق اپنی کوششوں سے پہلے ان میں اس کا احساس پیدا کرے گا اور پھر اس مذاق کی اشاعت کرے گا۔ اس صوبے سے کسی علمی رسالے کا اردو میں نہ نکلنا اس مذاق کے نہ ہونے کی بیّن دلیل تھی، جس کمی کو لسان الصدق نے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی پورا کر دیا اور اسی طرح اپنی اور کوششوں میں بھی کامیاب ہوگا۔ والسعی منیّ والاتمام من اللہ تعالیٰ!"

(لسان الصدق، ۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ئہ ج ۱ ش ۱)

لسان الصدق کے مقاصد کی اس تفصیلی وتشریح کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد نے اوائل عمر اور علمی زندگی کے آغاز ہی میں پختہ علمی، ادبی اور لسانی وسماجی شعور حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت مولانا کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی اور اس وقت انھوں نے جو بات کہی تھی، اس سے بلند بات آج تک زبان وقلم پر نہیں آئی۔

لسان الصدق کے تمام مضامین اس کے مقاصد کے دائرے کے اندر رہی ہیں۔ سوشل ریفارم اور تنقید کے میدان میں لسان الصدق کی علمی خدمات کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اردو کی ترقی اور اسے ایک علمی زبان بنانے کے سلسلے میں لسان الصدق کے تمام اہل قلم کے کاموں پر تبصرے کے لیے تو ایک دفتر مطلوب ہوگا۔ یہاں صرف مولانا آزاد کی خدمت پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ مولانا آزاد کے قلم سے لسان الصدق میں مندرجہ ذیل مضامین اور نوٹس ہیں:

۱۔	اردو شارٹ ہینڈ	فروری ۱۹۰۴ء
۲۔	ملکی زبان سے غفلت	؍ ؍
۳۔	دارالسلطنت ہند میں ایک عمدہ پریس کی ضرورت	اپریل ؍
۴۔	اردو انسائیکلوپیڈیا	جون جولائی ؍
۵۔	دیسی اور ولایتی الفاظ	اگست ستمبر ؍
۶۔	ترقی اردو اور تراجم علوم وفنون (۱)	؍ ؍ ؍
	؍ ؍ ؍ (۲)	اپریل مئی ۱۹۰۵ء

مضامین پر سرسری تبصرہ :

اس فہرست میں سب سے پہلا عنوان " اردو شارٹ ہینڈ رائٹنگ " کی ایجاد سے متعلق ایک نوٹ ہے۔ اس کے مطابق یہ فن منشی غلام رسول (بمبئی) نے ایجاد کیا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے سامنے اردو کی علمی ترقی ہی کا مسئلہ نہ تھا بلکہ عام اور کاروباری زندگی اور سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں اردو کے نفاذ ورواج کا مسئلہ اور زمانے کی تیز رفتاری اور اس کی ضروریات و مقتضیات بھی تھیں۔

دوسرا مضمون مصر کے روزنامے " المؤید " کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے، جس کے شروع میں مولانا نے ایک نوٹ دیا ہے۔ اس نوٹ میں مولانا نے شکوہ کیا ہے کہ ہمارے نوجوان کئی عالمی زبانوں میں عبور حاصل کرتے ہیں لیکن اپنی ملکی زبان سے غفلت برتتے ہیں۔ حالاں کہ مہذب دراصل وہی شخص ہے جو اپنے قومی اور مذہبی لٹریچر سے بھی واقف ہو۔ مولانا نے توقع ظاہر کی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنی ملکی اور قومی زبان کی تحصیل کی بھی سعی کرنی چاہیے۔

زبان کی ترقی میں پریس کا جو اہم کردار رہا ہے اور آیندہ بھی اسے جو اہمیت حاصل رہے گی، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا آزاد کو اس کا شدید احساس تھا۔ اس لیے پریس کی ترقی اور آزادی کے لیے جو کوششیں مولانا نے الہلال کے آغاز اشاعت (۱۹۱۲ء) سے کی تھیں اور الہلال کے دور ثانی (۱۹۲۷ء) تک جاری رہیں۔ ان کا سر آغاز ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں ملتا ہے جب انھوں نے ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور کی وقتی ایڈیٹری کے زمانے میں پریس کے سلسلے میں ایک نوٹ لکھا تھا اور پھر مخزن، لاہور مئی ۱۹۰۲ء میں انھوں نے فنِ اخبار نویسی کے عنوان سے مضمون لکھا تھا۔ اس کے دو سال کے بعد لسان الصدق اپریل ۱۹۰۴ء میں مولانا نے دارالسلطنت ہند میں ایک عمدہ پریس کی ضرورت کے عنوان سے یہ مضمون لکھا تھا۔

اردو انسائی کلو پیڈیا کی تحریک کی ایک طویل تاریخ ہے۔ مختلف اوقات میں کئی حضرات نے اس کی تالیف و تدوین کا عزم کیا لیکن مختلف وجوہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ مولانا آزاد نے کئی ایسی تجویزوں اور عزائم کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :

" فی الحقیقت اردو انسائی کلو پیڈیا کی اشد ضرورت ہے اور انجمن ترقی اردو کو ضرور اس پر توجہ کرنی چاہیے۔ اس کی ترتیب کے متعلق ایک اور آسان تجویز ہے جو پیش کر دی جائے گی۔"

مولانا کے اس نوٹ سے جو لسان الصدق کے جون جولائی ۱۹۰۴ء کے مشترکہ شمارے میں چھپا تھا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا اپنی علمی و ادبی زندگی کے آغاز ہی سے اردو زبان کی ترقی اور اس کے علمی لٹریچر میں اضافے کے بارے میں سوچتے تھے اور اس کے لیے ان کے ذہن میں تجاویز تھیں جن کا اظہار لسان الصدق کے مقاصد کی تشریح اور مختلف مضامین وغیرہ میں ہوا ہے۔

لسان الصدق اور بعض دیگر مآخذ کے حوالے سے اردو زبان اور علوم و فنون کی ترقی، تراجم کی اہمیت اور موضوع کے اطراف و جوانب پر مولانا آزاد کی خدمات کے بارے میں میں اپنی کتاب "اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ[1]" میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ اس لیے یہاں اس بحث کی تکرار مناسب نہیں۔

لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز:

جنوری ۱۹۰۵ء سے مولانا آزاد لسان الصدق کا ایک نیا دور شروع کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس شمارے کی اشاعت میں اتنی تاخیر ہوئی کہ جنوری کے شمارے کو اپریل مئی ۱۹۰۵ء کا مشترکہ شمارہ بنانا پڑا۔ اس شمارے میں مولانا نے اپنے تجربے اور مطالعہ و مشاہدہ کی روشنی میں لسان الصدق کے مقاصد کی از سرِ نو تالیف کی ہے۔

اس میں مولانا نے اس کے پہلے مقصد سوشل ریفارم کو ان سے الگ کر دیا ہے کہ یہ مقصد نہایت توجہ کا طالب تھا اور لسان الصدق کے دیگر مقاصد کے ساتھ ان پر قرار واقعی توجہ کی جا سکتی تھی اور نہ اس کی اہمیت کے مطابق اس کے لیے صفحات کی گنجائش پیدا کی جا سکتی تھی۔ نیز یہ خدمت "عصرِ جدید" نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا۔ عصرِ جدید کا اجرا آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبۂ اصلاحِ معاشرت کے تحت عمل میں آیا تھا۔ خواجہ غلام الثقلین مرحوم اس شعبے کے سکریٹری اور عصرِ جدید کے ایڈیٹر تھے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کے قدیم مقاصد میں پہلا مقصد سوشل ریفارم در حقیقت ایک

---

[1] خاکسار کی یہ کتاب ہندوستان میں "انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلی ۲۔۔۔۱۱" سے اور پاکستان میں "ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، کراچی ۱۸" سے شائع ہوئی ہے۔ اس میدان میں مولانا آزاد مرحوم کی خدمات کے تفصیلی مطالعے کے لیے اس کتاب سے رجوع کرنا چاہیے۔

مفید اور ضروری مقصد ہے اور اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ ایسے اہم مقصد کو ضمنی طور پر داخلِ مقاصد کیا جائے۔ معزز "عصرِ جدید" اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے اور یہ اسی کا حصّہ ہے۔ لہٰذا یہ مقصد آیندہ کے لیے مقاصدِ لسان الصدق سے الگ کرتے ہیں۔"

اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے دل میں اس مقصد کی اہمیت کم نہیں ہو گئی تھی بلکہ اس کا نقش کچھ اور گہرا ہو گیا تھا نیز یہ کہ وہ صحافت میں تقسیم موضوعات کے قائل تھے اور اس اصول کے تحت چاہتے تھے کہ علم و ادب اور سماجی، معاشرتی، تاریخی، مذہبی اصلاح و ترقی کے مقاصد کے لیے الگ الگ رسالے جاری کیے جائیں اور ان پر پوری توجہ دی جائے۔

یہ مقصد ہمیشہ مولانا کے سامنے رہا اور اس سلسلے میں اہم، فکر انگیز اور نہایت مفید مضمون لسان الصدق میں شائع ہوئے۔ لکھنے والوں میں مولانا آزاد کے علاوہ مولانا محمد یوسف جعفری رنجور، مولوی ابوالنصر غلام یاسین آہ وغیرہ شامل ہیں۔

اس سلسلے میں اہم چیز جو مولانا کے خیالات کے مطالعے سے سامنے آتی ہے کہ غلط عوائد و رسوم کی اصلاح میں سب سے بڑی رکاوٹ غلط خیالات اور توہمات ہوتے ہیں اس لیے اگر عمل اصلاح میں یہ ترتیب رکھی جائے کہ پہلے غلط عقائد کو درست کر دیا جائے، باطل خیالات کی اصلاح کر دی جائے اور توہمات میں مبتلا ذہنوں کو اس کے سحر سے نجات دلا دی جائے تو اصلاح کی راہ آسان اور منزل نزدیک ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد کے نزدیک اصلاحِ خیال کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ ۱۹۰۵ء سے جب لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز کر رہے تھے تو اس کے مقاصد میں یہ اضافہ کیا۔

۲۔ لسان الصدق کا دوسرا مقصد دورِ اوّل میں "ترقی اردو" تھا۔ یہ مقصد دوسرے دور میں بھی اسی طرح پیشِ نظر رہا۔ بلکہ دوسرے دور میں مولانا نے اسے لسان الصدق کا "اصلِ اصول" قرار دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"دوسرا مقصد" ترقی اردو" درحقیقت لسان الصدق کی آیندہ زندگی کا اصل اصول ہے کیوں کہ اردو کی ترقی محض علمی مضامین کی اشاعت اور اردو داں پبلک کے علمی مذاق پر موقوف ہے اور لسان الصدق بھی اپنا آیندہ مقصد

قرار دیتا ہے۔"

۲۔ دورِ اوّل میں تیسرا مقصد علمی مذاق کی اشاعت تھا۔ دوسرے دور میں بھی اس کی اہمیت برقرار رہی اور اردو کی ترقی کو علمی مضامین کی اشاعت پر موقوف قرار دیا گیا ہے۔ اور آیندہ کے لیے اس کی پہلی خصوصیت قرار دی گئی مولانا لکھتے ہیں:

"بے نتیجہ لٹریری اور تفریحی (مضامین) ترک کر کے صرف کارآمد اور علمی مضامین اس میں شائع کیے جائیں گے۔"

اگرچہ کہنے کو اب دوسرا مقصد "ترقی اردو" ہے لیکن غور کیجیے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصل اور بنیادی مقصد علمی مضامین کی اشاعت اور علمی ذوق کی تربیت ہے اور حاصل اس کا "ترقی اردو"۔ اس مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لٹریچر نے گو اس کا ساتھ نہیں چھوڑا مگر وہ لٹریری دنیا سے بالکل ترک تعلق کرتا ہے اور اب ہمیشہ کے لیے علوم و فنون کے چٹیل میدان میں قدم رکھتا ہے۔"

چند خاص موضوعات:

لیکن علوم و فنون کی دنیا جو سیکڑوں علوم و فنون تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس باب میں کوئی نظام پیش نظر نہ ہوتا تو قارئین کے علمی ذوق کی تربیت ممکن نہ ہوتی۔ اگر سیکڑوں علوم و فنون میں سے کبھی کسی ایک علم سے متعلق کبھی کسی فن کے متعلق کسی نظام کے بغیر مختلف و متفرق علمی مضامین شائع کیے جاتے رہے تو علمی ذوق کی تربیت میں ان سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا تھا جو پیش نظر تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ چند علوم کو منتخب کر لیا جاتا اور اسی دائرے میں علمی مضامین شائع کیے جاتے اور ایک محدود دائرے میں کے بعد دیگرے مضامین کی اشاعت سے وہ فوائد حاصل کیے جاتے جو پیش نظر تھے۔

مولانا آزاد نے لسان الصدق کو علمی مضامین کی اشاعت کے لیے وقف کر دینے کا فیصلہ کیا تو اس کے لیے ایک منصوبہ اور نظام ان کے ذہن میں تھا جس کا اظہار انھوں نے اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے شمارے میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"لسان الصدق کے آیندہ مضامین کے لیے ہم نے "علوم" سے تین سبجیکٹ انتخاب کر لیے ہیں۔ جن کی اشاعت اس کا مقصد ہوگا۔ سائنس، تاریخ، اخلاق۔

چوں کہ لسان الصدق کی آنے والی زندگی کا مذہبی تحقیقات سے بھی تعلق رہے گا۔ اس لیے مذہب کا مقدس سبجیکٹ بھی اس کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے اور تین سے چار تک تعداد بڑھائی جاتی ہے۔
انھیں میدانوں تک لسان الصدق کی آیندہ قلمی کوشش محدود رہے گی۔ اور یہی وہ میدان ہیں جن میں محدود رہنے کی لسان الصدق کوشش کرے گا۔ وہ ایسی بلند پروازی کو پسند نہیں کرتا جو اِس دائرے سے اُس کو باہر کردے"!
آخری جملے میں مولانا نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے۔ علم وعمل کے کسی میدان میں بھی بہترین نتائج کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ تقسیم کار اور دائرہ بحث وعمل کے اصول کی سختی سے پابندی کی جائے اور جو دائرہ کار مقرر کرلیا جائے اس سے باہر قدم نہ نکالا جائے۔

۴- دورِ اوّل میں چوتھا مقصد "تنقید — یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا تھا۔ دوسرے دور میں یہ مقصد تیسرے مرتبے میں نمایاں ہوا لیکن اس اہمیت کے ساتھ کہ لسان الصدق کے محدود صفحات کو اس کے لیے ناکافی سمجھا گیا اور خاص اس مقصد کے لیے "ریویو" کے نام سے ایک مستقل ضمیمہ نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

> "تیسرا مقصد "انتقاد" اس قدر ضروری اور اہم مقصد ہے کہ اس کے لیے ایک رسالہ جو دو مقاصد کے لیے بھی اپنے اوراق صرف کرنا چاہتا ہو، کافی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہم نے اس مقصد کے لیے لسان الصدق کا ایک ضمیمہ "ریویو" جاری کرنا تجویز کیا ہے۔ جس کا اشتہار کسی دوسری جگہ درج کیا جائے گا۔"

۵- دورِ اوّل میں لسان الصدق کے چار مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ لیکن چوں کہ سوشل ریفارم کے مقصد کو اس سے الگ کردیا گیا تھا، اس لیے "دورِ ثانی" میں تین مقصد باقی رہے اور ایک نئے مقصد کا اضافہ کیا گیا اس طرح دورِ ثانی میں بھی چار مقصد ہی اس کے صفحات پر نمایاں ہوئے تھے۔

اصلاحِ خیال۔ ایک نئے مقصد کا اضافہ:

اس دور میں مولانا نے لسان الصدق کے مقاصد پر نظر ڈالی اور اس میں جو ترمیم و

اصلاح ضروری سمجھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن اس دور کی ایک اہم خصوصیت ایک مقصد "اصلاحِ خیال" کا اضافہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں :

"لسان الصدق کے آیندہ مقاصد میں ایک مقصد "اصلاحِ خیال" بڑھایا جاتا ہے۔ جس کی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ قوم میں جو مذہبی، اخلاقی، تاریخی اور علمی غلط فہمیاں طبیعت ثانی ہو کر پھیل گئی ہیں، ان کو مختلف دلائل اور مختلف علمی ذرائع سے دور کرنے کی کوشش کرنا، خیالات میں صلاحیت پیدا کر کے تاریکی سے نکالنا اور روشنی کا عادی بنانا تاکہ آیندہ نسلیں ان کمزوریوں سے محفوظ رہیں اور آنے والا زمانہ توہمات کی تاریکی سے پاک و صاف ہو جائے۔"

اس سلسلے میں جو اہم چیز مولانا کے خیالات اور لسان الصدق کے اصلاحی مضامین کے مطالعے سے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ عوائد و رسوم کی اصلاح میں سب سے بڑی رکاوٹ غلط خیالات اور توہمات ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر اصلاح عمل میں یہ ترتیب رکھی جائے کہ پہلے غلط عقائد کو درست کیا جائے، باطل خیالات کی اصلاح کی جائے اور توہمات میں مبتلا ذہنوں کو اس کے سحر سے نجات دلا دی جائے تو "اصلاحِ عمل" کی راہ صاف اور آسان ہو جاتی ہے۔

اوپر مولانا آزاد کی تحریر کا جو اقتباس گزرا ہے اس کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ "اصلاحِ خیال" کا مفہوم مولانا کے ہاں عوائد و رسوم کے میدان میں غلط خیالات کی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ مذہب، اخلاق، تاریخ کے میدانوں تک وسیع ہے۔ مولانا کے نزدیک جہاں بھی غلط خیالات و توہمات موجود ہیں، ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اور یہی "اصلاحِ خیال" کے مقصد کے اضافے کا مطلوب ہے۔

پچھلے صفحات میں لسان الصدق کے نئے دور میں مولانا آزاد کے جن خیالات اور عزائم کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ اعلان و اظہارِ عزائم سے یہ بات آگے نہ بڑھی اور ان عزائم کے مطابق لسان الصدق کا کوئی نقش دنیا کے سامنے نمایاں نہ ہو سکا۔ لیکن مولانا کے خیالات بہ تفصیل ہمارے سامنے آ گئے ہیں، جن سے ہم آج کی صحافت کے مقاصد و مضامین کی تالیف و تہذیب اور تقسیم و ترتیب میں ضرور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اگرچہ صحافت کا قافلۂ برق رفتار گزشتہ پچاس سال کی مدت میں کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہے لیکن سوشل ریفارم، علمی مضامین کی اشاعت، علمی ذوق کی تربیت اور کسی زبان کی ترقی میں علمی مضامین کی اہمیت اور مختلف مقاصد کے لیے الگ الگ رسائل کی اشاعت کی ضرورت اور منصوبہ بندی اور تقسیم کار کے اصول پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت اور اہمیت میں آج بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ علوم و فنون کے بے حد پھیلاؤ، زندگی کی مصروفیات و افکار میں اضافے اور تیز رفتاری کے دور میں ان امور کی اہمیت زیادہ ہو گئی ہے۔

لسان الصدق کی چہار گانہ خصوصیات:

• خصوصیات کے ضمن میں مولانا نے یورپ میں صحافت کی چار خصوصیات ایسی بتلائی ہیں جن کی ہندوستان کی اردو صحافت میں کوئی مثال موجود نہیں تھی لیکن لسان الصدق میں مولانا یہ خصوصیات پیدا کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں:

> "اب لسان الصدق ایک ایسے رسالے سے عبارت ہے جو کار آمد، مفید ملک اور سائنٹی فک مضامین کا ایک عمدہ مخزن ہے۔ جس کے کار آمد اور مفید بنانے میں ہندوستانی کوشش کے تمام ممکن ذرائع سے کام لیا گیا ہے اور جس سے بہتر نمونہ اردو پریس کی موجودہ حالت نہایت مشکل سے پیش کر سکتی ہے۔
>
> اس میں چند خصوصیتیں یورپ اور ممالک اسلامیہ کے رسائل کی تقلید میں ایسی جمع کی گئی ہیں، جن کی نظیر آج اردو کا کوئی رسالہ پیش نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ یورپ میں مختلف مذاق کے جو رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ان کی تقلید میں مصر و ترکی آج تمام ایشیا میں فوقیت رکھتا ہے۔ ان ممالک کے رسائل میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں جن کی اردو رسالوں میں نظیر نہیں ملتی ؛
>
> ۱۔ اوّل یہ کہ چھپائی، لکھائی اور کاغذ کی عمدگی ان کی ظاہری صورت میں دل فریبی اور خوش نمائی پیدا کر دیتی ہے جو اردو رسائل میں بالکل نہیں ہے۔ اگر ایک دو رسالے اس امر میں زیادہ کوشش کرتے بھی ہیں۔ تو بھی ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔
>
> ۲۔ دوم یہ کہ ان کی ضخامت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ضخامت کے اردو

رسالے کو اس کا تیسرا حصہ بھی بہ مشکل کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے ان میں مضامین ہر قسم کے بہ کثرت آ سکتے ہیں اور ایک مہینے کی دل چسپی کا فی سامان جمع کر سکتے ہیں۔

۳۔ سوم یہ کہ مضامین کے جمع کرنے میں نہایت کوشش اور محنت سے کام لیتے ہیں۔ اردو رسالوں میں دو چار رسالے ایسے بہ مشکل نکلیں گے جن کے ہر نمبر میں کوئی نہ کوئی عمدہ مضمون ضرور ہو۔ ورنہ عموماً صفحات پری کے لیے ہر قسم کے ردی اور بے نتیجہ مضامین جمع کر دیے جاتے ہیں۔

۴۔ چہارم یورپ اور امریکہ کے رسالوں میں ایک ایسی عجیب قوت سے کام لیا جاتا ہے جو رسالے میں ایک نئی روح پیدا کر دیتی ہے اور یہی وہ روح ہے جس سے ہمارے اردو رسالے بالکل خالی ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں بے جان مُردے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ وہ عجیب قوت "تصاویر" ہیں، جن کا مضامین کی دل چسپی اور اہم مطالب کی تسہیل کے علاوہ رسالے کی ظاہری صورت پر بھی نمایاں اثر پڑتا ہے۔

"تصویر" آج بیسویں صدی میں تاریخی، اخلاقی مضامین کا جزو اعظم تسلیم کر لی گئی ہے اور روز بہ روز اس کی ضرورت پر زیادہ توجہ ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے جب تک اردو رسائل اس قوت سے کام نہ لیں گے، ان میں وہ خوبیاں پیدا نہیں ہو سکتیں جو یورپ کے رسالوں کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔

یہ وہ خصوصیتیں ہیں جن سے اردو رسالے بالکل محروم ہیں۔ اس لیے متعدد رسائل کی موجودگی پر بھی اردو میں ایسے رسالوں کی سخت ضرورت باقی ہے جو یہ خصوصیات حاصل کر کے مغربی تقلید کا کامل نمونہ پیش کریں اور دل چسپ مگر بے نتیجہ مضامین کو ترک کر کے خشک مگر کارآمد مضامین سے ملک میں علمی مذاق پیدا کریں۔"

تصاویر:

مولانا نے یورپ اور بعض اسلامی ممالک کی صحافت کی جن چہارگانہ خصوصیات

کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ نہایت واضح ہیں۔ ان کی حقیقت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میں یہاں صرف چوتھی خصوصیت "تصویر" کے حوالے سے چند خیالات کے اظہار پر اکتفا کروں گا۔

لسان الصدق میں تصاویر شائع نہیں ہوتی تھیں۔ اس وقت کا عام چلن بھی یہی تھا لیکن ۱۹۰۵ء میں جب نئے دور کا آغاز کیا جارہا تھا تو مولانا آزاد نے تصاویر کی شمولیت کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن یہ فیصلہ رسالے کے ظاہر کو محض خوبصورت اور دل کش بنانے کے نقطۂ نظر سے نہ تھا جیسا کہ بعض ادبی تفریحی رسائل میں ایک دو خوبصورت تصاویر شامل کر لی جاتی تھیں یا سرورق کو کسی تصویر سے حسین و رنگین بنا دیا جاتا تھا۔ مولانا نے تصاویر کی تاریخی و علمی افادیت کے پیش نظر اور کسی مضمون کی تفہیم و تسہیل اور اس سے دلچسپی پیدا کرنے کے نقطۂ نظر سے یورپ اور امریکہ کے رسائل کی تقلید میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے شمارے میں جہاں لسان الصدق کے آیندہ خصائص کے بارے میں بحث کی ہے۔ اس دفعہ (۴) کے تحت مولانا نے جو تحریر فرمایا اس پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ اس سے مولانا کے علمی ذوق اور اس کے فروغ و تربیت کے لیے ذرائع و وسائل کے باب میں مولانا کے شعور اور آزاد و بلند خیال کا اندازہ ہوتا ہے۔

تصاویر کی علمی افادیت اور مضامین کی تفہیم و تسہیل میں، ان کی اہمیت کے بارے میں مولانا نے ۱۹۰۵ء میں ان خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ اس سے ہمیں الہلال کو باتصویر نکالنے کے فیصلے کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا ہے اور الہلال میں مطبوعہ تصاویر پر نظر ڈالنے سے ان کی علمی، تاریخی اہمیت اور مضمون کی تسہیل کے نقطۂ نظر سے ان کی افادیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

سورہ کہف میں ذوالقرنین کی بحث میں مولانا نے ترجمان القرآن میں سائرس کے ایک مجسمے کی تصویر شامل کی تھی۔ یہ مجسمہ ایران میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران میں دریافت ہوا تھا۔ مولانا نے تفسیر کے اس مقام پر جہاں ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین کی بحث کی ہے، اس میں اگر یہ تصویر سامنے ہو تو تاریخ میں مذکور ایران کے سائرس اور قرآن کے ذوالقرنین کے خصائص فکر و سیرت کے موازنے میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ لیکن

جو ذہن کسی تصویر کی علمی افادیت سے آشنا نہ ہو، وہ اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ چناں چہ یہی ہوا کہ ایک بزرگ نے یہ سن کر کہ تفسیر میں تصویر چھاپی گئی ہے مفسر کے خلاف کفر کا فتویٰ داغ دیا۔

تصویر و تمثیل کی علمی افادیت و اہمیت کے بارے میں مولانا آزاد نے ایک مستقل تحریر میں بھی نہایت اہم اور مفید اشارے کیے ہیں۔ مولانا کی یہ تحریر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ذکرِ آزاد" میں شائع کی ہے۔ خاکسار نے "افاداتِ آزاد" میں اسے شامل کر لیا ہے۔

لسان الصدق کے دیگر خصائص کے مطالعہ و مشاہدہ کے لیے تو قارئین کو آئندہ شماروں کا انتظار کرنا تھا لیکن بد قسمتی سے یہ سلسلہ اس نمبر سے آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ تصویر کے بارے میں مولانا نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر عمل کا آغاز اسی پرچے سے کر دیا گیا۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ یونان کے ایک فاتح لیکچرار "ڈیماس تھینز" کا جو ترجمہ ابو النصر آہ دہلوی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اس عظیم خطیب کے اسٹیچو کی تصویر بھی شامل ہے۔

اس سے بڑھ کر سر سید احمد خاں اور ان کے نورتنوں کی وہ تصویر ہے جو بڑے سائز پر چھاپ کر لسان الصدق کے خریداروں کی خدمت میں بھیجی گئی تھی اور "دربار سید اعظم" کے عنوان سے ایک نوٹ اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے اسی شمارے میں (سرورق ص ۲) شامل کر لیا تھا۔

آج ہمارے سامنے مرقع نہیں لسان الصدق میں مولانا کا صرف یہ نوٹ ہے۔ اس کے مطالعے سے ہم مرقع کی اہمیت اور مولانا کے ذوق کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

> "اس نمبر کے ساتھ ایک دل چسپ گروپ خریدارانِ رسالہ کی خدمت میں نذر کیا جاتا ہے جو غالباً اردو رسالوں میں پہلا قدم تسلیم کیا جائے گا۔
> اکبر کا نورتن دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں ایک خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن مجددانِ اعظم کے درباروں میں سر سید اعظم کا نورتن[1] بھی ہمیشہ ممتاز نظروں سے دیکھا جائے گا۔ اکبر اعظم نے اپنے مشہور

---

[1] "سر سید کا دربار اعظم" ـــــ معلوم نہیں یہ کس سنہ کا اور کون سا (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ہے)

کے کمال سے فائدہ اٹھا کر اگر ہندوستان کے بڑے بڑے مقامات کو فتح کر لیا تھا، تو سر سید اعظم نے اپنے مشیروں کی ہمدردی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستانیوں کے سخت دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

یہ گروپ ایسی صورت میں حاضر کیا جاتا ہے جو چوکھٹوں میں لگا کر کمروں کی زینت کا کام دے سکے۔ ورنہ دوسری حالت میں رسالے کے ساتھ بھی غیر موزوں حالت میں رہتا۔

یہ گروپ درحقیقت ایک ادنیٰ نمونہ ہے، ان بے شمار تصویروں کا جو آئندہ خریداران لسان الصدق کی خدمت میں حاضر ہوا کریں گی" (اپریل و مئی ۱۹۰۵ء، سرورق ص ۲)

لسان الصدق کے دور میں اکبر اعظم، اس کے دربار، اس کی فتوحات اور نورتنوں کی مناسبت سے سر سید کے لیے "سید اعظم" ان کے مجمع علمی کے لیے "دربار سید اعظم" ان کے رفقائے کار کے لیے "نورتن" ان کے کارنامے کے لیے سخت دلوں کو فتح کرنے کی اصطلاحات و تراکیب کا استعمال مولانا آزاد کے نکتہ آفریں ذہن اور ان کے ادبی ذوق کا بڑا ثبوت ہے۔

سر سید کے حلقۂ علمی کے لیے "نورتن" کی اصطلاح مولانا آزاد کی اپنی ایجاد تھی۔ اپنی کہانی میں مولانا نے بیان کیا ہے کہ سر سید کے ساتھ ان کا حلقہ یا اس وقت میری اصطلاح

مرقع ہے جو مولانا آزاد کے نزدیک تحفے کی حیثیت رکھتا تھا اور لسان الصدق کے قارئین کی نذر کیا تھا۔ شاید کسی لائبریری، کسی گیلری یا کسی صاحب ذوق کے ذخیرۂ نوادر میں موجود ہو۔ یہ بھی پتا نہیں کہ اس میں واقعی "نو" رتن موجود تھے یا اکبر کے نورتن کی ترکیب سے فائدہ اٹھایا ہے اور سر سید کے عظیم رفقا کے لیے نورتن کی ترکیب استعمال کی ہے۔ خواہ تعداد کم و بیش ہو یا بہر حال یہ یقین ہے کہ سر سید کے حلقۂ علمی کی زیادہ سے زیادہ شخصیات ہوں گی اور حضرت سر سید اعظم کے علاوہ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین، شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی سمیع اللہ خان، شمس العلما شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی چراغ علی ہو سکتے ہیں اور شاید حاجی محمد اسماعیل خاں بھی ہوں جو سر سید کے رفیق، اہل علم، صاحب تصانیف اور بقول حالی سر سید کے شل اعضاء و جوارح کے تھے۔ اگرچہ یہ مرقع کہیں محفوظ ہے تو بلا شبہ یہ ایک تاریخی اور یادگار مرقع ہے۔

کے مطابق "نورتن" بھی اسی درجے محترم تھا جس قدر سرسید[1]

لیتھو طباعت میں تصویروں کی اشاعت میں اس وقت جو فنی دشواری پیش آتی تھی اس پر بھی مولانا کی نظر تھی۔ اس کے باوجود مولانا نے فیصلہ یہی کیا تھا کہ ایک دو تصویریں ہر نمبر میں الگ سے چھاپ کر لگا دی جایا کریں گی۔

لسان الصدق اور تہذیب الاخلاق:

مولانا آزاد نے لسان الصدق جاری کیا تو آیا ان کے ذہن میں کسی موقت الشیوع رسالے کی اس کی ظاہری شکل و صورت، معیار علمی، اور مضامین کی ترتیب و تہذیب، مباحث و عنوانات کی تقسیم، موضوعات کے تنوع اور مقاصد کی تالیف کا کوئی نمونہ بھی تھا؛ اس بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی لیکن وقت کے بعض رسائل کے مقاصد کی اہمیت اور بعض خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً عصر جدید، زمانہ، ترقی وغیرہ۔ لیکن یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ یہ رسائل اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے مولانا کے نزدیک نمونے کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا نے ۱۹۰۳ء اور پھر ۱۹۰۵ء میں لسان الصدق کے مقاصد اور اس کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعے سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ملکی صحافت میں کوئی معاصر بھی ان کے لیے معیار اور نمونے کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ بلاشبہ یورپ، امریکہ اور عالم اسلام کی علمی صحافت کے نمونے ان کے سامنے تھے، وہ ان سے متاثر نظر آتے ہیں اور لسان الصدق میں ان کی خوبیوں کو جمع کر لینا چاہتے تھے۔

معاصر صحافت کے بارے میں وہ اتنے فراخ قلب تھے یا تقسیم کار کے اصول کے پابند تھے کہ سوشل ریفارم کے عظیم مقصد کو جو "عصر جدید" کا اہم موضوع تھا، مناسب نہ سمجھا کہ اپنے رسالے میں ضمنی طور پر بھی باقی رکھیں۔ انھوں نے اسے لسان الصدق کے دائرہ مقاصد سے خارج کر دیا تھا۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سرسید کے تہذیب الاخلاق سے بھی متاثر نہ تھے۔ یہ دور (۱۹۰۳ء — ۱۹۰۵ء) ان کا سرسید کی عقیدت سے سرشاری کا دور تھا۔ وہ سرسید کے علمی و ادبی ذوق اور فکر و نظر سے متاثر تھے، مذہبی، تعلیمی اور

---

[1] آزاد کی کہانی، محولۂ بالا، ص ۴۰۷

اصلاحی میدان میں سرسید کے کام ان کے نزدیک کارنامے تھے، ان کی ذات علوم و فنون اور نظر و بصیرت میں جامع الصفات اور مجتہد مطلق کے مقام کی حامل تھی۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا آزاد تہذیب الاخلاق کے لٹریچر، اس کے مضامین کے تنوع، مقاصد کی اہمیت، اس کے علمی معیار اور اس کی ترتیب و تہذیب سے متاثر نہ ہوتے۔ حالاں کہ تہذیب الاخلاق اور اس کی خدمات کے بارے میں مولانا کی رائے آخر تک بہت اچھی رہی تھی، جب کہ تعلیم اور سیاست کے میدان وہ سرسید کی آرا سے اختلاف کر چکے تھے۔ تہذیب الاخلاق کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے کسی موقت الشیوع رسالے نے شاید ایسے اثرات وقت کی دماغی رفتار پر نہ ڈالے ہوں گے، جیسے تہذیب الاخلاق سے مرتب ہوئے ۔۔۔۔۔ فی الحقیقت جدید اردو علم و ادب کی بنیادیں اسی رسالے نے استوار کیں ۔۔۔۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اس حلقے کے زیرِ اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق و تصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔"[1]

تہذیب الاخلاق کے اس کارنامے پر نظر ڈالیے اور پھر لسان الصدق کے مقاصد و خصائص کی بحث (شمارہ اول ۳۔۱۹۰۳ء اور شمارہ آخر ۵۔۱۹۰۵ء) کو پڑھیے تو لسان الصدق کے باب میں مولانا کے عزائم اور تہذیب الاخلاق کے کارنامے میں بہت تھوڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر لسان الصدق کے مقاصد و معیار کے بارے میں مولانا کا عزم یہ ہے کہ اُسے تہذیب الاخلاق بنا دیا جائے۔ پھر مولانا کی کم عمری، علمی صحافت کے آغاز، ناتجربہ کاری اور سرسید کی عمر، ذہن و فکر کی پختگی، ان کے علم اور تجربے کا لحاظ کیا جائے تو یہ فرق بالکل مٹ جاتا ہے آخر سترہ برس کی عمر میں وہ پختہ کار سرسید تو نہیں بن سکتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سرسید کی صحافت سے مولانا آزاد کے متاثر ہونے میں پہلی مثال لسان الصدق ہی کی دی ہے۔ نظامی صاحب لکھتے ہیں:

"سرسید کی صحافتی زندگی اور اس کی روایات سے مولانا آزاد نے پورا پورا

---

[1] کانووکیشن ایڈریس، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۱۹۴۸ء۔

اثر قبول کیا۔ لسان الصدق اور الہلال دونوں میں تہذیب الاخلاق کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

سرسید نے ۹ر جنوری ۱۸۹۷ء کے تہذیب الاخلاق میں اپنے رسالے کے جن مقاصد کی وضاحت کی ہے، بالکل اسی انداز میں اور انھی خطوط پر مولانا آزاد نے ۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ء کے لسان الصدق میں اپنے مقاصد کا اعلان کیا ہے۔ مولانا آزاد جب ان مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو ان کا ذہن محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اس کے شعبۂ اصلاحِ تمدن، سرسید اور ان کے حلقے کی طرف جاتا ہے۔ وہ بنگال کو زندہ دلانِ پنجاب کی مثال دے کر ابھارتے ہیں۔[1]

اردو زبان کی اہمیت اور اس میں علوم و فنون کی اشاعت، اصلاح رسوم و عوائد اور علمی و تحقیقی مضامین کی اشاعت سے علمی ذوق کی تربیت اور مسلمانوں کو توہمات کی زندگی سے نکالنے کے لیے مولانا کے پیشِ نظر ٹھیک وہی مقاصد تھے جو سرسید کی علمی و تعلیمی تحریک کے تھے۔ جس طرح سرسید نے تہذیب الاخلاق کے صفحات کو شاعری سے بچایا تھا، لسان الصدق میں مولانا آزاد کا یہی اہتمام نظر آتا ہے۔ لسان الصدق میں مولوی احمد حسن کے قطعۂ تاریخ انتقال (دسمبر ۰۳ء) یا لسان الصدق کے قطعۂ تاریخ اشاعت (نومبر ۰۳ء) یا پھر خواجہ الطاف حسین حالی کو شمس العلماء کا خطاب ملنے کا قطعۂ تاریخ ہے (جون ۰۴ء)۔ ان کے سوا کوئی نظم، غزل وغیرہ نظر نہیں آتی۔ یہ تینوں قطعے مولوی محمد یوسف جعفری رنجورؔ عظیم آبادی کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہیں۔

۱۹۰۵ء میں جب مولانا لسان الصدق کے نئے دور کا آغاز کر رہے تھے تو مختلف احباب اور قارئین نے انھیں اپنی آرا سے استفادے کا موقع دیا تھا کہ آیندہ لسان الصدق کو کیا اور کس قسم کا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں بعضوں نے رائے دی تھی کہ اس میں

"اس قسم کے مضامین بھی شائع کیے جائیں، جن میں کسی مذہبی اصول کی تحقیق کی گئی ہو۔ کیوں کہ مرحوم تہذیب الاخلاق کے بعد اب اور کوئی رسالہ

---

[1] آجکل، دہلی، مولانا آزاد نمبر، نومبر ۱۹۸۸ء ص ۶۲۔

اس رنگ کا نظیر نہیں آتا۔" (لسان الصدق۔ اپریل و مئی ۱۹۰۵ء)

تعجب نہیں کہ مولانا اس رسالے سے متاثر ہوئے ہوں۔ اس لیے کہ یہ کوئی ایک رائے نہ تھی بلکہ "بعضوں کی رائے" تھی۔ اور شاید انھی آرا کا اثر ہو کہ مولانا نے لسان الصدق کے لیے جو تین علوم "سائنس، تاریخ اور اخلاق" منتخب کیے تھے ان میں مذہبی تحقیق کا اضافہ کرکے، انھیں تین سے چار کر دیا گیا تھا۔ (ایضاً)

لسان الصدق کی اہمیت ــ معاصر صحافت کا اعتراف:

لسان الصدق پر پہلا تبصرہ جو اس میں نقل کیا گیا ہے، شیخ عبد القادر ایڈیٹر مخزن، لاہور کا ہے۔ یہ تبصرہ لسان الصدق کے پہلے پرچے کو دیکھ کر لکھا گیا تھا اور مخزن کے شمارہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں چھپا تھا۔ ایڈیٹر مخزن لکھتے ہیں:

"ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے جو عرصے سے کلکتہ میں مقیم ہیں، لسان الصدق نام کا ایک ماہوار رسالہ جاری کرکے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے اور وہ کمی یہ تھی کہ دار السلطنت ہند میں اس وقت ہندوستان کی مشہور علمی زبان اردو میں کوئی رسالہ نہیں نکلتا تھا۔ اس رسالے کے مقاصد بہت مفید ہیں۔"

اس کے بعد ایڈیٹر مخزن نے مقاصد کی افادیت اور ضرورت پر تبصرہ کیا ہے اور توقع ظاہر کی ہے:

"مولوی صاحب (ایڈیٹر لسان الصدق) کے نام سے ہمارے ناظرین خوب واقف ہیں۔ مخزن کے اوراق میں ان کے متعدد مضامین نکل چکے ہیں۔ اس کے سوا انھیں ایڈیٹری سے بھی تعلق رہا ہے۔ کلکتہ کے ایک ہفتہ وار اخبار اور لکھنؤ کے مشہور رسالے کی ترتیب کی خدمت دیر تک ان کے سپرد رہی ہے۔ ان کی ذاتی خداداد لیاقت اور واقفیتِ فن سے امید پڑتی ہے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد کو پورا کر سکے گا۔ ہماری دعا ہے کہ ایسا ہو۔"

مولانا ظفر علی خاں نے اپنے رسالے "افسانہ" کے شمارہ فروری ۱۹۰۴ء میں لسان الصدق پر تبصرہ شائع فرمایا۔ ان کے سامنے لسان الصدق کے دو نمبر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں رسالے کے اجرا، ایڈیٹر کے نام کی صراحت اور مقاصدِ اجرا کے تعارف کے بعد لکھتے ہیں:

"اس رسالے کے دو نمبر ہم نے دیکھے، جن سے ہمارے اس حسنِ ظن کی تصدیق ہو گئی، جو ہم کو مولانا ابو الکلام کی نسبت پہلے سے تھا۔ پرچے کا نام ایسے زمانہ میں جب کہ کثیر التعداد رسالہ جات و اخبارات کی اشاعت سے عمدہ ناموں کا کال پڑ گیا ہے، ایڈیٹر کے حسن انتخاب کا شاہد ہے۔"

عین الاخبار، مراد آباد کے ایڈیٹر نے بھی لسان الصدق کا پہلا شمارہ دیکھنے کے بعد جو تبصرہ شائع کیا تھا، اس میں وہ لکھتے ہیں:

"لسان الصدق: یہ اردو رسالہ ابو الکلام آزاد دہلوی کی ایڈیٹری میں ہندوستان کے دار السلطنت شہر کلکتہ سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ اس کا پہلا نمبر، جس کو دیکھ کر ہم یہ تنقید لکھ رہے ہیں۔ باعتبار چھپائی و لکھائی اچھی ہے۔ مضامین کے بارے میں یہ عرض کرنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس کے ایڈیٹر کے خیالات ایسے ہی پاکیزہ ہیں جیسے ایک خیر خواہ مذہب کے ہونے چاہییں۔"

آخر میں لکھتے ہیں:

"مگر افسوس کہ کلکتہ کے عظیم شہر ہونے کے باوجود بھی اس کی اشاعت ہنوز بہت محدود ہے، جو لائق ایڈیٹر کی ہمت کو توڑنے کی دھمکی دے رہی ہے۔ قدر دان پبلک کو چاہیے کہ ایسے نایاب رسالے کی خریداری میں کوشش کر کے ایڈیٹر کی ہمت بڑھائیں۔"

یہ تینوں تبصرے لسان الصدق کے فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے سے نقل کیے گئے ہیں۔

رسالہ "دلچسپ" کے شمارہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں لسان الصدق پر جو تبصرہ کیا گیا تھا، اس کے خاص جملے یہ ہیں:

"کلکتہ سے ایک ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے، جس کے مہتمم اور ایڈیٹر مولوی ابو الکلام محی الدین صاحب دہلوی ہیں جو ہندوستان کے مشہور انشا پرداز ہیں اور عرصۂ دراز سے ملک و قوم کو اپنے مفید اور برجستہ خیالات سے مستفیذ کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ صرف قومی خدمت کے جوش میں جاری کیا گیا ہے۔۔۔ قابل ایڈیٹر صاحب کا خیال ہے کہ رسالے کی خدمات کی پسندیدگی اہل ملک سے خود اس کی ترقی کا سامان مہیا کرائے گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ امر

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قادر الکلام انشا پرداز کی قلم زوریوں کے سامنے کچھ مشکل نہیں۔"

ایڈورڈ گزٹ۔ شاہجہان پور نے اپنی ۲۹ر جنوری ۴ء کی اشاعت میں لسان الصدق پر مفصل تبصرہ شائع کیا تھا۔ ایڈیٹر لکھتا ہے:

"ہمارے لائق مہربان ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے "لسان الصدق" نام کا ایک ماہوار رسالہ کلکتہ سے جاری فرمایا ہے۔ اس کے مقاصد نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔"

اس کے بعد اس کے مقاصدِ اجرا کا تعارف کرایا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

"ہماری دلی تمنا ہے کہ لسان الصدق جلد جلد ترقی کے زینے طے کرے اور ملک کے واسطے ایک مفید پرچہ ثابت ہو۔ لسان الصدق علاوہ مضامین کی عمدگی کے لکھائی، چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی بہت اچھی حالت میں ہے۔"

لسان الصدق کے ایک شمارے میں یہ تذکرہ بھی آیا ہے کہ مولانا آزاد کچھ عرصے ایڈورڈ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے تھے۔

ان رسائل کے علاوہ نظام الملک، مراد آباد نے اپنے ۱۶ر مارچ ۴۰ء کے شمارے میں لسان الصدق کے اجرا اور ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد کے عزائم کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:

"لسان الصدق ایک رسالہ ہے جو کلکتہ سے ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے ماہوار شائع کیا۔ اس رسالے کا دوسرا نمبر اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس نمبر کو دیکھتے ہوئے ہم ضرور یہ کہیں گے کہ ہمارے آزاد دہلوی نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ مسلمانوں سے مخصوص ہے لیکن جس وقت آپ کے مفید مضامین کے مقاصد پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ذرا پبلک اس کی قدر دانی کر کے دیکھ تو لے کہ ہمارے آزاد صاحب کس آزادی سے اس کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

اگرچہ اس کی لکھائی، چھپائی بہت عمدہ ہے لیکن اس کی لکھائی چھپائی کی تعریف کرنا اس رسالے کی صورت کی تعریف کرنا ہے اور ہم اس کی صورت سے بہت زیادہ اس کی سیرت کی تعریف کرتے ہیں۔ ہندوستان کے دارالسلطنت یعنی کلکتہ میں ایسے رسالے کے شائع ہونے کی بہت ضرورت تھی۔"

یہ تینوں تبصرے لسان الصدق کے اپریل ۱۹۰۴ء کے شمارے میں نقل کیے گئے ہیں۔

لسان الصدق کے مطابع و مقامِ اشاعت:

لسان الصدق کلکتہ سے جاری ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی پرچے ہادی پریس۔ کلکتہ میں چھپے تھے۔ لیکن ۱۹۰۴ء کے وسط سے مولانا آزاد کا قیام زیادہ تر بمبئی میں رہنے لگا، اس لیے جون جولائی ۱۹۰۴ء سے ایڈیٹر سے مراسلت اور مضامین بھیجنے کا پتا "۱۳۔ بلاس روڈ۔ پوسٹ آفس بھائی کلہ، بمبئی" ہوگیا تھا۔ البتہ رسالے کی خریداری کی درخواستوں اور ترسیلِ زر کا پتا حسبِ سابق "مینجر دفتر لسان الصدق۔ تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۱۶، کلکتہ" تھا۔

اگست و ستمبر ۱۹۰۴ء (ج ۲ ش ۸، ۹) کا شمارہ "مطبع فیض رساں، بمبئی" میں چھپا اور وہیں سے شائع بھی ہوا۔ لسان الصدق کا آخری پرچہ جو جلد نمبر ۳ کا شمارہ نمبر ۱، ۲ ہے مفید عام پریس۔ آگرہ" میں چھپا تھا اور ۱۳۔ بلاس روڈ۔ پوسٹ آفس بھائی کلہ۔ بمبئی" سے شائع ہوا تھا۔

قیمت:

لسان الصدق کا پہلا پرچہ سولہ صفحات (ایک جز) پر مشتمل شائع ہوا تھا اور اس کی قیمت ۱؍۶ (ایک روپیہ چھ آنے) سالانہ مقرر کی گئی تھی۔ ۱۹۰۴ء کے آخری پرچے تک اس کی یہی قیمت رہی۔ اگرچہ صفحات ۱۶ سے ۲۴، ۳۲ اور ۴۲ تک ہو گئے اور ایسا بھی ہوا کہ کئی اشاعتیں دو دو ماہ کی مشترکہ نکلیں، لیکن قیمت کم یا زیادہ نہیں کی گئی۔ البتہ ۱۹۰۵ء سے جب نئے دور میں کتابت و طباعت میں معیار کے اہتمام، تصاویر کی شمولیت اور ضخامت میں دو جز (بتیس ۳۲ صفحے) سے لے کر تین جز (اڑتالیس ۴۸ صفحے) تک اضافے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کی سالانہ قیمت میں بھی ایک روپیہ اضافے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح جنوری ۰۵ء سے (دو روپے چھ آنے) سالانہ قیمت کا اعلان کیا گیا۔ لیکن اعلان کے مطابق پرچہ جنوری ۰۵ء سے نہ نکل سکا بلکہ تین ماہ کی تاخیر سے اور وہ بھی دو ماہ (اپریل و مئی) کا مشترکہ شمارہ نکلا جو

آخری شمارہ بھی ثابت ہوا۔

لسان الصدق کے لکھنے والے:

لسان الصدق کی تاریخ اس عتبار سے بھی نہایت شاندار ہے کہ اس کے اہل قلم میں وقت کی کئی بڑی شخصیتیں شامل تھیں جن کا قلمی تعاون اسے حاصل رہا۔

لسان الصدق کے معاونین میں پہلا نام شمس العلماء مولوی محمد یوسف جعفری رنجورؔ عظیم آبادی کا آنا چاہیے۔ لسان الصدق کو شروع ہی سے نہ صرف ان کا قلمی تعاون حاصل تھا بلکہ وہ اس کے اجرا کے فیصلے میں شامل تھے۔ اس کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری انھی پر تھی اور جیسا کہ رنجورؔ مرحوم کے نام مولانا آزاد کے خطوط (مطبوعہ جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ۔ شمارہ ۴۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر کی عدم موجودگی میں جو دنوں اور ہفتوں کی نہیں سہ ماہیوں اور ششش ماہیوں تک طویل ہوتی تھی، لسان الصدق کے انتظام کی کل ذمہ داری رنجورؔ مرحوم ہی کے کاندھوں پر آ پڑتی تھی۔

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی علمی سرپرستی لسان الصدق کو شروع ہی میں حاصل ہو گئی تھی اور آخر تک حاصل رہی۔ مولوی ابوالنصر آہؔ دہلوی شروع ہی سے لسان الصدق کے قلمی معاونوں، مشیروں اور مددگاروں میں ایڈیٹر کے ساتھ تھے۔ محسن الملک اس کے لکھنے والوں اور قدر دانوں میں تھے۔ علامہ رضا علی وحشت، سید محمد سعید بلگرامی، علی محمود (بانکی پور) کا شمار اس وقت کے مشہور ادیبوں اور اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ ایس ایم شفیع اور سید شاہد حسین اثیمؔ امروہوی ہیں، جن کے رشحات فکر و قلم کے نمونے لسان الصدق کے صفحات کی زینت بنے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے جب مولانا آزاد نے لسان الصدق کے دوسرے دور کے آغاز کا فیصلہ کیا تھا تو اس کا یہ پہلو بھی ان کی توجہ فرمائی سے محروم نہ رہا تھا کہ مضامین کی ترتیب و تہذیب، حسنِ کتابت، تصویروں کی شمولیت سے اسے حسین و مفید بنانے کے ساتھ وقت کے اہل قلم اور بہترین لکھنے والوں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلیؔ اور رنجورؔ مرحوم کے علاوہ جن اہل علم نے ایڈیٹر کو اپنے قلمی تعاون کا یقین دلایا تھا ان میں شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ، مولوی عبدالحلیم شررؔ ایڈیٹر دلگداز و اتحاد، مولوی محمد عبدالرزاق کان پوری، وحید الدین سلیمؔ (پانی پتی) اور مولوی امجد علی اشہری جیسے کہنہ مشق اہل قلم اور

مشاہیر علم و ادب شامل ہیں۔

کسی رسالے کو وقت کے اتنے بڑے بڑے اہل علم اور اصحاب قلم کا تعاون حاصل ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

لسان الصدق میں ایڈیٹر کا تحریری حصّہ:

لسان الصدق کی تین جلدیں ہیں۔ شماروں کے لحاظ سے تیرہ اور اشاعتوں کے شمار سے کل دس نمبر نکلے۔ سات اشاعتیں الگ الگ ماہانہ اشاعتوں کی صورت میں ہیں اور آخر کی تین اشاعتیں دو دو شماروں کی مشترکہ اشاعتیں ہیں۔

تمام شماروں یا اشاعتوں کے تقریباً تین سو صفحات ہیں۔ ان میں سے تقریباً ایک سو ستر صفحے ایڈیٹر کی تحریروں سے پُر ہیں۔ ان تحریروں میں تقریباً ہر علم و فن کی ہلکی پھلکی اور بعض بھاری بھرکم تحریریں شامل ہیں۔ علوم و فنون کے لحاظ سے تاریخ، تعلیم، مذہب، سیاست، صحافت، تمدّن، معاشرت، سماجیات، سوانح، سفرنامہ، ادب وغیرہ ہیں اور نوعیت کے لحاظ سے ان تحریروں کو شذرات، تبصرے، تعارف، علمی ادبی جائزے، علمی مقالات، مفید معلومات اور دوسرے اہلِ قلم کے مضامین پر تمہیدی، تعارفی، تنقیدی نوٹس وغیرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

لسان الصدق ــــ ایڈیٹر کے بعض کمالات کا مظہر:

لسان الصدق کے مطالعے سے ہمیں دو باتوں کا شدّت سے احساس ہوتا ہے:

۱۔ علم و عمل کے مختلف علوم و فنون پر مولانا آزاد کی نظر اور زندگی کے مسائل کا شعور

۲۔ ہر معاملے اور گوشہ علم و فن میں مولانا کی آزادانہ رائے اور اس کا بے باکانہ اظہار

لسان الصدق میں مولانا کی جو تحریریں مستقل مضامین، شذرات اور انتقاد کے ذیل میں یا مختلف اہل قلم کے مضامین پر ابتدائی نوٹس اور تمہیدی عبارتوں کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے فکر و عمل اور علوم و فنون اور ان کے اصول و فروع پر مولانا کی نظر، ان سے مولانا کی دلچسپی اور ان میں اصلاح و ترقی کی ہر ضرورت سے ان کی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس عمر (۱۵، ۱۶ سال) اور اس دور (۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء) میں مطالعے کا اس وسعت اور فکر و نظر کی ہمہ جہتی کے ساتھ مولانا مقلدانہ ذوق بھی رکھتے تو تعجب نہ ہونا چاہیے تھا لیکن مولانا نے تو اس وقت کے اکابر علامہ شبلی، نواب صدر یار جنگ

سر عبدالقادر، محسن الملک وغیرہ کے انفرادی اور اداروں میں ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن ترقی اردو، انجمن حمایت اسلام کے کاموں اور تعلیم، مذہبی و معاشرتی اصلاح، ادب، تنقید، زبان کی ترقی کے مختلف پہلو، علمی ترقی، پریس کی ضرورت و اہمیت، صحافت، سیاست، تعلیم نسواں وغیرہ مسائل کے بارے میں کسی شخص، جماعت یا مکتبۂ فکر کا اثر لیے بغیر اپنی قطعی اور آزادانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلیمی و اصلاحی معاشرتی کاموں سے وہ نہ صرف متفق تھے بلکہ ان کے مقاصد کو مولانا نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ کانفرنس کے شعبۂ علمی (انجمن ترقی اردو) کا لسان الصدق ترجمان تھا، زبان و ادب کی ترقی اور اردو کو ایک زندہ و علمی زبان بنانا ان کا مشن تھا۔ ملک کی دوسری تعلیمی و اصلاحی تحریکات مثلاً ندوۃ العلماء (لکھنو) اور انجمن حمایت اسلام (لاہور) کی سرگرمیوں کو مسلمانوں کی سماجی زندگی کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور ان کے مداح تھے۔ ملک میں علمی زندگی کے فروغ کو وہ ملک کی ترقی اور قوم کی ذہنی و فکری تربیت کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء، ۱۹۰۵ء میں بھی ان کی نظر اپنے ملک سے لے کر اسلامی ممالک کی علمی تحریکات و ترقیات تک وسیع تھی۔

معاشی ترقی اور حالات کی اصلاح کے لیے بے جا عوائد اور غلط رسوم سے قوم کو نجات دلانے اور اس کے لیے بھرپور کوشش کرنے کو وہ نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ باطل عقائد اور توہمات کو وہ اصلاحِ معاشرت کی راہ کا سنگ گراں خیال کرتے تھے اور اسی لیے عوائد و رسوم کی اصلاح سے بھی قبل وہ اصلاحِ خیال کی مہم کو سر کرنا چاہتے تھے۔

ملکی اور سماجی حالات کی اصلاح میں صحافت کے کردار کی اہمیت کے وہ لسان الصدق کے اجرا سے بھی پہلے قائل ہو چکے تھے اور پریس کی آزادی کے مسئلے کی اہمیت سے ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۳ء ہی میں ان کا ذہن آشنا ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں خرابیوں ہی پر ان کی نظر نہ تھی بلکہ وہ ان خرابیوں کے سرچشموں سے بھی واقف تھے۔ مثلاً تصوف کے ذوق نے مسلمانوں کی عملی زندگی کو جس طرح متاثر اور مفلوج کر دیا تھا۔ اس کا انھیں پورا ادراک تھا (دیکھیے "العرفان" پر مولانا کا تبصرہ)، اپریل و مئی ۱۹۰۵ء) اور وہ اس کی اصلاح کے خواہاں تھے۔

سماجی اور معاشرتی زندگی میں خرابیوں کی اصل وجہ اور اصلاح کے عمل میں سب سے بڑی رکاوٹ مولانا کے نزدیک عورتوں کی جہالت تھی۔ اس لیے سوشل ریفارم کی تحریک کے ساتھ عورتوں کی تعلیم کی تحریک کو مولانا بہت اہمیت دیتے تھے اور اسے وقت کی ایک بڑی ضرورت سمجھتے تھے۔

لسان الصدق ایک علمی، تنقیدی پرچہ تھا۔ یا مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کا داعی رسالہ تھا بلکہ اس کے ایڈیٹر کے الفاظ میں تو "دارالسلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ" تھا۔ (اپریل ۱۹۰۴ء تا اپریل و مئی ۱۹۰۵ء صفحہ اول پر لسان الصدق کے نیچے، اس کے تعارف میں یہی جملہ درج ہوتا رہا)۔ سیاست سے اس کا تعلق نہ تھا، لیکن کانگریس (ہندوستان) اور لبرل پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی (انگلستان) پر تبصروں سے تو ان کے سیاسی ذوق کا پتا بھی چلتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں بھی ایڈیٹر کی نظر نہ صرف ملکی سیاست پر تھی بلکہ انٹرنیشنل پالیٹکس اور اس کے مسائل سے بھی ان کا ذوق ناآشنا نہیں تھا۔

ان تمام خصائص کا اظہار لسان الصدق میں مولانا آزاد کے مضامین، شذرات، تبصروں، تنقیدوں اور دوسرے اہل قلم کے مضامین پر ان کے ابتدائی تعارفی نوٹس اور تمہیدی عبارتوں سے ہوتا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ:

لسان الصدق کے ابھی چند ہی پرچے شائع ہوئے تھے کہ مولانا آزاد کی شہرت مشرق سے مغرب تک ملک کے علمی، ادبی اور قومی حلقوں تک پہنچ گئی۔ معلوم نہیں انجمن حمایت اسلام (لاہور) نے انھیں دعوت دی تھی یا نہیں لیکن ۱۹۰۴ء میں مولانا نے انجمن کے سالانہ جلسے میں شرکت ضرور کی تھی اور تقریر بھی فرمائی تھی۔ چوں کہ اس حلقے سے تعارف کا وسیلہ لسان الصدق بنا تھا اور مولانا کی زندگی کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جس نے ملک کے شمال مغربی علاقے میں دینی و قومی، اور علمی و تعلیمی حلقوں میں متعارف کرایا تھا۔ اس کے بعد لاہور کے علاوہ امرتسر اور بعض دوسرے شہروں میں بھی انھیں مدعو کیا گیا تھا اور تقریریں کروائی گئی تھیں۔ اتنی کم عمری میں علمی و دینی موضوعات پر تقریریں کرنا ایک عجوبہ سمجھا جاتا تھا۔ لوگ عقیدت اور محبت سے آنکھیں فرش راہ کرتے تھے۔ چناں چہ یہ واقعہ ہے کہ ۱۹۰۴ء ہی میں پنجاب میں مولانا کے مخلصوں اور عقیدت مندوں کا ایک حلقہ پیدا

ہونا شروع ہو گیا تھا جو آیندہ ان کی قومی و سیاسی زندگی میں ہمیشہ ان کا ممدّ و معاون اور ان کے علمی کاموں کا قدر دان رہا۔

مولانا غلام رسول مہر نے ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں مولانا کے سفر لاہور انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں شرکت کے بارے میں لکھا ہے کہ مولانا نے پہلی مرتبہ انجمن کے سالانہ اجلاس میں تقریر فرمائی تھی تو وہ عمر کی سولھویں منزل میں تھے۔ اُس زمانے میں انجمن کے اسٹیج پر ممتاز اصحابِ علم و فن کو بھی بہ مشکل بار ملتا تھا۔ یہ تقریر اتنی مسلسل مربوط، مدلّل اور عام تقریروں سے بہر لحاظ اتنی مختلف تھی کہ مولانا ثناء اللہ مرحوم و مغفور نے فرمایا:

"ہم نو تھے پسنجر ٹرین ہمارے بعد کلکتہ میل آرہی ہے"

اس زمانے میں کلکتہ میل کو رفتار کی تیزی اور ہنگامہ خیزی کے باعث تمام ٹرینوں پر یہ درجہ فوقیت حاصل تھی۔ مولانا آزاد کے وطن کی نسبت سے "کلکتہ میل" کے ساتھ تشبیہ میں جو لطف تھا، وہ تشریح سے بے نیاز ہے۔

یہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ تھا۔ آیندہ سال مولانا دوسری مرتبہ انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۰۵ء میں شریک ہوئے۔ ۲۲؍ اپریل کو انھوں نے تقریر فرمائی۔ اس کا موضوع تھا "اسلام زمانۂ آیندہ میں"۔ اس وقت مولانا سترھویں سال میں تھے۔ یہ تقریر اس قدر پسند کی گئی کہ صدر اجلاس نے حاضرین کو خوش خبری سنائی: "آزاد کل پھر تقریر کریں گے" چناں چہ ۲۳؍ اپریل کو مولانا نے دوبارہ تقریر کی۔ انجمن کی روداد مظہر ہے کہ تقریر پر صدر اجلاس نے "دیکچرار کی خوش بیانی کی داد دی اور ان کی درازیِ عمر کے لیے دعا کی"۔

خواجہ الطاف حسین حالی سے مولانا کی ملاقات:

اپریل ۱۹۰۴ء میں لاہور کے سفر میں خواجہ الطاف حسین حالی سے مولانا آزاد کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس ملاقات کا حال مولانا نے خود بیان فرمایا:

"لسان الصدق کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی میں نے پہلی مرتبہ شوقیہ سفر کیا اور لاہور کی انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوا۔ یہ ۱۹۰۴ء [1]

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی میں سنہ ۱۹۰۱ء ہے، جو درست نہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی بات ہے۔ اس جلسے میں مولانا حالی مرحوم بھی تشریف لائے تھے اور یہ آخری مجلس تھی جس میں مولانا نے نظم پڑھی تھی۔

مولانا وحید الدین سلیم نے جب میری مولانا سے تقریب کی اور انھیں معلوم ہوا کہ لسان الصدق کا ایڈیٹر میں ہی ہوں تو انھیں اس قدر تعجب ہوا کہ مکرر سہ کرر دریافت فرمایا۔

یہ صورت مولوی وحید الدین سے ملتے ہوئے بھی پیش آچکی تھی۔۔۔۔ انجمن (حمایت اسلام) میں مولوی وحید الدین سے ملا تھا۔ میں انھیں "معارف" (علی گڑھ) کی وجہ سے بھی جانتا تھا۔ انھوں نے ایک تحریری لیکچر بھی پڑھا تھا۔ علی گڑھ کانفرنس کے آخری جلسوں کی رپورٹوں میں ان کی تقریر کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ سب میں پڑھ چکا تھا۔ لیکن میری عمر چودہ پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی اور ہر شخص سے ملتے ہوئے قدرتی طور پر جھجک ہوتی تھی۔ میں نے لسان الصدق کا اپنے کو ایڈیٹر ظاہر کیا تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔

بہر حال جب انھیں یقین ہو گیا تو اصرار کیا کہ چلو مولانا حالیؔ سے ملیں۔ مولانا کی قیام گاہ پر آئے۔ آتے ہی انھوں نے مولانا سے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ان کی عمر کیا ہو گی؟ مولانا نے بے انتہا سنجیدہ لہجے میں بہت کچھ تامّل کر کے کہا، ابھی بہت کم سن ہیں۔ انھوں نے پھر زور دیا کہ نہیں تبلایئے عمر کتنی ہے؟ مولانا نے کہا پندرہ سولہ برس کی ہو گی۔ انھوں نے کہا لسان الصدق کے یہی ایڈیٹر ہیں! مولانا نے کہا جو کلکتہ سے نکلتا ہے؟ میں نے کہا، ہاں!

یہ غلطی یا تو راوی (مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی) سے روایت کے سوءِ سماعت کی وجہ سے ہوئی یا فہم و تحفظ میں ہوئی یا سہو قلم ہے۔ یا پھر کتابت کے مرحلے میں واقع ہوئی اور پروف ریڈر کی نظر بھی چوک گئی۔ لیکن "اسی زمانے میں سفرِ بمبئی" اور مولانا شبلی سے ملاقات کے ذکر میں سنہ ۱۹۰۴ء ہی آیا ہے۔ اسی لیے یہاں بھی ۱۹۰۴ء بنا دیا ہے۔

لیکن انھیں اطمینان نہ ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معاملے کی کوئی پیچیدگی
سی محسوس کرتے ہیں۔ جب مولوی وحید الدین نے اپنے تعجب کا اظہار
کرکے انھیں یقین دلا دیا کہ یہی ایڈیٹر لسان الصدق ہیں۔ یہ مجرد اس یقین
کے وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ کہا ابھی آپ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا، میں
اپنی تعلیم ختم کرچکا ہوں۔ کہنے لگے، کتنا عرصہ ہوا؟ میں نے دو تین سال۔
اس پر انھیں اور بھی تعجب ہوا۔ اس دن سے وفات تک برابر شفقت
فرماتے رہے اور ہمیشہ ان کے خطوط آتے رہے۔"[1]

پنجاب کے سفر، انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شرکت، جلسے کی روداد، لاہور
کی سیر اور پنجاب کے بعض شہروں کی سیاحت کی کیفیت مولانا نے اپنے قلم سے
لسان الصدق میں بیان کی ہے۔ اپنی شرکت اور انجمن کے جلسے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس سال انجمن کے سالانہ جلسے میں ہمیں بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔
جب کہ جلسہ پچھلے سال کے جلسوں سے اکثر باتوں میں فوقیت رکھتا تھا۔ مجمع
کے لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کانفرنس اور ندوۃ العلما کے ہال بھی اتنے
لوگوں کو نہیں سمیٹ سکتے۔ گو یہ سچ ہے کہ حمایتِ اسلام ایک عام جلسہ
ہے اور کانفرنس وغیرہ میں صرف ممبر شریک ہو سکتے ہیں۔"

مولانا نے جلسے کے پروگرام پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا پر لطف لکچر، ہمارے مکرم دوست مولوی
وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی کا عالمانہ مضمون، حضرت حالی کی پُر درد نظم،
یہ ایسی چیزیں ہیں جو کانفرنس کا اصلی عنصر اور روح رواں سمجھی جاتی ہیں۔"

انجمن کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اب انجمن حمایت اسلام نے اپنے غلغلۂ ترقی سے تمام عناصر جمع کر لیے ہیں اور
ان کی مجموعی حالت نے جو صورت قائم کر دی ہے، وہ دل کشی، دل چسپی میں
کسی سے کم نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انجمن کی طرف تمام پنجاب کی نگاہیں اٹھی

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، محولہ بالا، ص ۱۰۸-۳۰

ہوئی ہیں اور اس کی ترقی کے سب دلی خواستگار ہیں۔ ہم نواب محسن الملک بہادر کے ہم زبان ہو کر کہتے ہیں کہ یہی ایک ایسی انجمن ہے جو ابھی تک ایک عمدہ قاعدے پر کام چلا رہی ہے اور یورپین اثر سے محفوظ ہے۔ آج اسلامیہ کالج کو کوئی یہ کہہ کر ڈرانے والا نہیں کہ اگر ہماری اسکیم پر عمل نہ کیا جائے گا تو ہم فوراً استعفا دے دیں گے"

اس مضمون میں مولانا نے جلسے کے متعلق اپنا تاثر اور سفرِ پنجاب کی تاریخ بھی بیان کر دی ہے:

"غرض ہم انجمن کے پر لطف جلسے میں شریک ہوئے اور اچھے تاثرات لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔ ہمارا یہ مختصر سفر ۳۰ مارچ سے شروع ہو کر ۲ مئی کو ختم ہوا"

اس سفر میں مولانا نے لاہور کے علاوہ پنجاب کے بعض دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس مضمون میں انھوں نے اس کی مختصر روداد بھی بیان کر دی ہے لکھتے ہیں:

"اس عرصے میں ہم نے پنجاب کے بعض مشہور مقامات کی سیر کی اور ہر جگہ زندہ دلی کا عمدہ ثبوت پایا۔۔۔۔۔ ہم پنجاب کے جس شہر میں گئے، زندہ دلی تلاش کرتے رہے۔ کیوں کہ ہمیں اس امر کا عینی اندازہ کرنا تھا کہ زندہ دلی کے خطاب کا پنجاب کہاں تک مستحق ہے۔ ہم نے ہر جگہ زندہ دلی دیکھی"

اسی سلسلۂ بیان میں وہ پنجاب کی مہمان نوازی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اس مختصر سفر میں ہمیں پنجاب کی مہمان نوازی نے کچھ دنوں کے لیے تاریخ عرب کے صفحات فراموش کرا دیے۔ ہم ان معزز دوستوں کے نہایت ممنون ہیں، جنھوں نے پنجاب کی خوبی اخلاق کا ہمیں کافی ثبوت دیا۔ بالخصوص جناب حافظ عبدالرحمن صاحب سیاح ممالک اسلامیہ اور شیخ عبدالقادر صاحب بی اے، مولانا غلام رسول صاحب سیاح ایران اور مولوی شبیر محمد صاحب اور سید حاکم شاہ صاحب کی عنایتوں کے شکر گذار ہیں۔

آخر میں ہم اپنے مکرم مہربان شیخ غلام محمد صاحب (منشی فاضل) ایڈیٹر و پروپرائٹر اخبار وکیل کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کی نوازشوں سے امرتسر میں ہمارے دن

نہایت دل چسپی سے بسر ہوئے" (لسان الصدق - مئی ۱۹۰۴ء)

لاہور، امرتسر وغیرہ کی سیر و سیاحت کے بعد مولانا آزاد بمبئی تشریف لے گئے تو وہاں مولانا شبلی سے ملاقات کی خوش وقتی حاصل ہوئی۔ آزاد کی کہانی میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"مولانا شبلی نعمانی سے ۱۹۰۴ء میں سب سے پہلے بمبئی میں ملا۔ جب میں نے اپنا نام ظاہر کیا تو اس کے بعد آدھ گھنٹے تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور چلتے وقت انھوں نے مجھ سے کہا، تو ابوالکلام آپ کے والد ہیں؟ میں نے کہا نہیں، میں خود ہوں۔"[1]

دوسرے موقع پر اسی ملاقات کے سلسلے مولانا فرماتے ہیں:

"بمبئی میں مولانا شبلی مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ یہ پہلی ملاقات تھی۔۔۔ تقریباً پانچ سال سے میری خط و کتابت ان سے جاری تھی۔۔۔ میں چوں کہ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس لیے ان کی اپنے دل میں بڑی عزت اور وقعت رکھتا تھا اور طبیعت میں شوق تھا کہ ایسے لوگوں کی معیت و صحبت کا موقع حاصل ہو۔

مولانا مرحوم دو تین ہفتے رہے اور اکثر اوقات میں ان کے ساتھ رہا۔۔۔ جب چند دنوں میں گفتگو اور صحبت سے انھیں میرے علمی شوق کا خوب اندازہ ہو گیا تو وہ بڑی محبت کرنے لگے۔ ایک دن میرے یہاں بیٹھے تھے اور کتابوں کی الماریوں سے کتابیں نکال کر دیکھ رہے تھے۔ اس میں خدنگ نظر کا ایک مجموعہ نکل آیا۔ اس میں میرے مضامین بھی تھے۔۔۔ ایک مضمون ایکس ریز کی ایجاد و حقیقت پر تھا۔ انھوں نے کہا، جب تم ایسے مضامین لکھ سکتے ہو تو کیوں اس طرح بلا کسی شغلے کے ہو؟ کم از کم ایک مضمون الندوہ کے ہر نمبر کے لیے لکھ دیا کرو۔

سب سے زیادہ مولانا شبلی پر میرے شوق مطالعہ اور وسعت مطالعہ کا

---

[1] ایضاً، ص ۲۱۲

اثر پڑا۔ اس وقت تک میرا مطالعہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ عربی کی تمام نئی مطبوعات اور نئی تصنیفات تقریباً میری نظر سے گزر چکی تھیں اور بہتیری کتابیں ایسی بھی تھیں کہ مولانا ان کے شائق تھے اور انھیں معلوم نہ تھا کہ چھپ گئی ہیں، مثلاً محصل امام رازی۔"

اسی سلسلۂ بیان میں ایک دن کا واقعہ نقل فرماتے ہیں:

"پٹنے کے ایک شخص علی محمود جن کا انتقال ہو چکا ہے، اس وقت بمبئی میں تھے اور وہ بھی برابر مولانا (شبلی) سے ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن میں اس ہوٹل میں گیا، جہاں مولانا ٹھہرے ہوئے تھے، تو دیکھا کہ ایک بحث بڑی سرگرمی سے ہو رہی ہے۔ علی محمود سے شاید مولانا نے کہا تھا کہ فن مناظرہ کی ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں کی گفتگو کس قدر بے اسلوب ہوتی ہے اور انھوں نے بتلایا کہ "رشیدیہ" اس میں اچھا متن ہے، وہ اسے لے کر آتے تھے۔ ایک اور مولوی نظام الدین پنجاب کے تھے، وہ بھی پہنچ گئے تھے اور اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ میں جب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ "رشیدیہ" کے بعض مطالب مولانا، علی محمود کو سمجھانا چاہتے ہیں، لیکن مولوی مذکور بار بار الجھ پڑتا ہے اور ہرچند وہ سمجھاتے ہیں لیکن کج بحثی بڑھتی جاتی ہے۔ میں بھی ایک دو موقع پر بول اٹھا اور پھر مولوی نظام الدین کو مخاطب کر کے میں نے بعض باتیں جو ما بہ النزاع ہو رہی تھیں، کہیں، اس پر مولانا شبلی میری طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اپنی تقریر پوری کرو۔ میں نے اس حصۂ کتاب پر ایک اچھی خاصی بسیط تقریر کر ڈالی۔ اس وقت مجھے درسیات خوب مستحضر تھیں۔ نیا نیا پڑھنے پڑھانے سے فارغ ہوا تھا۔ اعتراضات اور ان کی بحثیں بھی خوب منجھ چکی تھیں۔ میں نے بڑی زوردار تقریر کی اور اگرچہ بات کچھ بھی نہ تھی، لیکن مولانا شبلی مرحوم اس درجہ متاثر ہوئے کہ بار بار تعریف کرتے اور کہتے تھے کہ تمھارا ذہن و دماغ عجائبِ روزگار میں سے ہے۔ تمھیں تو کسی علمی نمایش گاہ میں بہ طور ایک اعجوبے کے پیش کرنا چاہیے۔"[1]

---

[1] ایضاً، ص ۳۱۲-۳۱۱

لسان الصدق کی بدولت نہ صرف مولانا وحید الدین سلیم، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، مولوی غلام محمد (مالک اخبار وکیل امرتسر)، شیخ سر عبدالقادر وغیرہم سے تعلقات استوار ہوئے بلکہ ملک کی متعدد علمی، ادبی شخصیات اور اداروں سے تعارف کا وسیلہ بھی لسان الصدق بنا تھا اور اسی کی بدولت ان کے علم ونظر، اصابتِ رائے، قلم کی پختگی اور کسی میگزین کی ترتیب وتدوین کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا جانے لگا۔ یہیں سے الندوہ (لکھنو) اور وکیل (امرتسر) کی ادارت کے لیے راہ ہموار ہوئی تھی۔ الہلال کے علمی معیار، مضامین کے تنوع، ترتیب وتہذیب کے سلیقے اور ظاہری خوش نمائی وزیبائی کے لیے جو اہتمام کیا گیا تھا اس کی فکری بنیادیں اور ذوق کا پس منظر بھی ہمیں لسان الصدق کے صفحات میں مولانا کے پھیلے ہوئے افکار میں تلاش کرنا چاہیے۔

لسان الصدق اور الہلال:

○ معاشرتی اور مذہبی اصلاح اور تحقیق کے بارے میں لسان الصدق میں مولانا آزاد نے جو خیالات پیش کیے تھے، الہلال ان کا نقش کامل تھا۔

○ اردو زبان کی ترقی اور لسانیات و اصطلاحات کے بارے میں لسان الصدق نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا اور جس تعبیر کی بنیاد ڈالی تھی، اس پر عمارت الہلال نے کھڑی کی۔ اس بارے میں لسان الصدق اور الہلال ایک تحریک کے دو ادوار کے جلی عنوان ہیں۔

○ اردو میں تنقید کی روایت اور حقیقت تنقید کے بارے میں مولانا نے لسان الصدق کے صفحات میں جو کچھ فکراً اور نمونتہً پیش کیا تھا وہ خود ایک معیار تھا لیکن الہلال کے بعض تبصروں میں بھی مولانا نے ٹھیک ٹھیک انھیں خیالات کا اظہار کیا اور تبصرے یا ریویو بھی انھیں اصولوں پر کیے جو اصول لسان الصدق میں پیش کیے تھے۔ اس تنقید اور اصول تنقید کے باب میں لسان الصدق الہلال کا پیش رو ہے۔

○ نیز بنگالہ میں علمی مذاق کی ترقی کے لیے لسان الصدق نے جس تحریک کا آغاز کیا تھا، الہلال سے اس تحریک کا دوسرا دور شروع ہوا۔

○ الہلال کو مولانا نے باتصویر نکالا تھا۔ شاید الہلال میں تصویری اشاعت کے فلسفے پر روشنی نہیں ڈالی گئی یا اسے گرفت میں لانے سے میری نظر معذور رہی ہے۔ لیکن اگر لسان الصدق میں تصویروں کی شمولیت کے فیصلے اور اس کی مصلحت پر نظر ڈال لی جائے، جس کا ذکر اس مضمون

میں بھی آچکا ہے، تو الہلال میں تصویروں کی اشاعت کا پس منظر اور اس کی مصلحت بہ خوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

آخری نظر:

لسان الصدق مولانا آزاد کی ادارت میں نکلنے والا پہلا رسالہ تھا جو علمی، ادبی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح اور ترقی کے اہم مقاصد کے تحت جاری کیا گیا تھا۔ اور پہلے پرچے سے لے کر آخری پرچے تک اس کے تمام مضامین اور ان کا ایک ایک لفظ ان مقاصد کا ترجمان اور ان کے حصول کا محرک ثابت ہوا۔

اس کے مقاصد کی اہمیت کے اعتراف سے اس وقت کی ادب و صحافت کی پوری دنیا گونج اٹھی تھی۔ اس کے موضوعات کی اہمیت، مضامین کی افادیت، اسلوب کی دل ربائی اور ترتیب و تدوین کے حسن نے وقت کے تمام اہل ذوق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

لسان الصدق کے اجرا سے مولانا کے پیش نظر زبان و ادب اور تنقید میں ذوق کی تسکین و تربیت اور معاشرتی اصلاح کے جن مقاصد کا حصول تھا، ان کا ہر جز جس طرح اس وقت لائق توجہ تھا، اسی طرح آج بھی ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ لسان الصدق میں علمی شان نظر آتی ہے۔ اس کے مشمولات کی ترتیب و تہذیب، وقت کی معیاری علمی صحافت کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "یہ گویا مولانا کی اب تک کی صحافتی ریاضت کا پہلا حاصل اور پہلا قاعدہ رسالہ تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت کے چند گنے چنے معیاری پرچوں میں سے ایک تھا۔ اچھا کاغذ، خوبصورت کتابت۔۔۔۔ اس نے علمی دنیا میں اپنا وقار پیدا کر لیا۔"[1]

جناب مالک رام کے بقول اس کی اشاعت سے علم و صحافت کی دنیا میں "دھوم مچ گئی"[2]

وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

> "لسان الصدق جاری ہوا تو مدیر محترم کی عمر پندرہ برس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد از ڈاکٹر عابد رضا بیدار، رام پور،

[2] تحریر، دہلی، ۱۹۶۸ء ج ۲ ش ۱

یہ عمر اور پرچے کے یہ بھاری بھرکم مقاصد، پھر یہ محض وعادی ہی نہیں رہے، انھوں نے لسان الصدق کو واقعی اسم با مسمّٰی بنا دیا۔ اس کے مضامین کا معیار اتنا معتبر اور بلند تھا اور تحریر کا انداز ایسا دل کش تھا کہ اس نے فوراً صفِ اوّل کے پرچوں میں جگہ حاصل کر لی۔

ستارہ درخشید و ماہ کامل شد

اُس پر اُس دور کے بعض پرانے اور مشہور جرائد میں بہت اچھے تبصرے شائع ہوئے۔ اس کے مضامین میں لہجے کی متانت اور اسلوب کی ثقاہت سے بیشتر پڑھنے والوں کو خیال ہوا کہ مدیر کوئی معمّر۔ سال خوردہ اور تجربہ کار بزرگ ہیں۔ اس رسالے نے ملک گیر شہرت حاصل کی۔"[1]

لسان الصدق نے اپنے پہلے پرچے میں جن مقاصد کا اعلان کیا تھا اور اپنے لیے جو دائرہ کار مقرر کیا تھا، اس میں اس نے بہترین خدمات انجام دیں۔

۱۔ سوشل ریفارم اور تمدنی معاشرتی اصلاح کی تحریک کے سلسلے میں اپنے صفحات میں بہترین لٹریچر کو جگہ دی۔

۲۔ اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک باقاعدہ اور منظم تحریک پیدا کر دی۔ انجمن ترقی اردو کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اردو کی ترقی، توسیع اور اُسے مقبول بنانے کے لیے منصوبے بنائے، تجویزیں پیش کیں، مشورے دیے اور اردو مخالف تحریک کا سدّباب کیا۔

۳۔ بنگالہ میں علمی مذاق پیدا کرنے کے لیے مضامین کی اشاعت سے لے کر انجمن ترقی اردو کی شاخ کے قیام کی کوشش تک زبان، قلم اور عمل سے ان حالات میں جو کچھ کیا جا سکتا تھا، اس سے دریغ نہیں کیا۔ کلکتہ سے لسان الصدق کا اجرا بذات خود بنگالہ میں علمی مذاق پیدا کرنے کی منظم سعی اور مستقل تحریک کا جلی عنوان ہے۔

۴۔ تنقید کے مقصد کے سلسلے میں، اردو کتب و رسائل پر عمدہ تنقید کے بہترین نمونے پیش کیے۔ بلکہ ایک تنقید تو ایسی ہے کہ اس قسم کی مثال شاید ہی کوئی دوسری پیش کی جا سکے۔

---

[1] مولانا آزاد بہ حیثیت ادیب و صحافی (مقالہ) مشمولہ "مولانا ابوالکلام آزاد — ایک مطالعہ" مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، کراچی، مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۶ء، ص ۶۱

میرا اشارہ مولوی وحیدالدین سلیم، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی اور شیخ عبدالقادر کی حیات جاوید پر تنقیدوں کے اس جائزے اور تعاقب کی طرف ہے جو لسان الصدق میں مولانا کے قلم سے یادگار ہے۔

۵۔ اور لسان الصدق کے آخری پرچے میں مذہبی اصلاح و تحقیق کے بارے میں نہایت اہم اور فکر انگیز خیالات پیش کیے۔

نومبر ۱۹۰۳ء میں مولانا آزاد نے لسان الصدق جاری کیا تھا تو انھوں نے عمر کی سولھویں منزل میں قدم رکھا تھا اور رجب اپریل مئی ۱۹۰۵ء میں اس کا آخری پرچہ شائع ہوا تو اس کی صرف دس اشاعتیں منصۂ شہود پر آسکی تھیں جن کے صفحات کی تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی، اس وقت مولانا کی عمر اٹھارہ برس کی بھی نہ ہوئی تھی۔ اس عمر کے ایڈیٹر، صرف دس اشاعتوں اور تقریباً تین سو صفحات کے مجموعے کی کامیابی کا جو زیادہ سے زیادہ تصور کیا جا سکتا ہے تاریخ صحافت میں لسان الصدق کا مقام اس سے بہت بلند، اس کی علمی و ادبی اہمیت اس سے کہیں زیادہ قابل قدر اور اس کے اثرات اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔

لسان الصدق
(ایک نظر میں)

سلسلۂ اشاعت	جلد	شمارہ	بابت ماہ و سال	تعداد صفحات
۱	۱	۱	۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ء	۱۶
۲	۱	۲	۲۰ر دسمبر ؍؍	؍؍
۳	۲	۱	۲۰ر جنوری ۱۹۰۴ء	؍؍
۴	۲	۲	۲۰ر فروری ؍؍	۲۴
۵	۲	۳	۲۰ر مارچ ؍؍	؍؍
۶	۲	۴	۲۰ر اپریل ؍؍	
۷	۲	۵	۲۰ر مئی ؍؍	۳۲
			ضمیمہ	۸
۸	۲	۶ و ۷	جون و جولائی ؍؍	۴۲
			ضمیمہ	۱۶
۹	۲	۸ و ۹	اگست و ستمبر ؍؍	۳۲+۶ (بہ شمول سرورق)
۱۰	۳	۱ و ۲	اپریل و مئی ۱۹۰۵ء	۵۸+۴ (سرورق)

لسان الصدق

(اشاریہ مضامین)

اردو زبان اور اس کی ترقی کے مسائل

اردو:

ایڈیٹر، اردو زبان بنگلہ میں ج ۲ ش ۲ ص ۲۱

اردو زبان کی مخالفت اور بنگلہ زبان ترقی کی تحریک اور بنگلہ کے مقابلے علمی زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی اہمیت اور اس کی اشاعت و ترقی پر تبصرہ

〃 ملکی زبان سے غفلت ج ۲ ش ۲ ص ۱۵

المؤید، مصر کے ایک مضمون کا ترجمہ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ

〃 ولایتی اور دیسی الفاظ ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۸

مسٹر علی محمود بانکی پور کے ایک نوٹ پر مفصل تعارفی و تنقیدی نوٹ

آہ دہلوی، مولوی ابوالنصر، اردو کا دکھڑا اور بنگالہ ج ۲ ش ۳ ص ۸

علی محمود بانکی پور، ولایتی اور دیسی الفاظ ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۸

اردو میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جواز و عدم جواز اور اس کی حد۔ اس بحث میں مضمون کے شروع میں ایڈیٹر کے قلم سے ایک مفصل نوٹ ہے

اردو شارٹ ہینڈ:

ایڈیٹر، اردو شارٹ ہینڈ ج ۲ ش ۲ ص ۳

منشی غلام رسول ایڈیٹر انقلاب بمبئی کے ایجاد کردہ اصول و قواعد مختصر نویسی کی خبر اور قوم سے ان کے کام کی قدردانی کی توقع

غلام رسول، منشی: ایک نہایت ضروری اپیل ج ۲ ش ۳ ص ۱۳

منشی صاحب کے ایجاد کردہ اردو شارٹ ہینڈ رائٹنگ کے اصول کی اشاعت میں تعاون کی درخواست۔ ایڈیٹر کے مختصر تائیدی نوٹ کے ساتھ

انتقاد

لسان الصدق میں انتقاد اور ریویو دونوں لفظ ایک ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ تعارف اس سے مختلف چیز ہے۔ کسی رسالے یا کتاب کے موضوع، مضامین، ابواب و فصول، ترتیب و تقسیم مطالب جیسے ہوں، بیان کر دینا، یہ رائے دیے بغیر کہ وہ درست اور علمی معیار کے مطابق ہیں یا نہیں؟ "تعارف" ہے۔ ریویو یا نقد و انتقاد کی تعریف مولانا نے خود تفصیل کے ساتھ کرائی۔ لسان الصدق میں مطالعہ کرنی چاہیے۔

ایڈیٹر اتحاد (رسالہ) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۱

〃 احسن، کاکوری، ایڈیٹر منشی احمد علی کاکوری ج ۲ ش ۵ ص ۱۶

〃 ارشاد القرآن از مولوی فتح محمد جالندھری ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۵

〃 ارکان الاسلام از منشی سراج الدین احمد خاں (ایڈیٹر زمیندار لاہور) ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۷

〃 افسانہ و کن ریویو ایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں ج ۲ ش ۲ ص ۲۴

〃 الدر المنثور فی تراجم اہل صادقفور از مولوی عبد الرحیم صادقپوری ج ۲ ش ۴ ص ۱۹

〃 العرفان ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۱

ایڈیٹر انوار الاخلاق از مولوی نور احمد نور ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۱

〃 بڑی جنتری از رحمت اللہ رعد ج ۲ ش ۱ ص ۱۶

〃 ترقی (رسالہ) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۲

〃 چراغ دہلی از مرزا حیرت دہلوی ج ۲ ش ۴ ص

〃 حیات جاوید (سرسید احمد خاں کی لائف از خواجہ الطاف حسین حالی) ج ۲ ش ۲ ص ۸

〃 〃 〃 ج ۲ ش ۴ ص ۱۲

〃 خدنگ نظر، لکھنو ایڈیٹر منشی نوبت رائے نظر ج ۲ ش ۲ ص ۲۴

〃 زمانہ، کان پور ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم ج ۲ ش ۳ ص ۲۱

ایڈیٹر زمانہ کان پور ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم	ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۲
" قوم جے پور ایڈیٹر مولوی اساس الدین تسنیم	ج ۲ ش ۳ ص ۱۴
" مسدس قیس از مولوی حکیم ضمیر الحق قیس آروی	ج ۲ ش ۱ ص ۱۶
" مسیحا، امرتسر	ج ۲ ش ۴ ص ۱۱
" معلم النسواں از خان بہادر میرزا شجاعت علی	ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۸
" نامی جنتری از منشی رحمت اللہ رعد	ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۸
" نموذج الخطیب از سید عبد الحق بغدادی	ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۳۰
اللوا (مصر) سرگزشت از موسیو بیورش	ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۴۲

اللوا (مصر) میں موسیو بیورش کی سرگزشت پر مضمون کے حوالے سے شیخ محمد عبدہٗ مصری، سرسید احمد خان (دہلوی)، جمال الدین افغانی اور علامہ شبلی نعمانی کی خدمت کا تذکرہ اور اس پر تبصرہ۔

اصلاح رسوم و معاشرت

ایڈیٹر (شذرہ: کان چھیدنے کی رسم پر بے جا اسراف)	ج ۱ ش ۱ ص ۱۲
آہ دہلوی، ابو النصر، توہمات کی زندگی	ج ۲ ش ۱ ص ۴
" " ، شادی (بہ سلسلہ رسوم بے جا)	ج ۱ ش ۲ ص ۳۳
" " ، شگون (" ")	ج ۲ ش ۲ ص ۱۷
رنجور عظیم آبادی، محمد یوسف جعفری، اسلام اور رسوم	ج ۱ ش ۲ ص ۵
" " " (۲)	ج ۲ ش ۱ ص ۷
سعید بلگرامی، مولوی سید محمد، حقوقِ نسواں اور اس کے متعلق ایک بڑی غلط فہمی کی اصلاح	ج ۲ ش ۵ ص ۱۱
تعلیم نسواں کی ضرورت اصلاحِ معاشرت کے نقطۂ نظر سے۔ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ	
" حقوق نسواں (۲) شادی خانہ آبادی	ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۶

ادارے (تعلیمی، علمی و ادبی اور سیاسی)

ادارے (تعلیمی)

ایڈیٹر، انجمن حمایتِ اسلام (اور زندہ دلوں کا وطن) ج ۲ ش ۵ ص ۲

سرسید کی تحریک کے اثرات، انجمن کے مقاصد، قیام، پنجاب میں علمی و تہذیبی سرگرمیوں، انجمن کے سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۰۴ء میں شرکت، جلسے کی کارروائی اس کے اثرات و فیضان، پر تبصرہ اور بعض شہروں کی سیاحت کے حالات وغیرہ

" زماں بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا با آرزو ہائے تماشائی خندہ می آید ج ۲ ش ۵ ص ۱۷

بنگال پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر تبصرہ اور توقعات سے مایوسی۔ یہ ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ طویل و مفصل نوٹ ہے جو انھوں نے نواب محسن الملک کے مضمون پر تحریر فرمایا ہے۔

" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنو (دسمبر ۱۹۰۴) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱۱

" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبی کی تیاریاں ج ۱ ش ۲ ص ۳

" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علاقہ بمبئی اور مرحوم سرسید احمد خاں ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۹

بنگال یونی ورسٹی کا ایک ایم اے، مسلمانانِ بنگال کی پنجسالہ تعلیمی رپورٹ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲

ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بنگال کی رپورٹ پر تبصرہ اور مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ۔ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ۔

محسن الملک بہادر، نواب، پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بنگال اور مسئلہ محمڈن یونی ورسٹی ج ۲ ش ۵ ص ۱۹

ہماری تعلیمی کانفرنسیں۔ اجلاس رام پور ج ۲ ش ۵ ص ۵

ندوۃ العلما۔ اجلاس بمبئی ج ۲ ش ۵ ش ۵

ادارے (علمی و ادبی)

ایڈیٹر انجمن ترقی اردو کے لیے کلکتہ میں ایک کوشش — ج ۲ ش ۲ ص ۲۰

انجمن ترقی اردو کی تائید کے لیے کمیٹی کے قیام کا اعلان اور انجمن کی شاخ کے قیام کی تجویز

ایڈیٹر، انجمن ترقی اردو — ج ا ش ا ص ۱۲

ترجمہ و اشاعت کتب کے پروگرام پر تبصرہ

" ، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۱

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی کے اجلاس میں انجمن کی رپورٹ پیش کردہ سکریٹری انجمن مولانا شبلی نعمانی پر تبصرہ

" ، ترقی اردو اور تراجم علوم و فنون کا سلسلہ — ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱

" " " " (۲) — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۳۷

شبلی نعمانی، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

کانفرنس کے اجلاس بمبئی میں انجمن ترقی اردو کے کاموں کی وسعت کے لیے فنڈ کے قیام سے متعلق قرارداد پر معطیان کی فہرست

" ، انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۳ ص ۲۴

۴ر فروری ۱۹۰۴ء کے غیر معمولی اجلاس کی کاروائی کی رپورٹ جس میں مسٹر آرنلڈ کی جگہ ڈیبویل کا بہ حیثیت صدر انجمن انتخاب ہوا۔

" ، مضمون متعلق رپورٹ سالانہ انجمن ترقی اردو — ج ۲ ش ۲ ص ۴

یہ رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبی ۱۹۰۳ء میں پیش کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ انجمن کے قیام کی تاریخ اور اس کے عہدے داروں کی فہرست بھی ہے۔

ادارے (سیاسی)

ایڈیٹر، شذرہ — ج ۲ ش ۱ ص ۳

انڈین نیشنل کانگریس کے نام پر سرسید کا اعتراض اور اس کے تیرہ چودہ سال بعد الفریڈ بندری کے ایک مضمون کے حوالے سے اس اعتراض کی صحت پر تبصرہ

" ، انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس بمبئی — ج ۲ ش ۵ ص ۵

〃 〃 انگلینڈ میں لبرل پارٹی کی مقبولیت اور ایک حکومتی انقلاب کی توقع — ج ۳ ش ۱،۲ ص ۲۰

شخصیات

ایڈیٹر، شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴۱

〃 〃 حالی مرحوم کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر ایڈیٹر کا شذرہ مسرت اور مولوی محمد یوسف جعفری رنجور کا قطعۂ تاریخ عطائے خطاب

〃 〃 قومی اعزاز — ج ۲ ش ۱ ص ۱۴

خواجہ الطاف حسین حالی کی علمی و قومی خدمات پر تبصرہ اور قوم کی جانب سے کوئی اعزاز نہ دیے جانے پر اظہار افسوس اور رسالہ تالیف و اشاعت (لاہور) کی اس تجویز پر اظہار رائے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبئی سے قبل اس مسئلے پر غور کرنے کی تجویز کی توثیق۔

〃 〃 (شذرات: شیخ محمد عبدہ کی سیاحت انگلستان، جلا وطنی، ان کی شخصیت اور اس کے اثرات) — ج ۱ ش ۱ ص ۱۱

آہ دہلوی، ابوالمنصر (مترجم) ڈی ماس تھینز یونان کا ایک فانح لیکچرار — ج ۳ ش ۱،۲ ص ۵۰

ابن خلکان، ابو منصور الثعالبی — ج ۲ ش ۹،۸ ص ۱۲

ثعالبی کی شخصیت اور اس کی تصنیفات اور علمی خدمات پر ابن خلکان کی کشف الظنون سے ماخوذ معلومات۔

رنجور، مولوی محمد یوسف، قطعۂ تاریخ — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۴

خواجہ حالی کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر

صحافت

ایڈیٹر، دارالسلطنت ہند میں ایک اردو پریس کی کمی — ج ۲ ش ۴ ص ۲

〃 (شذرہ: آبزرور کی ترقی کے لیے شیخ عبدالقادر کو نواب بہاول پور کی امداد پر اظہار مسرت) — ج ۲ ش ۲ ص ۸

ایڈیٹر/ پریس کانفرنس (قیام ۱۸۹۵ء بہ سعیٔ منشی محبوب عالم) ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۴

پریس کی آزادی کے مسئلے پر نیز محمڈن پریس ایسوسی ایشن کے قیام کی تجویز اور آفیشیل سیکرٹ بل کی مخالفت کی تحریک پر تبصرہ

۱۹۰۴ء زیر صدارت مولوی بشیر الدین ایڈیٹر البشیر، کارروائی دستور العمل کانفرنس اور پاس شدہ قرار دادیں ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۴

ایڈیٹر (مسلم پریس کانفرنس کا دوسرا سالانہ جلسہ بمقام لکھنو ۳۰ دسمبر)

" (کلکتہ سے انگریزی اخبار محمڈن ایڈوکیٹ کے اجرا کی خبر پر تبصرہ اور اس کی مالی امداد کی ترغیب) ج ۱ ش ۱ ص ۱۲

" دل چسپ معلومات (اخبارات کے متعلق) ج ۲ ش ۴ ص ۲۴

لسان الصدق اور معاصرین

ایڈیٹر، ایک ضروری گزارش (لسان الصدق کی خریداری کے متعلق) ج ۲ ش ۳ ص ۱

" " جنوری ۱۹۰۴ء ج ۲ ش ۱ ص ۱

خریداروں کی سست رفتاری اور ضخامت میں اضافے کے مطالبے پر تبصرہ

" " جن ہم عصروں نے ... ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

معاصرین سے مبادلے اور لسان الصدق پر تبصرے کی درخواست

" " خریداران لسان الصدق کی خدمت میں ایک گزارش ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲

" " ریاض الاخبار اور لسان الصدق ج ۲ ش ۳ ص ۲۲

" " شکریہ (لسان الصدق کی مالی امداد) ج ۲ ش ۴ ص ۱

" " شکریہ (منشی نواب دین کا شکریہ لسان الصدق کے دس خریدار مہیا کرنے پر) ج ۲ ش ۵ ص ۱

ایڈیٹر، شکریہ (مولوی محمد سعید بلگرامی کا رسالے کی اشاعت میں تعاون کے لیے) ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱

〃 ، لسان الصدق
(رسالے کی نوعیت، اجرا کی مشکلات اور اہل قلم سے تعاون کی اپیل) ج ا ش ا ص ۱۴
〃 ، لسان الصدق اور مبادلہ رسائل ج ۲ ش ا ص ۲
〃 ، لسان الصدق کا دستور العمل ج ۱ ش ا ص ا
〃 ، لسان الصدق ۱۹۰۵ء میں (آئندہ مقاصد و ترتیب و اہتمام کے بارے میں)
ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۲
〃 ، (لسان الصدق کی اشاعت پر رد عمل، مقبولیت و پذیرائی پر شکریہ) ج ا ش ۲ ص ا
〃 ، مبادلۂ سنین اور لسان الصدق ج ۳ ش ۱، ۲ ص ا
، گزشتہ برسوں میں لسان الصدق کی خدمات پر تبصرہ اور آئندہ کے عزائم
〃 ، معاصرین اور خریداران سے گزارش (مکمل پتا درج کرنے کی
(مکمل پتا درج کرنے کی گزارش) ج ۲ ش ا ص ۱۶ (حاشیہ)
〃 ، معزز ہم عصروں اور خریداران لسان الصدق سے عرض ہے
(خط و کتابت کے وقت مکمل پتا درج کرنے کی درخواست) ج ۲ ش ۲ ص ۱۴
〃 ، معزز ہم عصروں سے التماس ج ا ش ا ص ۱۶
لسان الصدق کے تبادلے اور اس پر تبصرے کی درخواست نیز علمی و تصنیفی کاموں کی
اطلاع اور تبصرے کے لیے کتابیں بھیجنے کی درخواست
〃 ، (شذرہ: منشی محمد مراد خاں کان پوری کی لسان الصدق کی اشاعت سے دل چسپی اور خریداروں
کی فراہمی ج ۲ ش ا ص ۳
〃 ، ہم اور ہمارے معاصرین۔
(دکن ریویو (حیدر آباد دکن) میں اصلاح و رسوم پر ایڈیٹر کے مضمون اور احیائے علوم عربیہ
کی تحریک کے جواب میں علامہ شبلی کے مضمون پر تبصرہ اور تالیف و اشاعت (لاہور)
میں ایڈیٹر کی تجویز متعلق "اردو انسائیکلوپیڈیا" کی تجویز پر تبصرہ) ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲۹
رنجور، مولوی محمد یوسف قطعۂ تاریخ اجرائے لسان الصدق۔ ج ا ش ا ص ۱۱
ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ
منیجر لسان الصدق: التماس ج ۲ ش ۴ ص ۵

رسالے کے چندے کی روانگی کی درخواست یا وی پی بھیجنے کے لیے اجازت۔

ایک نہایت ضروری اطلاع — ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۳۰

ایڈیٹر لسان الصدق مولوی ابوالکلام آزاد دہلوی کے ایک مدت تک بمبئی میں قیام کی اطلاع اور ادارت سے متعلق امور، ڈاک، رسائل وغیرہ کے بمبئی کے پتے پر بھیجنے کی درخواست

معاصرین

لسان الصدق کے بارے میں بعض معزز ہم عصروں کی رائے:

۱۔ شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن، لاہور — ج ۲ ش ۲ ص ۱۷

۲۔ مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر افسانہ — ج ۲ ش ۲ ص ۱۸

۳۔ ایڈیٹر عین الاخبار، مراد آباد — ج ۲ ش ۲ ص ۱۸

لسان الصدق کے متعلق بعض معزز ہم عصروں کی رائے:

۱۔ دلچسپ کلکتہ — ج ۲ ش ۴ ص ۲۰

۲۔ ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور — 〃 〃

۳۔ نظام الملک مراد آباد — 〃 〃

علمی خبریں

البرامکہ (از مولوی عبدالرزاق کانپوری) شائع ہوگئی — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۷

الکلام (از شبلی نعمانی) شائع ہوگئی — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۲۹

الندوہ، شاہجہان پور — ج ۲ ش ۹، ۸ ص ۱

(مجلس ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ماہوار علمی رسالے الندوۃ کے اجرا کی خبر اور مقاصد اجرا کا تعارف)

رباعیات حالی (جلد پر انگریزی حروف میں نام پر اعتراض کا جواب) — ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱۹

زیر تصنیف کتابیں: (الکلام کی ضرورت پر ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ) — ج ۱ ش ۱ ص ۱۴

شبلی نعمانی — علم کلام کی تاریخ کا دوسرا حصہ

عبدالرزاق کانپوری نظام الملک

زیرِ طبع کتابیں: ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲۸

الکلام مولانا شبلی نعمانی

سوانح عمری مولانا روم " "

یہ کتابیں ملک میں عنقریب شائع ہونے والی ہیں: ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲۵

المعتزلہ ابوالکلام آزاد دہلوی

ایڈیٹر کی زیرِ تصنیف کتاب کا تعارف اور اس کا دیباچہ

یہ کتابیں عنقریب ملک میں شائع ہونے والی ہیں: ج ۲ ش ۳ ص ۵

الف: زیرِ تصنیف: تذکیر و تانیث اردو میں از حالی

میر انیس کے کلام پر تبصرہ از شبلی

سوانح عمری امیر خسرو از خواجہ حسن نظامی

ب: زیرِ ترجمہ: ہیرو ورشپ از کارلائل، مترجم عبدالغفور شہباز

ج: زیرِ طبع: ایجوکیشن از ہربرٹ اسپنسر مترجم غلام الحسنین

نامۂ دانشوران از علمائے ایران مترجم ریاض الحسن

معارف از ابن قتیبہ مترجم عبداللہ عمادی

لیکچرز از میکس مولر مترجم عبدالقادر

مقالات

ایڈیٹر المعتزلہ (زیرِ تصنیف کتاب کا پیش لفظ) ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲۵

" تھیٹر (لفظی ترجمہ اور مختصر تاریخ) ج ۲ ش ۴ ص ۹

" ریاض الاخبار گورکھپور اور پیسہ اخبار لاہور ج ۲ ش ۲ ص ۲
مولانا حالی کی شاعری کے متعلق بحث پر تبصرہ

" فرسٹ ڈیبز ر دایبنڈ دین ڈیبز اگر ج ۲ ش ۳ ص ۲

" مسلمانانِ بنگال کی پنج سالہ تعلیمی رپورٹ (ایک مضمون) پر ایڈیٹر کا نوٹ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۲

انیبہ لوگوی، اسید شاہد حسین، ہندوستان کی اقوام جرائم پیشہ ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱۱
ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ۔ جرائم پیشہ اقوام کے حالات اور اصلاح کی تجاویز

رنجور، محمد یوسف جعفری السعادہ والعلم (ترجمہ) | ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱۸
بحث یہ ہے کہ کون سے علوم انسان کی زیادہ شادمانی کا باعث ہوتے ہیں۔ عربی سے ترجمہ
" " اسید اور شیخ | ج ۲ ش ۴ ص ۱۵
شفیع، ایس ایم ہندوستان اور جاپان کے تعلقات ـــــ ایشیا ـــــ (بیسویں صدی میں) | ج ۳ ش ۵ ص ۶
ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ
علی محمود بانکی پور قسمت (ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ) | ج ۳ ش ۱۱، ۱۲ ص ۴۲
وحشت، رضا علی مقدور ہو تو خاک سے . . . | ج ۲ ش ۴ ص ۶

متفرقات

آہ دہلوی، ابوالنصر سادہ لوحی (ایک تاریخی واقعہ) | ج ۲ ش ۵ ص ۱۴
اسپنسر، (ایک قول) | ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۱۷
ہکسلے ۔ | ج ۲ ش ۸، ۹ ص ۲۴
ـــــ تاریخی معلومات، قوموں کی قدامت | ج ۲ ش ۵ ص ۱۰
قدیم فنِ عمارت کے دنیا میں پانچ دور | ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱۷

وفیات

ایڈیٹر، سید احمد حسن اب کہاں ہیں؟ | ج ۱ ش ۲ ص ۱۵
" ، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی (کے بچا اور بیٹی کا انتقال) | ج ۳ ش ۱، ۲ ص ۱۸

اشتہارات

ـــــ اجرتِ طبع اشتہار (لسان الصدق) | ج ۲ ش ۵ ص ۱
ـــــ اجرتِ طبع اشتہار (لسان الصدق) | ج ۲ ش ۶، ۷ ص ۱
الپیام از ابوالنصر غلام یاسین آہ | ج ۲ ش ۳ ص ۷
اعلان (بہ کفایت ہر طرح کی طباعت کے لیے) | ج ۲ ش ۲ ص ۲۲

الندوہ (شاہجہان پوری) ایڈیٹر شبلی نعمانی و حبیب الرحمٰن خان شروانی ج ۲ ش ۹،۸ ص ۱

چند نایاب مقدس کتابیں ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲ (سرورق)

حیات جاوید از خواجہ الطاف حسین حالی ج ۱ ش ۱ ص ۱۵

دکن ریویو (حیدرآباد دکن) ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲ (سرورق)

خدنگ نظر (لکھنو) 〃 〃 〃

خضابِ لاجواب ج ۳ ش ۱،۲ سرورق ص ۴

زمانہ (بریلی) ج ۲ ش ۹،۸ ص ۴ (سرورق)

قوم (جے پور) ج ۲ ش ۹،۸ ص ۴ (سرورق)

عیاشی کا نتیجہ (ایک ناول) ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

کتاب الصرف و کتاب النحو مصنفہ حافظ عبد الرحمٰن امرتسری ج ۲ ش ۹،۸ ص ۲ (سرورق)

کلکتہ کی سیر۔ تین جلدیں (ناول) ج ۲ ش ۲ ص ۱۹

ہادی المطابع (کلکتہ) کی قابل دید کتابیں ج ۲ ش ۱ ص ۹

ایڈیٹر، عرفت ربی بفسخ العزائم (جنوری ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں تاخیر مزید پر عذر)
ج ۳ ش ۱،۲ سرورق ص ۳

〃 دربار سید اعظم (قارئینِ لسان الصدق کے لیے سرسید اور ان کے رفقا کے ایک گروپ
فوٹو کے متعلق نوٹ) ج ۳ ش ۱،۲ سرورق ص ۳

—— دلچسپ معلومات: فزکس کے متعلق ج ۲ ش ۷،۶ ص ۴۲

تاریخ کے متعلق 〃 〃 〃

آتش فشاں پہاڑ 〃 〃 〃

منیجر لسان الصدق، التماس ج ۲ ش ۴ ص ۵

ریویو۔ کلکتہ

اسی زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "ریویو" کے نام سے ایک ماہنامہ کلکتہ سے جاری کرنے کا عزم کیا۔ لسان الصدق کے آخری پرچے کے ساتھ اس کے اجرا کے عزم کا اعلان کیا تھا کہ ۲۰ جون (۱۹۰۵ء) سے شائع ہونا شروع ہو جائے گا۔ اس کے تعارف میں مولانا لکھتے ہیں:

اردو میں اپنی ڈھنگ کا پہلا رسالہ

ریویو

جس کا مقصد صرف ریویو ہے

اس کی اہمیت کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

"یورپ کی زبانوں میں متعدد رسالے ایسے شایع ہوتے ہیں، جن کا مقصود صرف "ریویو" ہوتا ہے، وہ ملک کی قابل قدر تصنیفات پر مفصّل تنقید کرتے ہیں! مصنّفین کو ضروری معلومات سے مدد پہنچاتے ہیں، دوسرے ملکوں سے علمی تعلقات پیدا کر کے علم دوست جماعت کے لیے وہ اسباب مہیا کرتے ہیں، جن سے وہ اپنی علمی ضرورتیں آسانی سے پوری کر سکیں! افسوس ہے کہ اردو میں اس وقت تک کوئی رسالہ اس مقصد سے شایع نہیں ہوا، اور یہ اہم کام لٹریری رسالوں کا ضمیمہ بن کر ناقابل اور غیر موزوں حالت میں خراب ہوتا رہا! آج لسان الصدق اس کمی کے پورا کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ۲۰۔ جون ۱۹۰۵ء سے ایک ماہوار رسالہ بالفعل (۱۶) صفحوں کی ضخامت پر بطور ضمیمہ لسان الصدق شایع ہونا شروع ہوگا، جس کا نام اور نام کے ساتھ صرف مقصد ریویو ہے"!

اس کے مقاصد کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

(۱) ہندوستان میں جسقدر کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں اُن پر مفصّل ریویو کرنا، اور کوشش کرنی، کہ اس کتاب کی مفصل کیفیت، مصنّف کی عمدہ تصویر شایع کی جائے۔

(۲) ممالک اسلامیہ میں عربی کی جو قابل قدر کتابیں شایع ہوتی ہیں ان پر مفصّل ریویو کرنا، اور

خریداروں کی فرمائش پر اصلی قیمت پر کتاب منگوا دینا، اور کوشش کرنی کہ جن اردو عربی کتابوں پر ریویو کیا جاتا ہے، اس کے متعدد نسخے دفتر میں موجود ہوں۔

(۳) ہندوستان میں اس وقت تک کوئی ایسی ایجنسی نہیں ہے جہاں قلیل منفعت پر مصر، شام و قسطنطنیہ کی نادر الوجود کتابیں شائقین کو دستیاب ہو جائیں اگر ایک دو دکانیں ہیں بھی تو وہاں زیادہ تر قدیم مذاق کی تصنیفات، اور دینیات کی کتابیں دستیاب ہوتی ہیں اس لیے ریویو کے متعلق ایک ایجنسی قائم کی گئی ہے۔ جہاں تمام جدید کتابیں اور علوم و فنون جدیدہ کے تراجم تقریباً اصلی قیمت پر شایقین کو مل سکتے ہیں۔

(۴) دائرۃ المعارف، جیسی قیمتی کتابیں منگوا کر اس ایجنسی کے ذریعہ ماہوار قسط کے آسان طریقہ پر فروخت ہوں گی۔

اس کی قیمت کے بارے میں مولانا نے یہ فیصلہ فرمایا تھا قیمت سالانہ مع محصول عہ مگر خریداران لسان الصدق کے لیے صرف ۱۲ر درخواستیں دفتر لسان الصدق کے پتے سے کی جائیں۔

لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں اور ڈاکٹر رضا بیدار نے تحقیق فرمائی ہے مولانا آزاد کا یہ عزم عمل کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ لیکن اس اشتہار و اعلان کی تفصیل سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ۱۶، ۱۷ سال کی عمر میں بھی مولانا کی نظر علم و ادب اور ان کے مسائل و ضروریات کے ہر پہلو پر تھی۔

قیمت عام سالانہ پیہ مع محصولڈاک۔

دارالسلطنت کلکتہ کا ماہوار رسالہ

لسان الصدق

ایڈیٹر ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی

جسمین

عام علمی، واخلاقی، تاریخی، سائنٹیفک مضامین کے علاوہ ذیل کے چار مقصد ونبر مضامین شائع ہوتے ہین۔

(لسان الصدق کے خاص مقاصد اربعہ)

(۱) سوشیل ریفارم۔ یعنی مسلمانون کی معاشرت، اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

(۲) ترقی اُردو۔ یعنی اُردو زبان کی علمی، ادبی ترقی کی کوشش کرنی۔

(۳) تنقید۔ یعنی ملک کی مشہور تصنیفون، اور اخبارون پر منصفانہ ریویو کرنا۔

(۴) علمی مذاق کی اشاعت۔ بالخصوص بنگالہ مین۔

مقام اشاعت۔ نمبر ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ۔ کلکتہ

ماڈرن پریس کلکتہ نمبر ۱۴۳ بہو بازار اسٹریٹ مین چھپا

سرورق [illegible] احمدی پریس لکھنؤ مین چھپا

لسان الصدق

ماہوار رسالہ

ایڈیٹر۔ ابو الکلام آزاد دہلوی

قیمت سالانہ مع محصولڈاک
عہ نمونہ کے پرچے کیلئے
کا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

تمام خط وکتابت وارسال زر
ایڈیٹر کے نام پر اس پتے سے ہو
نمبر ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نمبر (۱)	(۲۰) نومبر ۱۹۰۳ع	جلد (۱)

"الصدق ینجی والکذب یھلک" لسان الصدق
کا دستور العمل ہے اسکا فرض ہے کہ یہ قوم کو
کذب سے بچائے، اور راستی پر لائے۔ جب
اسکا فرض منصبی صرف حق گوئی قرار دیا گیا،
تو اسکی امید قوم کو اس سے نہین رکھنی چاہیئے
کہ یہ اونہین ایسے ترانے سُنائے گا، جو نہایت
شیرین معلوم ہونگے۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی
معلوم ہوتی ہے، سچ سچائی کی زبان کیونکر
شیرین معلوم ہوگی۔؟ یہ ہمیشہ تمکو کڑوی کسیلی
باتین سُنائے گا، جو اگرچہ تمہین ناگوار معلوم ہونگی
لیکن اوس زمانہ کو، دور نہ سمجھو، جبکہ صدق کا
منجی ہونا، اور کذب کا مہلک ہونا تمپر
ظاہر ہوجائے گا۔

اس رسالہ کے خاص مقاصد حسب ذیل ہین

(۱) سوشل ریفارم۔ یعنی مسلمانون کی معاشرت
اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

(۲) ترقی اردو۔ یعنے اردو زبان کے
علمی لٹریچر کے دائرہ کو وسیع کرنا۔

(۳) علمی مذاق کی اشاعت۔ بالخصوص
بنگالہ مین۔

(۴) **تنقید**۔ یعنے اردو تصانیف
پر منصفانہ ریویو کرنا۔

مقاصد کی تشریح

سوشل ریفارم اس امر سے تو کوئی انکار
نہین کرسکتا، کہ مسلمانون کے
موجودہ رسم ورواج کی بنا ہندوؤن کے میل جول

سے بڑی بسلمانون نے جب ہندوستان فتح
کیا، تو مفتوح قوم کے رسم و رواج سے واقف ہونیکی
اونہین ضرورت ہوئی ۔ واقفیت کے ساتھہ جب
میل جول بڑہا ۔ تو خود بخود مفتوح قوم کے رسم و
رواج نے فاتح قوم کے افعال پر قبضہ کرنا شروع
کیا ! ادہر "اکبر اعظم" کی غیر متعصبیت نے یہانتک
ترقی کی، کہ ہندؤن کے رسم و رواج پر مائل ہو ۔
مسلمانون مین غیر محسوس طریقہ پر میلان پیدا کر دیا ؛
مذہبی کمزوری نے بھی بہت سے توہمات پیدا کر دیے
اور ان سب باتون نے ملکر مسلمانون کے افعال پر
یہان تک اثر کیا، کہ "اونیسوین صدی" مین مسلمانون
کے خاص رسم و رواج نظر آنے لگے ۔ اونکی اوسی پہلی
سادگی، اور ریائی تکلف کی بجگہہ ایک خاص ہندوستانی
مخلوط رنگ نظر آنے لگا ۔ اونکے اس رسم و رواج
نے اونہین اپنے قدیم سرچشمہ سے ایسا جدا کر دیا،
کہ کوئی دیکھنے والا اونہین کبھی وہ قدیم مسلمان نہین
سمجھ سکتا، جنہون نے ہندوستان کو فتح کیا تھا ۔
اسی رسم و رواج کی بدولت اونہون نے اپنی تمام قدیم
صنعتین کھودین ۔ وہ جو کچھ اپنے ساتھہ لیکر ہندوستان
آتے تھے اوسے برباد کر کے ہندوستان کا سرمایہ بھی
تباہ کر دیا جسکی جانب حالی نے شکوہ ہند مین کیا
خوب اشارہ کیا ہے ۔

رخصت اے ہندوستان! اے بوستانِ بیخزان!
رہ چکے تیری بہت دن ہم بدیسی میہمان!
تونے ثروت دی حکومت دی ریاستین دی ہمین
شکر کس کس مہربانی کا کرین تیری ادا ؟
نبہہ سکین لیکن نہ آخر تک تیری خاطرداریان
جو دیا تھا تونے ۔ وہ آخر کو سب کھوالیا
خیر! اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
جس سے چاہا لے لیا ، اور جسکو چاہا دیدیا
پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
وہ بھی تونے ہمسے لیکر کر دیا بالکل گدا

سب سے بڑی وجہ ان بیہودہ رسم و رواج کی طبیعت
ثانیہ ہونے کی یہ ہوئی، کہ مذہبی توہمات، اور علمار
کی غفلت نے عوام کو اچھا موقعہ دیدیا کہ وہ انہین
داخل مذہب سمجھکر ہر مسلمان کے لئے لازمی سمجھہ لیں؛
بعض رسومات ایسے تھے، جنسے علماء اور واعظین
کو بالخصوص مالی منفعت ہوتی تھی؛ اور اسلیے یہ
منفعت اونہین اعلان حق سے باز رکھتی تھی
ایک مدت تک جب کسی قسم کی اصلاح نہ کی گئی
تو اونکے طبیعت ثانیہ ہونے مین کیا دیر تھی !
اسلامی حکومت کا آخری دور بالکل عیش و عشرت

کا زمانہ تھا۔ لکھنؤ مین تمول اور بےفکری نے خود
بہت سے نئے رواج پیدا کر دیے۔ اور اسمین کوئی
شک نہین کہ شادی و غمی کی بیجا رسمین زیادہ تر
لکھنؤ ہی کی بے فکرانہ زندگی سے پیدا ہوئی
ہین! جب ہندوستان مین زمانہ نے دوسرا
دور شروع کیا اور وہ ایک متمدن سلطنت کے
قبضہ مین آیا، تو یہ غیر ممکن تھا کہ ہر شخص قدیم
روش کی طرح بےفکری کی زندگی بسر کرتا۔ اسباب
کا پیدا کرنا، اور تعلیم کا حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔
لیکن رسم و رواج مین باوجود تعلیمی انہماک کے
کوئی تغیر پیدا نہین ہوا، ہر ایک رسم اوسی طرح
ہر معین موقعہ کیلئے ضروری رہی! اور قدیم
روش کی تقلید اوسی طرح ہر شخص کے لئے
لازمی قرار دی گئی۔ لیکن چونکہ وہ بےفکری،
اور فوری تمول ایک متمدن سلطنت کے
زیر سایہ حاصل نہین ہو سکتا تھا، اسلیے یہ
قدیم روش سیکڑون خاندانون کے لئے بربادی
کا باعث ہوئی۔ معمولی معمولی تقریبون پر ہزارون
روپیے صرف ہونے لگے، اور سوسائٹی کے دباؤ
سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان ظالم رسومات
سے ذرا بھی مخالفت کر سکے۔ ہمارے ایک ترکی
دوست نے ہندوستان کی یہ حالت دیکھکر مجھسے
بیان کیا۔ کہ ہندوستان کی غربت کی ایک بڑی
وجہ یہان کے رسم و رواج ہین، جو سوسائٹی کا
زور لیکر ہر شخص سے مجبوراً سیکڑون روپیے
صرف کرا لیتے ہین۔ لکھنؤ مین تمہین اکثر یہ آوازین
سُننے مین آئینگی کہ ببن میان کی شادی مین
پانچ ہزار کا قرضہ ہو گیا۔ اور چھٹن میان کے ختنہ
مین دو مکان گروی ہو گئے۔ اب اور آمدنی کی
کوئی صورت تو ہے نہین، خاندان کا خاندان فاقون
مر رہا ہے، اور سود کا خیال خون خشک کر رہا
ہے۔ اگر اصلی معنون مین سادگی کے ساتھ شادی
کر دی جاتی، اور صرف ختنہ کر دیا جاتا۔ تو ببن
اور چھٹن خاندانون کے تباہ ہونے کے باعث نہوتے
رسم و رواج کی پابندی نے یہ کچھ خرابیان ہندوستان
مین پیدا کر رکھی ہین۔ لیکن افسوس ہے، کہ انکی
اصلاح کیجانب آجتک کسی نے توجہ نہین کی؛
اور یہ مرض اسی طرح قوم مین ترقی کرتا گیا۔
اکثر اس خیال مین رہے، کہ ہم جن ضروری
اصلاحون مین مشغول ہین وہ اس اصلاح
سے بدرجہا زیادہ ضروری ہین۔ اسلئے اگر
اس اصلاح سے قوم کو وحشت ہوئی اور رسم

و رواج کی محبت نے ہمین اونکا مخالف سمجھکر ہمسے بدظن کرا دیا، تو ہماری اصلی کوشش مین خرابی پیدا ہو جائے گی، اور اس اصلاح کی بدولت اور ضروری اصلاحین بھی رہجائین گی۔

بعضون نے یہ خیال کیا کہ جب قوم مین تعلیم عام ہو جائے گی، اور جدید اثرات ہر دماغ تک پہنچ جائین گے، تو خود بخود اصلاح مراسم کا خیال ہمیشہ مین پیدا ہو جائے گا! اسلئے اسوقت کوشش کرنی قبل از وقت ہے یہ خیالات آجتک اس ضروری اصلاح سے مانع رہے، اور حکیم کا بیجا سکوت، اور مریض کی بیخبری نے مرض کو لاعلاج ہونے کے قریب کر دیا۔ اگر اسوقت بھی ہم اسی قسم کی دور اندیشیون مین مست رہین گے، تو اوس زمانے کو کچھہ دور نہین سمجھنا چاہیے جبکہ مرض کلیۃً لاعلاج ہو جائیگا اور تمام مسیحائے وقت اوسکے علاج سے عاجز ہو جائین گے۔

وہ پہلی جماعت، جسے ہمنے اکثر کے ساتھہ تعبیر کیا ہے، بیشک بہت سی ضروری اصلاحون مین مشغول ہے! اور بلا شبہہ اونکا قوم مین ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اصلاح رسومات دراصل ایسی ضروری اصلاح ہے کہ ہر قسم کی اصلاح اس اصلاح پر مبنی ہے۔ تعلیم کو مسلمانون مین آجتک جو ناکامیابی ہوئی وہ بہت کچھہ رسم و رواج کی پابندی سے ہوئی۔ اکثر خاندانون مین ابتک انگریزی اسلئے نہین پڑہائی جاتی کہ اونکے یہان ایک خاص نصاب تعلیم کی رسم پڑگئی ہے، اور رسم و رواج کے لحاظ سے اوسکا پڑہانا ضروری ہے۔ انگریزی اگر اولاد کو پڑہائی جائے تو اوس تعلیم کا وقت نہ ملے! اور یہ رسم و رواج کے خلاف ہو۔ اسی قسم کی بہت سی رکاوٹین ہر قسم کی اصلاحون مین ان رسومات کی پابندی نے پیدا کر دی ہین، جو بلا اصلاح مراسم کے دور نہین ہوسکتین۔ اسلیے اس جماعت کا اور اصلاحون کو اس سے ضروری سمجھکر ادہر توجہ نہ کرنا دراصل ایک بین غلطی ہے۔

اب رہی دوسری بات، کہ رسم و رواج چونکہ غایت درجہ کی قوم مین وقعت رکھتے ہین، اسلیے اگر انکی اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو قوم کو ہماری طرف سے تنفر بڑہے گا، اور ہماری اور اصلاحون مین رکاوٹ پیدا ہو جائیگی۔ لیکن ہمارے نزدیک تو ہمنے کوئی ایسی اصلاحی

کوشش کی ہے جسے قوم نے بلا کسی تنفر کے قبول کرلیا ہو! انگریزی تعلیم کی اشاعت پر جو کچھ ہمین خطاب ملے، اور جسقدر ہمسے تنفر ظاہر کیا گیا، وہ ہمین ابھی بھولا نہین ہے۔ ایک ایسی قوم کی (جسمین ایک مدت سے غایت درجہ کی جہالت پھیلی ہوئی ہو) جب اصلاح کی جائے گی چاہے وہ جس قسم کی ہو، اور جس طرح کی ہو مصلحین سے اوسکا متنفر ہونا ایک ضروری امر ہے۔ صرف اسی خوف سے اصلاح مراسم جیسی ضروری اصلاح سے چشم پوشی کرنی کتنی بڑی غلطی ہے!

دوسری جماعت کا اس توقع مین رہنا کہ جب تعلیم عام ہو جائے گی تو خود بخود قوم کو اصلاح کا خیال پیدا ہو جائے گا کسقدر بیجا توقع ہے! تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قدیم رسم و رواج جو خاندانون مین نسلاً بعد نسلٍ قائم ہوتے چلے آتے ہین! کبھی تعلیم سے دور نہین ہوسکتے۔ سوسائٹی کا دباؤ قدیم خاندانی اثر تعلیمی اثر پر غالب آجاتا ہے، اور ایک تعلیم یافتہ شخص جو گھر سے باہر آزاد اور مہذب نظر آتا ہے، گھر کی چار دیواری کے اندر آکر پھر رسم و رواج کی زنجیرون مین جکڑا دیا جاتا ہے، اور وہ تعلیمی اثر جسنے اوسے گھر سے باہر مہذب اور آزاد دکھلایا تھا خاندانی اثر سے ناشایستہ رسومات کا پابند ہو جاتا ہے۔ تعلیم بیشک ایک قسم کا خفیف احساس پیدا کر دیتی ہے! لیکن ایک زبردست تحریک کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک وہ تحریک طبیعت مین آمادگی پیدا نہ کر دے، طبیعت کسی چیز کے ترک کرنے پر راضی نہین ہوتی۔ اسی تحریک کا نام اصلاح کی کوشش ہے، اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ اوسکی کوشش کیجائے۔ اب وہ زمانہ نہین رہا کہ فضول گفتگو اور بحث مین وقت ضایع کیا جائے! بلکہ جو کچھ کرنا ہے اوسے شروع کر دینا چاہیئے کن یدا لا تکن لسانا

گفتگو از حد گذشت و مرگ نزدیک آمدہ
ای عزیزان! آخر این بیمار را باشد علاج

بڑی مسرت کی بات ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء نے اصلاح تمدن اور اصلاح مراسم پر توجہ شروع کر دی ہے۔ ندوۃ العلماء نے آجتک جو کچھ کیا ہے اوسپر ہمین اسوقت بحث مقصود نہین ہے: لیکن دہلی کے جلسہ سے جو علمی کارروائی کانفرنس نے شروع کی ہے، وہ واقعی قابل توجہ ہے اور

اوسے دیکھکر امید بندہتی ہے کہ یہ کوشش ضرور کوئی نتیجہ پیدا کرے گی۔

کانفرنس نے "اصلاح تمدن" کا علحدہ صیغہ قائم کیا ہے، جسکے سکریٹری علیگڈہ کالج کے مشہور تعلیم یافتہ جناب خواجہ غلام الثقلین ہین، اور ہم واقعی اس اہم عہدہ کے پورے لائق ثابت ہوئے ہین۔ خواجہ صاحب نے اسی مقصد کے لئے "عصر جدید" نام ایک رسالہ بھی شایع کیا ہے، اور ایسے ممبرون کے بڑہانے کا ایک عمدہ ذریعہ پیدا کر لیا ہے، جو اس امر کا عہد کرین، کہ آیندہ کسی رسم کی پابندی نہین کرینگے۔ ہم خواجہ صاحب کی اس کوشش کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین، اور امید کرتے ہین کہ جب وہ کانفرنس بمبئی مین اپنا سالانہ کارنامہ پیش کرینگے، تو تمام قوم بھی اونکی خدمت کو ہماری طرح قدر کی نگاہ سے دیکھیگی۔ انہین ضرورتون کو دیکھکر "لسان الصدق" کے مقاصد مین یہ مقصد داخل کیا گیا، لیکن چونکہ سب سے زیادہ مضر رسومات وہ ہین جنکا تعلق معاشرت سے ہے، اسلیئے اصلاح معاشرت پر اسکی توجہ زیادہ رہیگی،

دوسرا مقصد

ترقی اردو

اردو زبان نے آجتک جسقدر علمی ترقی کی ہے وہ کسی خاص کوشش پر مبنی نہین ہے۔ مسلمان آجتک اس سے بیخبر رہے، اور صرف معمولی طور سے علمی تصانیف اسکے ذخیرے کو وسیع کرتی ہین غور کیا جائے تو چار زبانین مشرقی زبانون مین ایسی ملینگی جو اردو کے ساتھہ شمار کی جاسکتی ہین۔ ترکی، عربی، فارسی، بنگلہ۔ یہ وہ زبانین ہین جنہون نے جدید اثرات اردو کی طرح اسی آخر دور مین حاصل کئے ہین۔ انہین سے تین زبانین خاص اسلامی ممالک کی زبانین ہین۔ اسمین کوئی شک نہین کہ فارسی نے بہ نسبت اردو کے کوئی قابل ذکر ترقی نہین کی۔ لیکن ترکی اور عربی زبانون کے مقابلہ مین اگر اردو لائی جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ عربی زبان مین جدید علوم و فنون کی جس کثرت سے کتابین موجود ہین اور ہر ماہ جسقدر کتابین عربی ترجمہ ہوکر شایع ہوتی ہین اسے وہی شخص جان سکتا ہے، جو بیروت اور مصر کی موجودہ حالت سے واقف ہو۔ ترکی زبان مین تمام جدید علوم کی کتابین موجود ہین، اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہین۔ اردو مین تو

عربی کی دائرہ المعارف (عربی انسائیکلوپیڈیا
اور "النقش فی الحجر" ہی کا جواب نہین ہے۔
اس مقابلہ سے مقصود یہ ہے کہ اردو ابھی اور
مشرقی اسلامی زبانون سے بہت پیچھے ہے۔
اور اوسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ علوم و فنون کے
ترجمہ کا اردو مین سلسلہ قایم نہین ہوا،
اور صرف تعلیم کی جانب ابتک توجہ رہی۔
اسکے علاوہ اردو مین عمدہ تصانیف کی بھی
بڑی کمی ہے۔ سوا چند مشہور مصنفون کے،
جنکا نام اُنگلیون پر شمار کیا جا سکتا ہے،
اور کسی قابل شخص کے قلم سے عمدہ تصنیف
نہین نکلتی۔ برخلاف اسکے مخرب اخلاق
ناولون کی اور فضول کتابون کی اسقدر کثرت
ہے کہ شاید فارسی زبان کے کتب عشقیہ نظم
و نثر بھی اوسکا مقابلہ نہ کر سکین۔ اسمین کوئی
شک نہین کہ اسوقت ملک مین کافی تعداد
ایسے اہل قلم کی موجود ہے، جنکی کوششون سے
عمدہ کتابین تصنیف ہو سکتی ہین، لیکن عام
میلان دیکھکر وہ اسکی توقع نہین کر سکتے کہ
کسی علمی تصنیف کے ذریعہ وہ کافی رائٹ کے
قاعدہ سے مستفیض ہو سکین گے۔ اسلیئے
اونہین بجاے مفید کتابون کے ناولون مین
وقت صرف کرنا پڑتا ہے: اور اسطرح اردو
زبان کا علمی دائرہ بجاے وسیع ہونے کے روز
بروز تنگ ہوتا جاتا ہے۔ یہ تمام ضرورتین ایک
ایسی انجمن کی منتظر تھین، جو اردو زبان کی ترقی
کے وسائل پیدا کرے، اور اہل قلم کی مدد کرکے
اونسے علمی خدمت لے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس
کے لٹریری سیکشن کا انجمن ترقی اردو قایم
کرنا واقعی ہمین امید دلا رہا ہے کہ اس
انجمن کی بدولت یہ تمام ضرورتین رفع ہوجائنگی
اور ہم ایکدن اپنی قومی زبان کو علمی زبانون
کی ہمسری کرتے ہوے دیکھین گے۔ لسان الصدق
کا دوسرا مقصد "ترقی اردو" اسی انجمن کے
متعلق ہے۔ یہ اون تمام وسائل کو عمل مین لائیگا
جو ترقی اردو کے لئے انجمن قرار دے گی، بالخصوص
بنگالہ مین انجمن کے مقاصد کی اشاعت، اور
بنگالہ کی اہل قلم جماعت کو اسپر متوجہ کرنا
"لسان الصدق" کا اہم فرض ہے

تیسرا مقصد

تنقید انگریزی مین کسی کتاب پر "ریویو"
کرنا یہ مفہوم رکھتا ہے، کہ اوس کتاب کے حسن

و قبح پر بحث کیجاے، اور ریویو نویس اپنی راے ظاہر کرے، لیکن اردو مین ہمیشہ ریویو کا ترجمہ "تقریظ" کیا گیا ہے، جس سے ریویو کا اصلی مفہوم ہی مفقود ہوگیا؛ اسلیے کہ تقریظ تو عام طور پر کسی کتاب کی مدح و تحسین کرنے کا مفہوم رکھتی ہے، بر خلاف ریویو کے کہ اوسکا مفہوم صرف اوسکے حسن ہی پر بحث کرنی نہین ہے بلکہ اوسکے قبح پر بھی نکتہ چینی کرنی ہے۔ اکثر کتابون کے آخر مین بعض معاصرا فاضل کی تقریظین نظر آتی ہین، جنمین مدح و تحسین کے دو تین صفحہ کالے کرنے کے سوا کرشمہ مضمون سے ذرا بھی کام نہین لیا جاتا۔ تقریظ کا صرف مدح و تحسین کا مفہوم رکھنا یہانتک مسلم ہوگیا ہے کہ اگر کسی تقریظ مین کتاب پر کوئی ذرا سا اعتراض کیا ہو یا کتاب کی کسیقدر خرابی ظاہر کی ہو تو وہ تقریظ کے دائرہ ہی سے باہر سمجھکر اس قابل نہین سمجھی جاتی، کہ کتاب کے ساتھ شایع کی جاے۔ سید احمد خان مرحوم نے جب اپنے ابتدائی زمانے مین آئین اکبری کی تصحیح کی، اور اوسے طبع کیا، تو مرزا اسداللہ خان غالب مرحوم سے تقریظ کی فرمایش کی۔ مرزا صاحب

یورپ کے جدید آئین کے دلدادے تھے اور آئین اکبری کو ایک فضول کتاب سمجھتے تھے۔ اونہون نے سر سید کی خاطر تقریظ تو نظم مین لکھدی لیکن اظہار راے سے نہ بچ سکے۔ تقریظ کا پہلا شعر یہ ہے۔

مژدہ یاران را کہ این دیرین کتاب
یافت از اقبال سید فتح باب

اسکے بعد اونہون نے انگریزون کے آئین، اور ایجادات کی تعریف کی ہے۔ اور اس کتاب کی تصحیح مین سر سید نے جو عرقریزی کی تھی اوسے شاعرانہ پہلو سے فضول بتلایا ہے اور چند شعر سید کی مدح مین لکھکر تقریظ ختم کردی ہے۔

سر سید نے جب تقریظ دیکھی، تو بہت ناراض ہوئے، اور کتاب کے ساتھ شایع نہین کی۔ اس ناراضی کا اصل سبب یہ تھا کہ سر سید ریویو کے اصلی مفہوم کے عادی نہ تھے، تقریظ مین صرف مدح و تحسین کا ہونا اونکے ذہن نشین تھا۔

"ریویو" کا اصلی ترجمہ ہماری زبانون مین "تنقید" سے بہتر نہین ہو سکتا اور ممالک

اسلامیہ مین ریویو کی جگہہ یہی لفظ مستعمل ہے۔
ہندوستان کے عام اخبارات مین آجکل جس طریقہ
سے کتابون پر بالعموم ریویو کیا جاتا ہے، اوسے
ریویو کی جگہہ تقریظ کہنا چاہیئے، نہ کتاب کی
پوری کیفیت ظاہر کی جاتی ہے، اور نہ اوسکے
حسن و قبح پر بحث ہوتی ہے، صرف مصنف
اور بجاے طبع اور قیمت کی اطلاع دیدینی ریویو
نویسی کا فرض سمجہا گیا ہے۔ ایسے ریویو سے
علاوہ اسکے، کہ ریویو نویسی کا اہم فرض نہین
پورا کیا جاتا، سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوتی
ہے کہ کتاب کے نقائص نہ پبلک پر ظاہر ہوتے
ہین، اور نہ مصنف پر، رفتہ رفتہ مصنفین
بھی تعریف کے عادی ہوجاتے ہین، اور پھر وہ
کسی قسم کے اعتراض سننے کی قابلیت نہین رکھتے
"لسان الصدق" کا فرض ہوگا، کہ وہ
ہر کتاب پر اپنی سچی راے ظاہر کرے، اور جسطرح
کتاب کا روشن پہلو پبلک کے سامنے کردے
اوسیطرح اوسکے تاریک پہلو کو بھی پیش کردے
وہ اسکی بالکل پروا نہین کریگا، کہ اسکا مصنف
کون ہے؟ اور کس پایہ کا ہے؟ وہ تصنیف
گو کیسے ہی با اقتدار اور مشہور شخص کی کیون نہو،
یہ اوسکی سچی خرابیان ظاہر کردے گا، کیونکہ یہ
لسان الصدق ہے، اور سچائی اسکا دستور العمل ہے

چوتھا مقصد

"لسان الصدق" کا چوتھا مقصد **علمی مذاق کی اشاعت، بالخصوص بنگالہ مین**

علمی مذاق کی اشاعت، بالخصوص بنگالہ مین، ہے،
اگرچہ یہ مقصد عمومیت کے لحاظ سے تمام ہندوستان
سے تعلق رکھتا ہے، لیکن بنگالہ کی خصوصیت
خاص اس صوبہ کے مسلمانون کی حالت پر مبنی ہے
ہندوستان مین تعلیم روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے،
اور بالخصوص مسلمانون مین تعلیم یافتہ جماعت
بڑہتی جاتی ہے، لیکن باوجود اسکے علمی مذاق
جس چیز سے عبارت ہے، اوسکی مسلمانون مین
بڑی کمی ہے۔ زندہ دلان پنجاب ہمارے کلیہ
سے کسی قدر مستثنے ہونے کا استحقاق رکھتے
ہین، ورنہ ہندوستان کی عام حالت کے
متعلق تو ہمارا اندازہ بہت صحیح ہے۔ علمی مذاق
سے ہماری مراد اخبارات کا مطالعہ، علمی رسائل
کی کثرت، مجالس علمی کی شرکت، علمی مباحث
کا چرچا ہے، جو پنجاب کے سوا اور کہین خال
خال نظر آتا ہے۔ یہ ہمارے مقصد کے عام پہلو

کی تشریح تھی۔ بنگالہ کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے، کہ یہان کی اسلامی سوسائٹی اس مذاق سے بالکل معرا ہے، اور اگر ہمارے بعض احباب بنگالہ اجازت دین، تو ہم یہ بھی ثابت کر سکتے ہین کہ اونہین اپنی اس غلطی کا احساس بھی نہین ہے۔ برخلاف مسلمانون کے اگر اسی صوبہ کے ہندو بنگالیون کو دیکھا جائے، تو زمین و آسمان کی آن نیچرل تشبیہ نیچرل معلوم ہو گی۔ جو علمی مذاق اور دماغی ترقی ہندؤونمین نظر آتی ہے، اوسے دیکھکر ایک باریک بین نگاہ حیرت مین آجاتی ہے۔ کہ ایک ہی خاک کے دو نوجوان ایک ہی یونیورسٹی سے کامیاب ہو کر نکلتے ہین، لیکن مسلمان نوجوان کسی خاص شغل کو حاصل کر کے ایسا بیخود ہو جاتا ہے کہ اوسے کسی قسم کی علمی تحریک ہشیار نہین کر سکتی: برخلاف اسکے وہ ہندو جوان باوجودیکہ ایک اعلی درجہ کے کام مین منہمک ہوتا ہے، علمی مذاق سے اپنی دماغی قوت کو قوی کرتا ہے، اور شب و روز مسائل علمی اور مباحث فنی کے مطالعہ مین مشغول رہتا ہے۔ ایسی حالت مین کیا کوئی فزیالوجسٹ ہمین بتلا سکتا ہے کہ بنگالہ کے مسلمانون اور ہندؤونمین کوئی دماغی امتیاز ہے؟ یہ ممکن تھا کہ ہم بلا دریافت کیے خارجی امتیاز کی بنا پر دماغی امتیاز بھی تسلیم کر لیتے؛ لیکن جب ہم انہین بنگالی مسلمانون مین بعض ایسے گران مایہ وجود بھی دیکھتے ہین، جنکی علمی قابلیتون کا تمام انڈیا معترف ہے۔ اور جنکا قابل عظمت جوہر اپنی ملکی زبان مین ظاہر نہین ہوا ہے بلکہ ایک غیر مانوس علمی زبان مین انہون نے اپنا سکہ بٹھایا ہے، تو ہمارا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے، اور ہمین تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندؤون کی علمی قابلیت کی اصلی وجہ اونکا علمی مذاق ہے، جسمین وہ کالج سے نکلکر ہمیشہ مشغول رہتے ہین؛ اور مسلمانون کی عدم قابلیت کی حقیقی وجہ اس مذاق سے بے بہرہ ہونا ہے، جسکا اونہین بالکل احساس نہین ہے۔ "لسان الصدق" اپنی کوششون سے اونمین پہلے اسکا احساس پیدا کرے گا، اور پھر اس مذاق کی اشاعت کرے گا۔ اس صوبہ سے کسی علمی رسالہ کا اردو مین نہ نکلنا اس مذاق کے نہونے کی بین دلیل تھی، جس کمی کو "لسان الصدق" نے عالم وجود مین قدم رکھتے ہی پورا کر دیا، اور اسی طرح اپنی اور کوششون مین بھی یہ کامیاب ہوگا۔

وانسعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ

ہمارے مکرم دوست مولوی "محمد یوسف" صاحب
جعفری "رنجور" جو خاندان "صادقپور پٹنہ" کے
یادگار اور "بورڈ آف اکزامنرس کلکتہ" کے
"منیف مولوی" ہین، لسان الصدق کی
اشاعت کی یہ تاریخ عنایت فرماتے ہین۔ اس
تاریخ مین قابل ذکر یہ امر ہے کہ اسکا مادۂ تاریخی
"آمد" کی تعریف کا ایسا عمدہ مصداق ہے،
کہ اسے بجاے آمد کے الہام کہنا چاہیئے،
بلا کسی کوشش کے یہ مصرع لکھا گیا، اور شمار
کے بعد ٹھیک تاریخی مادہ ثابت ہوا۔

رہیگی قوم نہ گم کردۂ رہِ مقصود
کہ فضل حق سے ہوا رہنما لسان الصدق
خدانے چاہا تو اب قوم کا ہے بیڑا پار
کہ اسکی کشتی کا ہے ناخدا لسان الصدق
وبا جو قوم مین پھیلی ہے جہل و غفلت کی
ہے اس کے حق مین مجرب دوا لسان الصدق
جہان تک اسکی کرے قوم قدر وہ کم ہے
کہ واقعی ہے دُرِ بے بہا لسان الصدق
جو ہاتھ حضرت آزاد سا ایڈیٹر آئے
نہ کیون ہو ملک مین شہرۂ لسان الصدق!
ہوئی جو سالِ اشاعت کی فکر دل بولا
"رکس آب و تاب سے شائع ہوا لسان الصدق"

۲۱ ۱۳ ھجری

مصر کے مشہور لیڈر، شیخ محمد عبدہٗ مصری انگلستان
کی سیاحت مین مشغول ہین۔ شیخ موصوف یونیورسٹی
ازہر کے لکچرر ہونے کے سوا مصر کے مفتی بھی ہین،
اور خدیو کی خدمت مین نہایت عمدہ رسوخ
رکھتے ہین۔ احمد اعرابی کی فوجی تحریک سے انکا گہرا
تعلق رہا ہے، اور اوسی تعلق کی وجہ سے
یہ تین سال بیروت مین جلا وطن کر دیے گئے
تھے، اعرابی کے زمانے مین یہ سرکاری گزٹ
کے ایڈیٹر تھے، اور مصر کے اعلی اسپیکر تسلیم
کیے جاتے تھے۔ سب سے بڑی قابل ذکر بات
انکی روشن دماغی اور آزاد خیالی ہے،
جسنے مصر کی قدیم جماعت کو انکا مخالف بنا دیا ہے۔
اعرابی پاشا انکی آزادی دیکھکر اکثر کہا کرتا
تھا کہ "شیخ محمد عبدہ کا سر عمامہ کے بجاے
ہیٹ کیلئے زیادہ موزون ہے"۔ حال مین عباس
حلمی خدیو مصر نے جو سنہ ۱۹۰۱ع مین ٹرکی اور یورپ
کی سیاحت کی تھی، اونکی ہمراہی مین شیخ موصوف

بھی تھے - ہمارے مخدوم دوست مولنا شبلی
نے بھی زمانہ سیاحت مین انسے ملاقات کی
تھی اور انکی روشن خیالی کا اعتراف کیا تھا
شیخ جمال الدین افغانی مرحوم سے بھی انکی صحبتین
رہی ہین، اور بقول مولنا شبلی کے انکی روشن
دماغی کی اصلی وجہ شیخ جمال الدین ہی کی صحبت
ہے - انکی تحریرات اکثر مصری اخبارات
مین شائع ہوئی ہین - "التوحید" کے نام سے
ایک نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے، جسکے بعض
فصلون کا ترجمہ پچھلے دنون "علیگڈہ انسٹیٹیوٹ
گزٹ" مین شایع ہوا تھا - ایک عرصہ سے
انکے درس قرآن کا ملخص "المنار" مین ہوا
شایع ہو رہا ہے، جسمین قرآن مجید کے مطالب
کو جدید ضرورتون کے موافق بیان کرنے
کی کوشش کی گئی ہے - انگلستان کے
افاضل نے بھی اسکا نہایت عمدہ خیر مقدم کیا
اور انہون نے نہایت توجہ سے وہان کے
مدارس اور دار العلوم اور طریقہ تعلیم کا معاینہ
کیا - "ہربرٹ اسپنسر" انیسوین صدی کا
مشہور فلاسفر بھی اپنی پیرانہ سالی کو نظر انداز
کرکے انکے شوق ملاقات کو نہ روک سکا اور
نہایت دلچسپی سے انسے ملاقات کی -

رسم و رواج نے ہمارے افعال پر جیسا
قبضہ کرلیا ہے، اوسکی ادنی مثال حال مین کلکتہ
کے ایک متمول تاجر نے پیش کی ہے - آپکی
صاحبزادی کے کان چھیدے گئے تھے، آپنے
جوش فیاضی مین صرف اسی بات پر چار ہزار
روپیے صرف کر ڈالے بلا رقص و سرود کی مجلسین
ترتیب دی گئین؛ دعوت کیلئے دہلی سے
عمدہ قیمتی چانول منگوائے گئے: اور یہ کچھ
انتظام صرف کان چھیدوائی کی تقریب قائم
کرکے کیے گئے ہم نے راہ چلتے ہوے جب
باجون اور طبلون کی آواز پر اسکی وجہ دریافت
کرکے افسوس ظاہر کیا تو ہمارے ایک دوست
بول اوٹھے کہ حضرت! کیا آپ بھائی بندو نین
ناک کٹوانی چاہتے ہین؟ خدا نے ہزارون
روپیے دیے ہین، اگر اپنے لخت جگر کی کسی
تقریب پر اونہون نے ذرا دل کھولکر روپیہ صرف
کیا، تو کونسی تعجب کی بات ہے؟"

ہمنے یہ بات نہایت حسرت سے سنی ہے -

کہ کلکتہ کے بعض روشن خیال اشخاص ایک انگریزی اخبار کے نکالنے پر آمادہ ہوئے ہین! جسکا نام "محمڈن ایڈوکیٹ" تجویز کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت ایک ایسے وکیل کی مسلمانون کو سخت ضرورت ہے، جو ہماری فریادون کو حکام وقت تک اونہین کی زبان مین پہنچا دے، اور اونکے خیالات۔ اور ارادون سے ہمین مطلع کرے۔ اگرچہ "پنجاب ابزرور" ایک حد تک اس ضرورت کے پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن دار السلطنت کلکتہ سے ایک انگریزی اخبار کا مسلمانون کی جانب سے نکلنا مختلف وجوہ سے نہایت ضروری ہے۔ ہم مسلمانان وساے کلکتہ کو اس امر پر بالخصوص توجہ دلانا چاہتے ہین، کہ وہ اس اشد ضرورت کو محسوس کرین، اور اون لوگون کی مالی مدد کرنے مین دریغ نہ کرین جو اس ضروری اور اہم کام کے کرنے پر آمادہ ہوئے ہین۔

انجمن ترقی اردو

"انجمن ترقی اردو" نے اردو زبان کے علمی دائرہ کو وسیع کرنے کی یہ صورت تجویز کی ہے، کہ انگریزی، عربی، فارسی، کی علمی اور فنی کتابین شگفتہ اردو مین ترجمہ کرکے شایع کی جائین، جنکی اشاعت سے قوم مین لغو اور بے نتیجہ ناولون کے بجائے علمی کتابون کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو چنانچہ انگریزی، عربی، فارسی، کی جو کتابین انجمن نے انتخاب کی تعین، اونکے ترجمہ، اور طبع کا انتظام، نہایت معقول طریقہ سے ہو رہا ہے! اور امید ہے۔ کہ بہت جلد کتابین طبع ہو کر ملک مین روشنی پھیلائین گی۔ ان کتابون کے فروخت کی نہایت آسان، اور موزون صورت یہ تجویز کی گئی ہے کہ جو شخص انجمن کی چھپی ہوئی کتابون کو لینا چاہے، وہ ایک سال مین پانچ روپیہ جیسی اک قلیل رقم کی کتابون کے لینے کا باضابطہ انجمن سے وعدہ کرلے، ایسی حالت مین وہ مجبور نہین کیا جائے گا کہ ایک مشت پانچ روپیہ کی کتابین خرید لے؛ بلکہ چار مرتبہ یا تین مرتبہ متفرق کتابون کو منگوانے کا وہ مجاز ہے۔ ہماری راے مین اس سے بہتر، اور آسان طریقہ کتابون کے لینے کا، جسمین لینے والے کو کسی قسم کے بار کا احساس نہین ہو۔ نہین ملسکتا۔ ایک سال کے عرصہ مین پانچ روپیون کی کتابون کا لینا، کسقدر غیر محسوس صرف ہے؟

ہماری گذارش بالخصوص اہل بنگالہ سے ہے!
جنکے کان انجمن کی آوازون سے ابھی بہت کم
آشنا ہوئے ہین، کہ وہ اپنی علمی زبان کی ترقی
سے غافل نہون، اور آور نہین تو کم از کم انجمن
کی کتابون کی مستقل خریداری ہی سے اس اہم
کام کی مدد کرین۔

باقاعدہ کارروائی ہونے کے خیال سے درخواست
خریداری کے چھپے ہوے فارم ہر شخص انجمن ترقی
اردو کے سکریٹری مولنا شبلی نعمانی "ناظم صیغہ علوم
وفنون حیدرآباد دکن سے یا دفتر "لسان الصدق"
سے منگوا سکتا ہے۔

ابوالکلام آزاد دہلوی ایڈیٹر "لسان الصدق"
و رکن انتظامی "انجمن ترقی اردو"

زیر تصنیف کتابین

اس کالم کو اس اطلاع کیلئے مخصوص کرنے کی
ہمین یہ ضرورت محسوس ہوئی، کہ اکثر علم دوست
اشخاص نامور مصنفین کے موجودہ علمی مشاغل کے
معلوم کرنے کے سخت مشتاق ہوتے ہین! اور
ذاتی خط وکتابت صحیح پتہ کی محتاج ہوکر اونکے
اس اشتیاق کو پورا کرنے مین مشکلات پیدا
کردیتی ہے، اسکے سوا قبل اشاعت کسی
کتاب کی عام طور پر پبلک کو اطلاع ہوجانی
سب سے عمدہ یہ نتیجہ رکھتی ہے، کہ اگر کسی شخص
کے پاس اوس کتاب کے سبجکٹ کے متعلق
کوئی مشیر مل موجود ہو تو وہ مصنف کو اوس
سے مدد دیکر کتاب کی تکمیل مین تائید پہنچا
سکتا ہے۔ ایڈیٹر۔

جناب مولنا شبلی نعمانی ناظم صیغہ علوم وفنون حیدرآباد دکن
آجکل تاریخ "علم الکلام" کا دوسرا حصہ لکھ رہے ہین
جسمین جدید "علم کلام" پر بحث کیجائے گی۔

جناب مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری
مولف "البرامکہ" آجکل سلسلہ "وزرائے اسلام"
مین سے "نظام الملک" وزیر "ملک شاہ سلجوقی"
کی لائف لکھ رہے ہین۔ اونکے آخری خط سے
معلوم ہوا ہے، کہ صرف اوسکا ایک حصہ ترتیب
دینا باقی ہے۔

"لسان الصدق" کی اشاعت کا خیال ہمارے
ذہن مین آتا تھا، کہ علالتون نے ہمین آگھیرا! دور

ابھی تک ہمین اُن سے نجات نہین ہوئی ہے۔

سب سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ خاطر خواہ اہتمام اور پورے آب و تاب کے ساتھ اس کا پہلا نمبر نکل نہ سکا۔ اسکے علاوہ، اس پرچے کی اشاعت مین وقت کی پوری پابندی بھی نہ ہو سکی؛ اور لابدی طور پر اس کے نکلنے مین تین چار روز کا توقف ہو ہی گیا۔ لیکن انشاء اللہ آیندہ وقت کی پوری پابندی کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائیگا۔

ہمارے ناظرین کو اس پرچے پر ایک بڑا اعتراض یہ بھی ہوگا، کہ یہ رسالہ ایک 'میگزین' ہے؛ اور اس حیثیت سے چاہیئے تھا کہ اس کے مضامین مختلف قلمون سے لکھے جاتے۔ بیشک، ان کا اعتراض حق بجانب ہوگا۔ لیکن اولاً، ہمارے ملک کے لائق مضمون نگارون کو اس پرچے کی اشاعت کی خبر ہی نہ تھی، کہ وہ اپنے عمدہ اور مفید مضامین بھیجکر ہمارے رسالے کی زیب و زینت بڑھاتے؛ دوسرے، وہی ہماری علالت ہمین اس امر کا موقع نہ دے سکی، کہ ہم لائق مضمون نویسون کو خطوط کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ کرتے۔ بہر کیف، ان موانع اور مجبوریون پر بھی جس طرح اس پرچے کی اشاعت ہوگئی، اسی کو ہم غنیمت سمجھتے ہین؛ اور ہمین اُمید ہے، کہ ہمارے معزز ناظرین ہمین معذور سمجھکر معاف فرمائینگے، اور اپنی قدردانیون سے ہماری شکرگزاری اور اس پرچے کی ترقی کا باعث ہونگے۔ ایڈیٹر

حیات جاوید" یعنی سرسید احمد خان مرحوم کی مفصل اور مشرح سوانح عمری، جسے مولٰنا الطاف حسین حالی نے دس برس کی محنت مین مرتب فرمایا ہے۔ اسکے درجۂ اول کے نسخے اب بالکل دستیاب نہین ہوتے۔ دفتر لسان الصدق میں اسکا ایک عمدہ نسخہ موجود ہے۔ جسکی جلد ولایتی اعلیٰ درجہ کی بندھی ہوئی ہے۔ اور پشتے پر جلی اور سُنہری قلم سے کتاب کا نام اور مولٰنا حالی کا نام کندہ کیا گیا ہے۔ کاغذ اعلی درجہ کا اور ٹائیٹل پیج سنہری اور رنگین قابل دید ہے۔ اصلی قیمت اسکی عہ/ تھی۔ لیکن اب اسکی قیمت ہمنے صرف عہ/ قرار دی ہے۔ چونکہ صرف اسکا ایک نسخہ ہے اسلیے جنکی پہلی درخواست آئے گی اونکی خدمت مین روانہ کیجائے گی۔ درخواستین دفتر "لسان الصدق" کے پتے پر آنی چاہئین۔

معزز ہمعصرون سے التماس ہے کہ وہ اپنے
اخبارون اور رسالون کا اِس پرچے سے مبادلہ
منظور فرمائین، اور اپنے اخبارون کے بیش بہا
کالمون مین اِس رسالے پر ریویو لکھین، لیکن
وہ "ریویو" نہین، جس کو "تقریظ" کہتے ہین، اور
جس کے لکھنے کے مشرقی اہل قلم معتاد ہین، جسمین
تعریفین ہی تعریفین ہوتی ہین، اور کچھ بھی نہین؛
بلکہ وہ "ریویو" جسے "تنقید" کہتے ہین، جس مین
حسن اور قبح کا ہر ایک پہلو صاف صاف اور بلا
رو رعایت دکھایا جاتا ہے، اور جس پر ہم
اس پرچے کے کالمون مین "تنقید" کے ضمن مین بہ
وضاحت کے ساتھ بحث کر چکے ہین۔ اس رسالے
کا "ماٹو" "الصدق ینجی والکذب یھلک"
ہے، اور یہ ہمیشہ سچائی کو پسند کریگا، اور اپنے
سچے بہی خواہون کی زبان سے اپنے عیوب کو
سُنکر اُن کی اصلاح مین کوشش کرتا رہیگا۔

ہمین اپنے ملک کے لائق مضامین نگارون
سے اُمید ہے، کہ اِس ملکی اور قومی کام مین، وہ ضرور
ہمارا ہاتھ بٹائینگے، اور اپنے بیش بہا اور قابل
قدر سوشل اور اخلاقی اور علمی مضامین سے اِس
رسالے کو زیب و زینت بخشینگے؛ جس کے معاوضے
مین یہ پرچہ ان کی خدمت مین الفت نذر کیا
جائیگا، بشرطیکہ وہ سلسلۂ مراسلات کو بالاستقلال
جاری رکھین۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ وہ اِس پرچے
کو ملاحظہ کرتے ہی اپنی نظر توجہ اس طرف مبذول
فرمائینگے، اور اِس کا دوسرا نمبر میگزینی آب و تاب
سے شایع ہوگا۔

چونکہ اِس میگزین کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے،
کہ ملک کے لائق مصنفین کی مُفید تصانیف سے قوم کو
مستفید ہونے کا موقع دے، اِس لیئے ہمارے مصنفون کے
لئے یہ رسالہ ایک عمدہ "ایڈورٹایزر" کا کام دیگا۔
اُنہین چاہیئے، کہ جو عمدہ اور کارآمد کتابین انکی
زیر تالیف یا زیر طبع ہون، اس سے ہمین اطلاع دین
تاکہ ہم پہلے سے ان کی بیش بہا تصنیفون او تالیفون
کو شہرت دین، اور ملک کو اُن کی قدردانی کا شوق
دلائین، اور اُن کی خریداری کی طرف متوجہ کرین

یہ تو معلوم ہوگیا کہ "لسان الصدق" کے مقاصد
مین سے ایک تنقیل بھی ہے۔ اب ہمین یہ دیکھنا ہے،
کہ ہمارے ملکی مصنفین کہان تک اسکو پسند کرتے،
اور اپنی تازہ تصنیفین "تنقیل" کی غرض سے ہمارے پاس بھیجنے کے لئے کہان تک آمادہ اور مستعد ہین۔

لِسَانُ الصِّدق

ماہوار رسالہ

ایڈیٹر۔ ابوالکلام آزاد دہلوی

کلکتہ

قیمت سالانہ مع محصولڈاک عہ۔ نمونہ کے پرچے کیلئے ۲ کا ٹکٹ آنا چاہیئے

تمام خط وکتابت و ارسال زر ایڈیٹر کے نام پر اس پتے سے ہو تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نمبر ۲ | ۲۰ دسمبر ۱۹۰۳ء | جلد ۱

گذشتہ پرچہ جو بالکل حالتِ علالت کی تحریرات کا نتیجہ تھا ہمیں بڑی مسرت ہے کہ خلاف توقع بہت مقبول ہوا! اور ہمارے علم دوست اور نکتہ سنج احباب نے اوسے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ہم اون معزز احباب کا دلی شکریہ ادا کرتے ہین؛ اور اونکی خدمت مین ملتمس ہین۔ کہ جسطرح اونہون نے ہمارے ناچیز مضامین کی حالت تنزل مین اسقدر قدردانی کی ہے۔ اوسی طرح اگر اسکی مالی امداد پر توجہ فرماکے اسکی اشاعت اور خریدارونکی زیادتی کی کوشش کرین! تو ہماری ممنونیت، اور اونکی بھی قدردانی کی عملی حالت ظاہر ہو جاے۔

ہمارے اکثر اہل الراے احباب "لسان الصدق" کی موجودہ ضخامت کو بہت ناکافی تصور فرماتے ہین؛ اور اسمین کوئی شک نہین کہ اسکے وسیع مقاصد کے لحاظ سے اسکی ضخامت کو کم از کم تین چار جز ہونا نہایت ضروری تھا۔ لیکن اشاعت سے پیشتر ہی ہمین یہ یقینی طور پر معلوم تھا کہ ابتدا مین ایک عرصہ تک قوم کی بے توجہی سے رسالہ کی مالی ضرورتین ہمین اپنی جیب سے پوری کرنی پڑینگی؛ رسالہ کے مضامین اگر کسی نگاہ کو دلچسپ اور دلکش معلوم بھی ہوے، تو کلکتہ کی عارضی بے اعتباری سے اونہین خریداری کی ہمت ہی نہوگی۔ اسلئے ہمنے چادر سے زیادہ پانوپھیلا

مناسب نہ سمجھا! اور ہماری ذاتی قوت جسقدر صرف کی متحمل ہوسکتی تھی، اوسکا اندازہ کرکے سردست ایک ہی جزکا رسالہ شایع کردیا۔ اگر اس رسالہ کی واقعی ضرورت ہے، اور اگر اسکے مقاصد ضروریات زمانہ کے موافق ہین! تو قوم خود متوجہ ہوکر اتنی وسعت پیدا کردے گی، جس سے خود یہ رسالہ اپنی قوت سے کافی ضخامت کے ساتھ نکلے گا۔ ایسے وقت کا ہمین جتنا ہی اشتیاق کیون نہو، لیکن ہم نہایت صبر کے ساتھ اوسکا انتظار کرینگے۔

منشی "فضل الحسن صاحب حسرت موہانی" نے جو "علی گڈھ کالج" کے ہونہار طلبہ مین ایک امتیازی حالت رکھتے ہین، جب "اردوے معلے" شایع کیا، تو "تالیف و اشاعت" کے قابل ایڈیٹر نے اوسپر ریویو کرتے ہوے اپنی یہ راے ظاہر کی "کہ علیگڈھ منتھلی" اور "مخزن" کو "اردوے معلے" کی اشاعت سے سخت نقصان پہنچے گا، اسلیے کہ ملک کے عمدہ ترین مضمون نگار انہین دو رسالون مین مضامین لکھا کرتے ہین۔ "اردوے معلے" بحیثیت ایک عمدہ رسالہ کے انہین مضمون نگارون کے مضامین سے اپنی ضخامت کو پورا کرے گا! اور ایسی حالت مین اون مضمون نگارون کی توجہ منقسم ہوکر ان دونون قدیم رسالون پر اونکی توجہ کو کم کرسکتا ہے۔ ہمین خوف ہے، کہ معزز ایڈیٹر "تالیف و اشاعت" "لسان الصدق" کی اشاعت پر بھی یہی راے قایم نہ کرین! اور ان معزز رسالون کو کہین یہ خیال اسکی ہمدردی سے مانع نہو۔ لیکن اگر اس رسالہ کے مقاصد پر غور کیا جاے، تو ظاہر ہوجاے گا، کہ یہ رسالہ مخصوص مقاصد کے دائرہ مین محدود ہے، اور اون رسالون کے مقاصد کی عمومیت تمام مضمون نگارون کے مضامین کی محتاج ہے۔ برخلاف اوسکے "لسانُ الصّدق" کے مقاصد کی خصوصیت خاص خاص مضامین کی ضرورت رکھتی ہے! اسلیے اون مضمون نگارون کی توجہ کا "لسانُ الصّدق" محتاج نہین ہے! اور اسی وجہ سے اس رسالہ کی اشاعت اونکے مضامین مین کوئی کمی پیدا نہین کرسکتی گو یہ امر بھی زیر بحث ہے، کہ "اردوے معلے" جیسے رسالے اور رسالون کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا نہین؟ معزز ایڈیٹر "تالیف و اشاعت" اور دوسرے معزز رسالون کو اس سے ہرگز خوف نہین کرنا چاہیے۔

"لسان الصدق" اپنے تمام ہمعصرون سے ہمدردی کی توقع رکھتا ہے! اور امید قوی ہے، کہ اسکی یہ توقع کبھی غلط ثابت نہین ہوگی۔ ہمعصرون کو کبھی اوسکے متعلق یہ خیال نہین کرنا چاہئیے، کہ اوسکی پالیسی سے اونکو کسی قسم کا نقصان پہنچیگا، بلکہ ناچیز "لسان الصدق" ہمیشہ اونکی ترقی اور عمدگی کو اچھی نگاہ سے دیکھیگا۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہندوستان کے اخبارون، اور رسالون مین ہمعصرانہ ہمدردی پیدا ہو، اور یہ کہنا کبھی غلط نہین ہوسکتا، کہ یہی آپس کی ہمدردی ترقی کا اصلی عنصر ہے۔

"محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کا عنقریب بمبئی مین جلسہ ہونیوالا ہے؛ اور جو اہتمام اوسکے لئے سال بھر سے کیا جارہا ہے، اوسے دیکھکر یہ کہنا کبھی غلط نہین ہوسکتا، کہ اسی سال سے کانفرنس کی نئی زندگی شروع ہوگی! اور وہ تمام الزام جو کچھ عرصہ سے کانفرنس پر قائم کیے جارہے ہین، وہ اسی سال سے بالکل رفع ہوجائینگے۔ حال ہی مین جناب قاضی کبیرالدین احمد نے دجنکی کوششون سے بمبئی کانفرنس نہایت ممنون ہوگا) ایک طویل فہرست اون رزولیوشنز کی شایع کی ہے، جو بمبئی کانفرنس مین پیش کرنیکے لئے تجویز ہوے ہین۔ اونکے متعلق عام تعلیم یافتہ جماعت کی راے لیگئی ہے، تاکہ اونمین معقول ترمیم و تنسیخ کردی جائے۔ ہماری رائے مین تمام رزولیوشنز فی الحقیقت نہایت ضروری، اور جدید ضرورتون کے موافق ہین۔ پہلا رزولیوشن کانفرنس کے نام کے متعلق ہے! اور اوسکا مطلب یہ ہے کہ آیندہ سے کانفرنس کا نام بجائے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے "انڈین مسلم سوشل اینڈ ایجوکیشنل کانفرنس" رکھا جائے۔ اسمین شک نہین کہ یہ ضرورت ایک عرصہ سے محسوس ہورہی ہے! کانفرنس کا موجودہ نام کانفرنس کے مقصد کو بالکل محدود کیے ہوے ہے! اسکا مفہوم یہ ہے کہ "مسلمانون کی تعلیم پر توجہ کرنے والی جماعت" لیکن برخلاف اسکے جب ضرورتون نے اسکے مقاصد وسیع کردیے، اور اصلاح تمدن، اور اسیطرح کے اور سوشل رزولیوشن اسمین پاس کیے، تو اِسکے نام مین وسعت پیدا کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اب جو نام تجویز کیا گیا ہے اسمین وہ ضروری وسعت پیدا کی گئی ہے،

یہ نام کانفرنس کے موجودہ وسیع اغراض کو ظاہر کرتا ہے، اور بے شک یہ نام کی تبدیلی اوسکو کوئی نقصان نہین پہنچا سکتی۔ ابتدا مین "سید" مرحوم نے اسکا نام "محمڈن ایجوکیشنل کانگریس" تجویز کیا تھا۔ اگرچہ تقریبًا کانگریس، اور کانفرنس دونون ہم معنے ہین، لیکن انگریزی مین کانگریس کا عمومًا "سیاسی مجلسون" پر اطلاق ہوتا ہے اوسی زمانہ مین جب "انڈین نیشنل کانگریس" قائم ہوئی تو اس خیال سے کہ "کانگریس" کا نام ایسی حالت مین لوگون کو کہین دہوکا نہ دے، سرسید نے بجائے "کانگریس" کے "کانفرنس" سے نام تبدیل کر دیا، جو آجتک قائم ہے۔ لیکن جس زمانے مین سرسید نے "کانفرنس" کی بنا ڈالی ہے، اوسی زمانہ مین تعلیمی ضرورت سب سے بڑی اشد ضرورت تھی، اسلیے سرسید نے "ایجوکیشنل کانفرنس" نام تجویز کرکے خاص تعلیمی مقصد قرار دیا۔ لیکن آگے چلکر جب اور تمدنی اور سوشل ضرورتین پیدا ہوئین، تو "کانفرنس" نے اوپر توجہ کی اور اسکے مقاصد مین ایک وسعت پیدا ہوگئی، مگر اسکے نام کی تبدیلی کی کوئی کوشش نہین کی گئی، اس زمانہ مین اوسکے ضروری مقاصد نے بڑی

وسعت اختیار کرلی ہے، اور اس لئے نام کے تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ "انڈین مسلم سوشل اینڈ ایجوکیشنل کانفرنس" اسکا بہت موزون اور معقول نام ہے، اور ہمین امید ہے کہ کانفرنس بمبئی مین یہ ضروری رزولیوشن بلاکسی اختلاف کے پاس ہوجائے گا۔ اسی طرح کی اور بہت سی ضروری تحریکین ہین، جنکے متعلق ریمارک ایک طویل تحریر کا محتاج ہے، اور "لسان الصدق" کی محدود ضخامت اوسکی متحمل نہین ہوسکتی! ہمین تبدیل نام کے متعلق (جو نہایت ضروری تحریک ہے) اپنی رائے ظاہر کرنی تھی۔ لیکن اس بحث کے سوا جب کانفرنس کی حالت دیکھکر ان پچپیس "رزولیوشنز" اور پچھلے بہت سے "رزولیوشنز" پر جو عملی حالت مین ابھی تک نہین آئے ہین، توجہ کی جاتی ہے تو عقل سلیم صاف کہہ اوٹھتی ہے، کہ چادر سے زیادہ پانو پھیلانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ کیا نتیجہ اس سے کہ بیسیون "رزولیوشنز" پاس ہوکر صرف مجموعۂ رزولیوشنز اور رپورٹ مین چھپ گئے، اور اونپر کوئی عملی کارروائی نہین کی گئی؟ پچھلے رزولیوشنز تو ابھی عمل کے منتظر ہین اور ادہر اور نئے رزولیوشنز پیش ہورہے ہین۔ ہماری یہ غرض نہین ہے کہ قومی

اور ملکی ضرورتون پر کانفرنس توجہ نہ کرے؟
نہین!! یہ تو اوسکا خاص فرض ہے، لیکن جب
اوسکے ممبرون کا جوش اور اپنے فرائض کا خیال
کانفرنس کے ہال تک محدود ہو، اور بہت سے
ضروری رزولیوشنز مدت سے پاس ہو کر عملی
کارروائی کے منتظر ہون، تو ایسی حالت مین اوسے
وہی ”رزولیوشن“ پیش کرنا چاہیے جس پر عملاً
کوشش ہونے کا قطعی یقین ہو اور یہ اعتراض
بالکل محو ہو جائے کہ ”کانفرنس مین کہتے بہت ہین
مگر کرتے کچھ بھی نہین“۔ ایڈیٹر۔

اسلام اور رسوم

اسلام کو جہان اور باتون پر ناز تھا، وہان
اسکو ایک بہت بڑا فخر اس امر پر بھی تھا کہ اس نے
تمام متوہمانہ رسمون، بدعادتون، اور مضر رواجون
کی دنیا سے بیخ کنی کر دی، اور ما وجدنا علیہ
آباءنا کی مستحکم دیوار کو، جو دینی و دنیاوی ترقیون
کے آگے سدِ راہ ہو رہی تھی، ڈھاکر گرا دیا جسطرح
اسلام مین بعض اور خوبیان ایسی پائی جاتی ہین
جو دنیا کے دوسرے ملل و مذاہب کو نصیب
نہین، اُسی طرح دنیا مین کوئی دین یا مذہب

ایسا نظر نہین آتا، جو رسوم قبیحہ کی آلائشون
سے پاک ہونے مین اسلام کی ہمسری کا دعویٰ
کر سکے۔ باوجود اس کے کہ اسوقت تمام دُنیا
یورپ کی تہذیب کا لوہا مان رہی ہے، اور
اسکی علمی روشنی نے رُبعِ مسکون سے جہل کی
تاریکی دور کر دی ہے! پھر بھی وہان اب
تک بہتیرے رسم و رواج ایسے پائے جاتے
ہین، جنکی بنا محض توہمات پر ہے، اور جن سے
سوا اخلاقی یا مالی مضرت کے قوم کو کوئی نفع نہین
پہنچتا۔ افسوس ہے، کہ اسلام پر ہندوستان
مین پہنچکر جہان اور تباہیان آئین، وہان،
اس کو ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی پہنچا،
کہ اِس کے خوبصورت روشن چہرے پر
رسومِ قبیحہ کے بیشمار بدنما داغ دِکھائی دینے
لگے، جس کی وجہ سے، بجاے اس کے کہ
ایک خدائی اِسکی دلربا شکل کی فدائی ہوتی
اس کو نفرت و استکراہ کی نظر سے دیکھنے لگی۔
”اسلام اور رسوم“ ایک ایسا وسیع سبجکٹ
ہے، کہ اگر اِس کے ہر ایک پہلو پر پوری طرح سے
بحث کیجائے، اور وضاحت کے ساتھ دکھایا جاے
کہ حقیقت مین اسلام ایک کیسا سیدھا سادہ

مذہب تھا، مگر مختلف ممالک مین جاکر اسکی شکل
اور وضع مین کیا کیا تبدیلین واقع ہوئین، اور
اس کو کیا کیا نقصانات پہنچے، تو بجاے خود
ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاے۔ ہمین اس آرٹیکل
مین جو کچھ دکھانا ہے وہ یہ ہے، کہ ہندوستان
پہنچکر اسلام جیسا آزاد مذہب رسوم کی قیود سے
کسقدر جکڑ دیا گیا؛ اور ان رسوم سے بھی
جو اور اخلاقی مضرتین اس کو پہنچین، اُن سے
قطع نظر کر کے، ہمارا مقصد یہان صرف اسی قدر
ہے کہ اِن رسوم کی بدولت ہندوستان کے مسلمانون
نے جو مالی نقصانات برداشت کیے اور کر رہے
ہین، اُن کو بہ اختصار بیان کر دین۔

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے، کہ آیا انسان کے
ساتھ اسلام نے حقیقت مین کچھ رسوم ایسی لگا دی
ہین جنکی انجام دہی مین خود اُس کو یا اُس کے
والدین کو بیجا صرف زر سے مفر نہین ہو سکتا۔ آپ
انسان کے زمانۂ حیات کو بتسلسل اُسکی پیدایش
سے اُسکی موت تک دیکھو۔ اچھا خیال کرو
کہ ایک انسان پیدا ہوا۔ پیدایش کے بعد پہلی رسم
جو اسلام نے اُسکی ذات کے ساتھ لگائی ہے وہ یہ ہے
کہ اُس کے کانون مین اذان دیا جائے، اور وہ
صرف اس امر کے اظہار کے لیے کہ یہ لڑکا داخلِ
اسلام ہوا۔ اس اذان کے دینے مین کیا کچھ صرفِ
زر کی ضرورت ہے؟ نہین۔ ایک کوڑی بھی خرچ
کرنے کی حاجت نہین۔ دوسری رسم عقیقہ یا نسیکہ
ہے، جسمین لڑکے کے سر کا بال اُتارا جاتا، اُسکا نام
رکھا جاتا، اور اُسکی طرف سے ایک یا دو جانور قربانی
کیے جاتے ہین۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بچے کا سر مُنڈوانے
مین کچھ ایسی خرچ کا کام نہین، اور نہ نام رکھنے مین
کسی قسم کے صرف کی ضرورت ہے۔ رہی قربانی؛
وہ بھی صرف اہلِ وسعت پر ہے۔ جو کر سکتا ہے،
کرے، نہ کر سکتا ہے، نہ کرے۔ اس کے بعد ختنے
کی رسم ہے: اس کے ساتھ بھی کوئی ایسے لوازم
نہین لگائے گئے ہین، جن مین خرچ کی ضرورت
ہو۔ بالغ ہونے پر ہر مرد و عورت کے لیے نکاح ضروریات
مین سے قرار دیا گیا ہے؛ لیکن اسلام نے اس کے
ساتھ بھی کسی قسم کی رسم وغیرہ کی پخ نہین لگائی۔
ہان، مرد کو ولیمہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی
نہین، کہ آج تو مہاجن سے دو چار ہزار روپے سودی
قرض لیکر تمام اہل قرابت اور دوست احباب کو
الوان نعمت کھلا دیے، اور کل خود نانِ شبینہ کو
محتاج ہو کر بھیک مانگنے کی نوبت آئی، بلکہ

اپنے مقدور اور وسعت کے مطابق تھوڑے سے
دوست احباب کو کھانا کھلا دیا جائے، جس سے
نکاح کو شہرت ہو جائے، اور اس مواکلت و مشاربت
سے باہمی اتحاد کو تقویت ہو۔ اب شادی کے
بعد سے موت کے وقت تک انسان کے ساتھ اور
کوئی رسم وابستہ نہیں کیگئی۔ اس کے مرنے کے
بعد اسکے اقربا یا احباب کا فرض صرف اسی قدر
ہے کہ اسکی نمازِ جنازہ ادا کرکے اُسے خاک کے
نیچے دبا آئیں، اور بس۔

اب رہے فرائض دینی۔ وہ چار ہیں نماز،
روزہ، حج، زکوٰۃ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نماز اور روزے
مین کسی خرچ کی ضرورت نہیں۔ رہا حج، اس کے
ساتھ من استطاع الیہ سبیلا، کی قید لگی
ہوئی ہے، جسکی تفسیر مین فقہا نے بڑی بڑی شرطین
لگائی ہین۔ اور غور کا مقام ہے، کہ جب یہ امر
مسلم ہو گیا ہے کہ کسی قوم کی تقویت اور ترقی کے
لئے اسمین قومی جلسون اور صحبتون کا جاری
رہنا نہایت ضرور ہے، چنانچہ اسی غرض سے
خود ہندوستان مین کچھ عرصے سے کانگریس،
کانفرنس، اور دوسری مجلسین ہر سال منعقد
ہوا کرتی ہین، جن مین ملک کے ہر حصے کے
باشندے زحمت و اخراجات سفر برداشت
کرکے جا کر شریک ہوا کرتے ہین: تو پھر اگر اسلام
نے ایک سالانہ کانفرنس یا کانگریس ایسی قائم
کی، جس مین اُس کے تمام پیرو، خواہ وہ پردۂ
زمین کے کسی گوشے کے رہنے والے
کیون نہ ہون، بشرط وسعت زندگی بھر
مین ایک بار ضرور شریک ہون اور ایک جگہ
اکٹھے ہو کر مبادلۂ خیالات کرین، اور باہمی
مشورے سے اپنی ہر قسم کی دینی و دنیاوی
ترقی کی راہین سوچین، تو اُس نے کیا بُرائی
کی؟ ایسی باتون مین روپے خرچ کرنا قوم کے
لئے باعثِ تباہی و فلاکت نہین، بلکہ موجب
رحمت و برکت ہے۔ اب زکوٰۃ کی حالت ملاحظہ
ہو۔ اسکو کون سا عاقل صرفِ بیجا کہیگا؟ اِس
اُصول کو تو ہر ایک متمدن قوم ملک مین میزان
دولت کے پلڑون کو برابر رکھنے کے لیے ضروری
اور لابدی سمجھتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے، کہ آیا اور ادیان و ملل
کی طرح اسلام نے بھی اپنے پیروون کے لئے
کوئی میلے ٹھیلے یا پرب تیوہار ایسے قائم کر
رکھے ہین، جن مین لایعنی مصارف سے

چارہ ہی نہ ہو۔ مسلمانون کے لئے اگر کوئی
تیوہار رکھے گئے ہین، تو وہ صرف دو ہین:
عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ تو کیا ہندوؤن
کی دیوالی اور عیسائیون کے بڑے دن کی طرح
مسلمانون کے اِن دونون تیوہارون مین بھی
ظاہری آرایش اور دھوم دھام ضروریات سے
ہے؟ اِس کا جواب تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے "لیس العید لمن لبس الجدید" والے
مشہور خطبے سے بخوبی ملتا ہے۔ رہی عید الاضحیٰ
کی قربانیان، وہ اہل استطاعت کے لئے ہین، اور
اہل وسعت کے لئے (بقدر وسعت) فی کس یا تمام
اہل بیت کی طرف سے ایک ایک قربانی کرنی کوئی
مشکل بات نہین۔

جو باتین ہم نے اوپر بیان کین، ان کے سوا
اسلام مین تو اور کوئی فرض دینی یا رسم مذہبی
ایسی نہین دکھائی دیتی، جس مین صرفِ بیجا
داخلِ ضروریات سمجھا گیا ہو۔ آؤ، اب دیکھین
کہ ہندوستان کے مسلمانون نے رسوم کی پابندی
کے لحاظ سے کہان تک اُس اسلام کی پیروی اختیار
کی ہے، جس نے ایک عالم کو اپنی سادگی و صفائی کا
فریفتہ کر لیا تھا۔ اللہ اکبر! ان کی اور اصلی
اسلامیون کی رسوم و عادات مین تو وہ بلا کا فرق
ہو گیا ہے، کہ اگر پہلی اسلامی صدی کا کوئی شخص
اسوقت زندہ ہو جائے، اور اِن کے رسوم و اطوار
دیکھے، تو اُس کو اِن کے مسلمان تسلیم کرنے مین
ویسا ہی تامل ہو، جیسا رات کو دن مان لینے
مین۔ جس طرح ہمنے پہلے انسان کی زندگی کی
تمام حالتین اُسکی پیدایش سے موت تک دکھائی
ہین، اور یہ ظاہر کر دیا ہے، کہ اِس تمام زمانے
مین اسلام نے فی الحقیقت کون سے فرائض
اور رسوم اُس کے ساتھ لازم کر دیے ہین؛
اِسی طرح علی التسلسل ہمین یہ دکھانا ہے، کہ
ہندوستان کے مسلمانون نے ایک انسان
کو اُس کی پیدایش ہی کے وقت سے رسوم
کی قیود مین اسقدر جکڑا ہے، کہ مرنے ہی
پر اُن سے رہائی ممکن ہے؛ نہین نہین، سچ
تو یون ہے کہ مر کر بھی اُن سے چھٹکارا نہین ملتا۔
اچھا، فرض کیجئے کہ ایک بچہ پیدا ہوا جبتک
اُسکی چھٹی اور مونڈن مین اتنے روپے
نہ اڑائے جائین، کہ حقیقت مین اس کے والدین
کی پوری حجامت ہو جائے اور انھین اپنی چھٹی
کا دودھ یاد کرنا پڑے، تو وہ چھٹی چھٹی ہی کیا

اور وہ مونڈن مونڈن ہی کیا! آگے چلئے۔

اب کیا ہے! نمک چشی ہے یا کھیر چٹائی ہے۔ اس
مین بھی، اگر زیادہ نہین تو دو چار ہزار روپے
نہ بھی نہ لگائے، تو برادری مین کیونکر منہ دکھانے
کے قابل رہ سکتے ہین؟ اب وہ مولود اگر لڑکا
ہے، تو اُسکے ختنے مین، اور اگر لڑکی ہے، تو اُسکے
کان چھیدن مین، چند ہزار روپون کا اِدھر سے
اُدھر چلا جانا تو کوئی بات ہی نہین ہے۔ اب
اس کے مکتب کی تیاری ہے! اِسمین کم سے کم
اتنا سرمایہ صرف کر دینا تو ضروریات سے ہے
کہ اپنے پلے ایک ٹکا بھی باقی نہ رہے، جس سے
اس لڑکے کی کچھ بھی تعلیم و تربیت ہو سکے؛ ورنہ
خویش و بیگانے انگشت نما کرینگے۔ اس بیان
مین ہمنے مبالغے کو مطلق راہ نہین دی ہے
بیسیون خاندان ہمنے بچشم خود ایسے دیکھے
ہین، کہ جنھون نے اپنی اولاد کے مکتبون مین
ہزارون روپے خرچ کر ڈالے، اور اب روپے
کے نہ رہنے کے باعث اُنکی وہی اولاد بے تعلیم
و تربیت آوارہ ماری پھرتی ہے۔

اب شادی کی رسم لیجیے جو تمام رسمون
مین زیادہ اہم سمجھی گئی ہے، اور جس ایک
رسم کے ساتھ بیسیون سیکڑون رسمین بطور ذریات
اور توابع کے لگ گئی ہین، اور جن سے کسی طرح
چھٹکارا ممکن ہی نہین ہے۔ اِسکا تو پوچھنا ہی
کیا ہے! اِسکی تفصیل کے لئے ایک پوری ضخیم
کتاب کے لکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص کی
خواہش ہو کہ ہندوستان اور خاصکر صوبۂ بہار
کے ایک شریف مسلمان خاندان کے ہان کی شادی
کا چھوٹے پیمانہ پر فوٹو دیکھے، تو اوسے چاہیے
کہ وہ پٹنے کی ایک شریف خاتون یعنے والدۂ
مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر کی تصنیف کردہ کتاب
اصلاح النساء کا ضرور مطالعہ کرے۔ غرض شادی
حقیقت مین وہی شادی سمجھی جاتی ہے، جسمین
پوری طرح سے خانہ بربادی ہو جائے؛ اور
تمام املاک و جائداد کو آتشبازی وغیرہ مین پھونک
کر در در گدائی کرنے کی نوبت آ جائے۔

خیر، آدمیون کی شادیان تو بجائے خود رہین،
ہمنے ایک ایسے خاندان کے مد و جزر کی حالت
بچشم خود دیکھی ہے، جسمین گڑیون کی شادیون
مین نہایت دھوم دھام کو راہ دیجاتی تھی، اور
تمام رسوم ایک ایک کرکے ادا ہوتی تھین، اور
اِسطرح سیکڑون روپیون پر بیدریغ پانی پھیر دیا

جاتا تھا۔ لیکن اِن غلط کاریون کا آخر نتیجہ کیا
ہوا؟ آہ! اس دولتمند خاندان کے ان لڑکون
اور جوانون کو، جو نہایت ہی عیش و آرام مین
پلے تھے، اور جن کے گھر سے سیکڑون محتاجون
اور غریبون کی دن رات پرورش ہوتی تھی،
نہایت تباہ حال دربدر دستِ سوال پھیلائے
دیکھا۔ بعض کی تو یہ حالت دیکھی، کہ اُس عیش
و تنعم کے وقت مین جو انھین افیون نوشی وغیرہ
کی دھت پڑ گئی تھی (کیونکہ یہ عادتین ہندوستان
مین دولت و ثروت کے ساتھ لازم و ملزوم
سمجھی جاتی ہین)؛ تو اس افلاس و کربت کے
زمانے مین اگر کسی شخص نے اُن پر ترس کھا کر
اُنھین دو چار پیسے دے بھی دیے، تو بجاے
اس کے کہ وہ اُن پیسون سے کچھ کھا کر خود کو
عذاب الجوع سے نجات دیتے، انھین افیون نوشی
مین صرف کرتے، اور فاقون پر فاقے کھینچتے کھینچتے
اُنکی پیٹھ دُہری ہو جاتی۔ ان کے جانی دشمنون
کا دل بھی، جنھون نے اُنھین کبھی اس عیش و آرام
کی حالت مین دیکھا تھا، اب ایسی رحمناک
حالت مین اُنھین دیکھکر پگھل جاتا، اور بے اختیار
اشکِ حسرت بہانے لگتے۔ سچ ہے! ان اللہ
لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم
فاعتبروا یا اولی الابصار!

اب شادی کے بعد کی حالت ملاحظہ کیجیے
اگر خدا نے صاحب اولاد کیا، تو ہر ایک لڑکے
کی چھٹی، مکتب، وغیرہ مین، اگر زیادہ نہین
تو اُس قدر تو ضرور اُسے خرچ کرنا واجبات سے
ہے، جو خود اُسکی تقریبون کے موقعون پر
اُس کے والدین نے صرف کیا تھا۔ گو اُسکی
حیثیت اُسکے بزرگون کی حیثیت سے کتنی ہی
تنزل کر گئی ہو، مگر خدا نخواستہ عزت اور شرافت
مین تو سرِ مو فرق نہین آیا ہے: اور عزت و ناموس
کا مقتضا یہ ہے کہ جو رسمین جس طریقے اور
جس انداز سے بزرگون سے ہوتی آئی ہین،
اُس سے رتی بھر کمی نہ ہونے پائے؛ ورنہ تمام
اہلِ برادری مین تھڑی تھڑی ہوگی، اور
کسی سے منہ دکھلانے کے قابل نہ رہیگا۔
غرض اسکے والدین اگر فضول خرچیون کی
بدولت چاہ عمیق مین گرے تھے، تو یہ اُنکی
ریس کرنے کے ہاتھون تحت الثریٰ کو جاتا
رہا۔

ع برین عقل و دانش بباید گریست

بادی النظر مین یہ سمجھ مین آتا ہے کہ رسوم
کا تعلق انسان کے ساتھ اُسکی زندگی تک
ہوگا، مگر ایسا نہین ہے۔ گو انسان مرکر خود
یقیناً تمام دنیاوی قیود سے رہا ہوجاتا ہے
مگر ہندوستان مین اُسکے مرنے پر بھی اُسکی
ورثہ کو رسوم کی قیود سے چھٹکارا نہین ملتا۔
اُس کے مرے پیچھے پھول، تیجا، چہارم،
بیسوان، چالیسوان، برسی، وغیرہ کا ہونا ضروری ہے
جنکے اہتمام مین اُسکے پس ماندون کو چاہیئے،
کہ اپنے بزرگون سے ایک اُنگل بھی نچلے نہ بیٹھیں،
اگر برسی وغیرہ سے بھی فراغت ہوگئی تو شب برات
ایک ایسا سالانہ تیوہار ہے، جس مین سات پشت
کے مُردے اپنے اپنے نام سے کچھ نہ کچھ پیسے
لے ہی مرتے ہین۔

اِسکے علاوہ، ہندوستان کے مسلمانون
نے خاصکر جس قدر رسوم کو مذہبی فرائض سمجھکر
اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، اور جنکی انجام دہی
مین وہ کچھ کم مصارف کے زیربار نہین ہوتے
انکی تعداد بھی اُن رواجی باتون سے ہرگز
کم نہین ہے، جنکی پابندی کو وہ دُنیاوی
حیثیت سے ضروری سمجھتے ہین۔ وہ باتین
تو ایک طرف رہین جو وہ اسلام کے نام سے
کرتے ہین، گو حقیقت مین اُن رواجی باتون
کو ٹھیٹھ اسلام سے تعلق نہین، اور وہ مبتدعات
مین سے ہین، بعض تو ایسی رسمین جاہل
مسلمانون مین رائج ہوگئی ہین، جو خاص
ہندوؤن کی معتقدات اور اعمال مذہبی
مین سے ہین، اور جنہین اسلام سے کوئی لگاؤ
نہین، مثلاً، ماتا اور گنگا کی پوجا، چھٹھ، جتیا،
ہولی، دیوالی وغیرہ تیوہار منانا، وغیرہ،

یہ دونون باتین تو کسی قدر وضاحت
کے ساتھ بیان کردی گئین، کہ حقیقت مین
کہان تک اسلام مین رسوم کی پابندیان
رکھی گئی ہین، اور ہندوستان کے مسلمانون نے
کہان تک اپنے آپ کو ان قیود سے جکڑ دیا ہے،
اور اسکی بدولت انھین آئے دن کیا کچھ نتایج
بد دیکھنے پڑتے ہین۔ اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ یہان
کے مسلمانون مین رسم و رواج نے کیونکر اسقدر
زور پکڑا، اور اِس کے جواب دہ کون لوگ
ہین، اور قید رسوم سے رہائی پانے کی کیا تدبیر
کی جا سکتی ہے۔

اسمین شک نہین کہ جو جو رسمین یہان کے

مسلمانون مین پائی جاتی ہین، وہ قریب قریب
سب ہندوؤن سے اخذ کیگئی ہین۔

مسلمان فاتحین نے جو ہندوستان پر قبضہ کیا،
اور مفتوح قوم سے زیادہ میل جول بڑھا، تو انکی
خوبوان مین بھی اثر کرنے لگی؛ اور اگر مسلمانون
نے ہندوؤن کے ملک پر قبضہ کیا تھا، تو ہندوؤن
کے رسم و رواج نے مسلمانون کے عادات و افعال
پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ لیکن ایک نہایت قابل
غور سوال یہان پر یہ پیدا ہوتا ہے، کہ قانونِ
قدرت کے مطابق قومِ فاتح کا اثر قومِ مفتوح
پر ہوتا ہے، نہ قومِ مفتوح کا قومِ فاتح پر۔ حدیث شریف مین بھی ہے الناس
علی دین ملوکھم۔ چنانچہ انگریزون کو بھی
اس ملک پر قبضہ کیے ہوئے دو سو برس کا
زمانہ گزرا؛ مگر انہون نے ہندوستانیون کی ایک
رسم، ایک رواج، ایک عادت بھی نہ سیکھی؛ حالانکہ
ہندوستانیون پر انگریزون کے چال چلن نے
بہت کچھ اثر کیا۔ پھر کیا وجہ ہے، کہ اس کے
بالکل برعکس مسلمان فاتح ہندو مفتوحون کے
رسم و رواج سے متاثر ہوگئے! تو اب اسکی
وجہین بھی سُن لیجیے۔

گو ظاہر مین مسلمان فاتحون کا تعلق ہندو
مفتوحون سے ویسا ہی نظر آتا ہے، جیسا
یوروپین فاتحون کا تعلق ہندوستانی
مفتوحون سے؛ لیکن فی الواقع دونون
تعلقات کو ایک دوسرے سے کوئی نسبت
نہین۔ اگرچہ ہندوستانیون کو یورپی قومون
سے صورت آشنا ہوئے قریب قریب تین
سو برس کا زمانہ گزرا، لیکن اُنکے دلون
مین ان سے، اور ان کے دلون مین اُن
سے اب تک انتہا درجے کی وحشت اور غیر مونست
ہے۔ جہان انگریزون مین عدل گستری،
رعایا پروری، انتظامِ مملکت، انسدادِ جرائم،
وغیرہ کے اعلی درجے کے اوصاف ہین، وہان
ایک خاصیت ان مین یہ بھی ہے، کہ یہ مفتوح
قومون سے میل جول اور زیادہ خلا ملا پیدا کرنا پسند
نہین کرتے، جو (خاصیت) ایک طور پر مفید اور کارآمد
سمجھی جاتی اور دوسرے پہلو سے مذموم خیال کیجاتی ہے۔
اسکی ہر ایک پہلو پر بحث کرنا ایک پولیٹیکل کام ہے جس سے
ہمین کوئی سروکار نہین۔ ہمین یہان پر صرف اسقدر
دکھانا ہے کہ انگریزون کی غیر مانوسیت اور ہندوستانیون
کی سوسائٹی سے الگ تھلگ رہنے اور نیز ان کے فاتح ہونے
نے انھین ہندوستانیون کی کسی رسم و رواج سے متاثر ہونے نہ دیا

باقی آئندہ

"شادی"

مسلمانونکے ہان اسراف کا نمونہ قایم کرنیکے لیے شادی سے بڑھکے شاید اور کوئی موقع نہین ہے۔ ہر آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اور صرف کرتا ہے جس سے اسکی مالی حالت تباہی مین آتی ہے، اور آرام کے بدلے تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیہودہ مراسم، فضولخرچی، ریاکاری، لوگون کے دلون مین کچھ ایسی دھسی ہوئی ہے کہ نکالے نہین نکلتی۔ مسلمان اپنی حالت کو نہین دیکھتے، برادری کے مراسم پر مٹے جاتے ہین؛ جان جائے تو جائے، آن نہ جائے۔ خدا کی پناہ! کیسی جہالت ہے! کیسی نادانی ہے! جسقدر یہ لوگ بیجا رسوم کی ضرورت سمجھے ہوے ہین، اُسیقدر، بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہمین انکے انسداد کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

اب ہم پہلے یہ کہدیتے ہین کہ ہر شخص اپنے یا اپنی اولاد یا کسی عزیز کی شادی سودی قرض لیکر روپے سے ہرگز ہرگز نہ کرے: جسقدر سالانہ آمدنی ہو اسکی ثلث خواہ نصف مین جیسے تیسے سادگی کے ساتھ شادی کردے۔

دوم، امرا اپنی جائداد فروخت کرکے ہرگز شادی نہ کرین؛ بلکہ اسکی آمدنی کو ماہ بماہ جمع کرتے جائین؛ جب کچھ روپے ہو جائین، شادی منائین؛ یا زمیندار اپنی منفعت سے بڑھکے دریادلی کا ثبوت نہ دین؛ چادر کے اندر ہی قدم رہین؛ باہر نکلنے نہ پائین۔

سوم، کوئی کسی عزیز دولتمند کے بھروسے پر حیثیت سے زیادہ نہ صرف کرے؛ کیونکہ بعد کو کیا معلوم ہے، وہ اسکی مدد کرے یا نہ کرے۔ حیف ہے! یہ تو اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھے؛ اب کسی رشتہ دار کے دستِ سخا پر نگاہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ انکی جانب بڑھ جاے؛ مگر پھر بھی اس کامیابی سے ناکامیابی بہتر ہے۔ ۵

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پای مردیِ ہمسایہ در بہشت

خدا جانتا ہے، حیثیت کی شرط عجیب شے طلب ہے! بس کوئی اپنی حیثیت سے زیادہ شادی مین نہ لگاے۔ اور شادی کی سیکڑون وہ فضول رسمین: لگن، ساچق، مہندی وغیرہ، یہ سب یکقلم اٹھا دی جائین۔ یہ مسلمانانِ اسلام کے نام کو بدنام کرنے پر کمر باندھے ہین۔ اول اِن مین وقت ضایع ہوتا ہے، دوم روپیہ ضایع ہوتا ہے۔ سوم بہت سی باتین مذہب کے خلاف ہوتی ہین۔ آخر اِن سے کیا فائدہ؟ کیا حضرت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مبارک
شادیان یونہی ہوئی تھین! یا آپکی آلِ اطہر اور
اصحابِ کبار کے ہان اسی طرح شادیان منائی جاتی
تھین! شرم شرم! حیا حیا!! غیرت غیرت!!!
بس اب ہم پھر نہ یہ سنین اور نہ سنائین۔ تم نکاح کا
جلسہ کرو، خرمے تقسیم کرو، ولیمہ کا کھانا کرو، اعزا
اقارب کے ہاتھ دہلواؤ، اور بس! مگر ان سب کامون
مین اپنی حیثیت کا مسئلہ مدِ نظر رہے، اگر دشمن کو
کو دوستو لو ہرگز نہ دعوت دو، اور خود حاتم
وقت بننے کی خواہش نہ کرو۔ برادری کے سامنے
ناک رہی بلا سے نہ رہی، گھر مین جمع تو باقی رہی! شادی
کے بعد بھو کا مرنا تو نہ پڑیگا! اچھا اگر تمہارے گھر مین
چراغ نہ روشن ہو تو برادری آکے روشن کردیگی!
یہ امید ہے! جو تمہارے پاس ہے، وہ تمہارا ہے؛
جو تمہارے ہاتھ سے نکلا، پھر وہ تمہارا نہین! یہ زمانہ
ایسا نہین ہے، جیسی حکایتین قصے کہانیان سناکرتے ہو
مختصر یہ کہ سمجھ بوجھ کے صرف کرو۔ اولاد پیاری ہے
تو اسکے آرام کا خیال بھی رکھو: شادی کے بعد ڈھنڈورہ
بجاتے نہ پھراؤ! گھر بھر کی تباہی نہ مول لو۔ اتنا مد نظر
رکھو کہ شادی مین قلیل رقم لگاؤ، کہ وہ نوجوان
یا خود بدولت کسی اچھے سے کام مین ہاتھ ڈال سکین۔

لاکھ کی ایک بات ہے "دنیا کی قدر انسان سے ہے،
اور انسان کی قدر دولت سے" ان جملون کو تیغ
پر کھدوا کے کمرے کی دیوارون پر نصب کرو، میز کے
اکثر حصون پر یہی جملے نظر آئین، دوات پر، گھڑی
پر، غرضکہ یہ تمہارے دلنشین ہوجائین، اور تم وقت
پر ویسے ہی نظر آؤ جیسے نظر آنا چاہیئے اور مناسب
ہے۔ کیونکہ شادی مسلمانون مین گویا امتحان کا وقت
ہے۔ جو یہان پورا اترا، وہ تقریباً ہر مقام مین پورا
اتریگا! اور جو یہان لڑکھڑایا، اوسکا ستیاناس! ایسا
پاؤن پھسلا کہ عمر بھر عسرت اور تکلیف کے عمیق گڑھے مین
لیجئے شادی ہونے کو تو ہوگئی، اب جہیز کی نہ ملنے والی قیامت
آموجود ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ دیکھے کسکا گھر لوٹینگے؟
اسکا تو مطلق خیال نہین ہے، اور نام پر مٹے جاتے ہین کیا خوب
خوبی اسمین ہے، کہ جہیز مین اول تو مختصر سی وہ چیزین
جو اشد ضرورت کی ہین، دین! اور زیادہ کپڑے ضرورت
سے زیادہ برتن، فرنیچر، اور فضول زیور ہرگز ہرگز نہ دین،
اسکے بدلے کوئی مکان لڑکی کے نام کردین، جس کا ماہانہ
کرایہ آئے اور لڑکی کے پاس جمع ہوتا رہے، اوسکے کام مین
آئے، اُسکی وقتاً فوقتاً ضرورت پوری کرے۔ زیور اس مرض
کی دوا نہین ہے، جس مرض کی دوا مکان ہے، ہندوستان کی
جسقدر آبادی ترقی کرتی ہے مکانون کے کرایے مین بھی اضافہ

سید احمد حسن اب کہان ہین!

آہ! اب وہ وہان ہین، جہان نہ ہماری خبر جاسکتی ہے، اور نہ وہان سے اونکی خبر آسکتی ہے۔ ۱۰ دسمبر کی اوس حسرت انگیز صبح کی یاد ہماری گریہ وزاری کے لئے کافی ہے، جب اوس "قومی خادم" نے حسرتناک نگاہون سے دنیا کو دیکھکر رخصت کیا ہے۔

مولوی سید احمد حسن کا نام پبلک کے لئے کوئی نیا نام نہین ہے۔ یہ ایک عرصہ تک تحفۂ محمدیہ کانپور کے ایڈیٹر رہچکے ہین، جسنے ایک عرصہ تک کرسچن دنیا کا نہایت دلیری کے ساتھ مقابلہ جاری رکھا تھا، اور ایک قانونی زور نے جسے تبدیل نام کے بعد مولوی صاحب مرحوم کے ہاتھون تک پہنچایا تھا۔ ندوۃ العلماء کے یہ ایک پرزور ممبر رہے اور ہمیشہ تحفۂ احمدیہ کے کالم ندوہ کے تائیدی مضامین کے لئے کھلے رہے۔ ندوۃ العلماء کلکتہ کی کشش نے انہین کلکتہ پہنچایا، اور انہون نے کلکتہ کا مشہور اخبار "احسن الاخبار" جاری کیا، جسنے شائع ہوتے ہی وہ قبولیت حاصل کرلی جو ہندوستان کے بعض قدیم پرچون کو اسوقت حاصل نہین ہے۔ انڈیا کے مشہور اخبارون نے اسپر جو ریویو کیے ہین، اونکے دیکھنے سے اسکی وقعت کا ایک معمولی اندازہ ہوسکتا ہے۔ تقریباً دو سال تک یہ جاری رہا اور اوسکے بعد چند مجبوریان ایسی پیش آئین کہ اخبار کو بند کرکے آیندہ کیلئے مشتاق پبلک کو منتظر کرنا پڑا۔ اسکے بعد ایک علمی ملازمت حاصل کرکے یہ دارجلنگ چلے گئے۔ ہاے وہان سے آنا انکا آخری سفر تھا جو ٹھیک سفر آخرت ہوکر پیش آیا۔ کل کی بات ہے کہ مولوی صاحب مرحوم "احسن الاخبار" کے دوبارہ نکالنے کی فکر مین تھے۔ آج اونکے انتقال کی خبر ناشاد "آزاد" کے قلم سے لسان الصدق کے کالمون مین شایع ہو رہی ہے۔ اونکے "اخلاق وعادات" ہی کا بیان ایک ایسا بیان ہے جسے جبتک مین گریہ وزاری پر آمادہ نہ ہوجاؤن لکھہ نہین سکتا۔ آزاد کے حال پر اونکی شفقت، اور اونکا مخلصانہ برتاؤ جب یاد آتا ہے تو خون جگر رولاکر چھوڑتا ہے، ہان! یہ سچ ہے! کہ اونکی مرنے کا دنیا کو کوئی افسوس نہین ہوسکتا، بہت سے احمد حسن دنیا کو مل سکتے ہین لیکن ہماری سوسیٹی پکارتی ہے، کہ اگر ہزار احمد حسن ہون تو ہمین اوس سے کوئی تعلق نہین۔ ہمکو ہمارا احمد حسن لادو۔

ہم خوب جانتے ہین! کہ وہ کیا تھا؟ کون تھا؟ اور اوسکی یاد ہمین کیون تڑپاتی ہے؟ آہ! وہ اونکا سچا تدین! وہ اونکی پاکبازی! وہ سچا خلوص! وہ راستبازی! دوستو! ممکن ہے کہ تم ان باتون کا اندازہ نہ کرسکو۔ لیکن آزاد کا دل تو اوس مجسم صفت کا قائل ہوچکا ہے۔ اور نہ صرف آزاد! بلکہ اوس مجسم اخلاق سے جو ملا اوسکے اخلاق تیغ کا گھائل ہوگیا۔

دلکو باتین جب اوسکی یاد آئین
کسکی باتون سے دلکو بہلائین؟

تم سنکر تعجب کروگے۔ کہ بیسوین صدی مین خیر القرون کا مسلمان کہانسے آگیا، اگر مین اوس فرشتہ خصلت کی مذہبی اور اخلاقی خوبیان کرون، مگر دوستو! مجھے مجبور سمجھو۔ اس دل پر اونکے کمالات کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ زبان اونکے فضائل کی ہو چکی ہے۔ تم جو چاہو سمجھو! آزاد سمجھ چکا ہے۔ جو سمجھنا تھا وہ جان چکا ہے۔ جو جاننا تھا۔ "آزاد" ہی کو فخر حاصل ہے کہ اونہون نے اپنی مخلصانہ شفقتون کا ہمیشہ اوسے مستحق سمجھا۔

بہت کچھ لکھہ چکا، لیکن واللہ! مین نے اونکی خوبیون کا کچھ بیان نہین کیا! ہان! وہ مجسم نیکی تھے خطا انسان سے لگی ہوئی ہے! لیکن وہ اونکے ہر وقت مقر تھے، اونکا ظاہر و باطن ایک تھا، غربت مین فیاضی اونکا خاصہ تھا۔ دشمن کے ساتھ دوستی اونکی طبیعت ثانیہ تھی! ہاے! وہ کیا کچھ تھے لیکن اب تو ہم سے بہت دور ہوگئے، ایسا دور کہ اونکی انتہا ہماری فہم سے بہت دور ہے۔ یہ مضمون مین لکھہ رہا ہون۔ آنکھین کاغذ پر جھکی ہوئی ہین۔ لکھتے لکھتے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد حسن میرے سامنے کھڑے ہین۔ وہ اونکا متوسط قد۔ اونکی ترکی ٹوپی۔ اونکی کالی شیروانی، ٹھیک نظر آرہے ہین۔ اس محویت مین جب سر اوٹھاتا ہون، اور ادھر اودھر دیکھتا ہون بجاے اونکے وہی ہمنشین قدیم قلم اور دوات کے سوا کچھ نظر نہین آتا۔ اور نگاہین مایوس ہوکر پھر نیچے جھک جاتی ہین۔ الٰہی اگر تیری درگاہ مستجاب الدعوات ہے اگر تیرا یہ مقدس فرمان کہ ادعونی استجب لکم حق اگر یہ ٹھیک ہے کہ سچے دلکی دعا عرش کی زنجیرین ہلا آتی ہے، تو مرحوم کو مغفور کر! اور دریاے رحمت سے فیضیاب! جگہ دور ہے، اور راہ بڑی کٹھن! تیرے نظر رحمت کا اشارہ کافی ہے

ہمارے مکرم دوست مولوی محمد یوسف جعفری صاحب رنجور عظیم آبادی نے مرحوم کے انتقال کی ایک تاریخ لکھی ہے، جسکو ہم ذیل مین درج کرتے ہین

لسان الصدق

قیمت سالانہ مع محصولڈاک
عہ نمونہ کے پرچے کیلئے
۲ کا ٹکٹ آنا چاہیئے

ماہوار رسالہ
ایڈیٹر ابو الکلام آزاد دہلوی
کلکتہ

تمام خط وکتابت و رسائل
ایڈیٹر کے نام پر اس پتہ سے بھیجے ہوں
تارا چند دت اسٹریٹ ۱۱۶ کلکتہ

نمبر ۱ | ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء | جلد ۲

جنوری سنہ ۱۹۰۴ء

خریداروں کی رفتار ابھی تک نہایت سست ہے، ہمارے احباب کی کوششیں بھی ہمارے لئے کچھ کامیاب ثابت نہیں ہوئی ہین۔ لیکن یہہ اعتراض ہر دیکھنے والے کی زبان پر ہے کہ "لسان الصدق" کی ضخامت بہت کم ہے، مضامین بہت کم آتے ہین۔ ہم خود اس بات کو اشاعت سے پہلے جان چکے ہین، کہ ابتدا مین اسکی ضخامت بیشک قابل اعتراض ہوگی۔ لیکن مجبوری سخت یہ ہے کہ ضخامت کی کمی زیادتی جس چیز پر موقوف ہے اوسپر کوئی توجہ نہین کرتا۔ اگر آج کم از کم دو سو خریدار پرچہ کے پیدا ہو جائین تو سمجھئے

لسان الصدق تین جزو علاوہ ٹائیٹل پیج کے ضخامت سے نکلنے لگے۔ ضخامت کا بڑھا دینا اور ایک بڑی ذمہ داری کا اپنے سر لے لینا کوئی آسان کام نہین ہے۔ اگر ہمارے معزز احباب کوشش کرین، اور پبلک قدر دانی سے متوجہ ہو، تو اسکا کافی ضخامت سے نکلنا کوئی مشکل کام نہین ہے۔ ہم خوب جانتے ہین کہ اسکے وسیع مقاصد کے لحاظ سے ایک جزو ضخامت بالکل نسبت نہین رکھتی لیکن ہمنے قوم کی خدمت مین ایک نمونہ پیش کر دیا ہے: اگر وہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور اوسکی ضرورت تسلیم کی گئی، تو اسکی خود قوم کو فکر ہوگی اور پھر اسکی ضخامت کا مسئلہ اسقدر بحث کے لائق ہوگا۔

معزز ہمعصر "تالیف واشاعت" لاہور نے بھی "لسان الصدق" کا ذکر کرتے ہوے جہان اسے بنگالہ کیلئے ضروری اور غنیمت بتلایا ہے وہان اسکے زیادتی ضخامت کی بھی ضرورت دکھلائی ہے، بیشک لسان الصدق کی موجودہ ضخامت بہت ناکافی ہے۔ لیکن جب کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین اسکی مالی حالت سردست اتنی وسعت نہین رکھتی، اور خریدارونکی رفتار بہت سست ہے۔ تاہم صرف قوم کے آیندہ توجہ کی امید پر بالفعل اسقدر ترمیم کرنے کا مقصد رکھتے ہین کہ آیندہ سے لسان الصدق بجاے ایک جزکے ڈیرہ جزو مین شایع ہوا کرے ۔ اس سے زیادہ ابھی ہم سے انتظام نہین ہو سکتا۔ پہلی ششماہی ختم ہونے پر اگر قوم نے توجہ، اور خریدارون کی حالت قابل اطمینان ہوئی، تو انشاء اللہ تعالی تین جز تک ضخامت بڑہادی جائے گی۔ ہمین امید ہے کہ اب پرچہ کی حالت پر خاص توجہ کیجائیگی۔ غور تو فرمایے کہ ابتک سالم پچیس خریدار بھی پورے نہین ہوسے ہین اور اسپر بھی ہم کا ایک ضخامت بھی بڑہا دینے کا ارادہ ہے۔ ایسی حالت مین قوم کی توجہ کی اشد ضرورت ہے۔ خریدارونکی ایک کافی تعداد بہم ہو جاے۔ تو اسکی حالت اور ترقی کرے۔ باوجود اس زیادتی ضخامت کے سالانہ قیمت مین کوئی ترمیم نہین کیجائیگی وہی عہر بدستور قایم رہیگا۔

"لسان الصدق" کا پہلا نمبر مبادلہ اور ریویو کی غرض سے تمام اردو "رسالون" اور "اخبارون" کیخدمت مین بھیجا گیا تھا، لیکن سوا ایک دو ہمعصرون کے اور کسی نے مبادلہ کے پرچے نہین بھیجے۔ اوسکے بعد چھپے ہوے کارڈ بھی اس مضمون کے بھیجے گئے۔ کہ اس سے پہلے رسالہ آپ کے خدمت مین ارسال کیا گیا ہے براہ عنایت اظہار راے کے علاوہ مبادلہ قبول فرماکر ممنون فرمایئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تک کسی نے اسپر توجہ نہین کی، اور اخبار تو بجاے خود رہے چار رسالے بھی مبادلہ مین نہین آئے، اور اوسپر یہ ستم کہ جن نمبرونمین لسان الصدق پر ریویو کیا گیا وہ نمبر بھی ہماری نظرون سے نہین گذرے۔ بعض درخواستون سے معلوم ہوا کہ فلان اخبار نے اسپر راے ظاہر کی ہے۔

ہمین معزز ہمعصرون سے امید ہے کہ اس ناچیز لسان الصدق کا مبادلہ منظور کرنے مین اب زیادہ توقف نہین فرمائین گے۔ ایسی حالت مین کہ اس سے گو اون معزز رسالون اور اخبارون کو کوئی فائدہ نہو، لیکن لسان الصدق تو قطعی مستفیض ہوا کرے گا۔

"لسان الصدق" کے مقاصد مین، بنگالہ مین علمی مذاق کی اشاعت سب سے اہم مقصد ہے، اور اسکے متعلق پہلے نمبر مین ہم کافی طور سے لکھ چکے ہین لیکن عملی طور پر یہ مقصد کیونکر پورا ہو؟ یہی اک بڑی بحث ہے۔ اور جب تک کلکتہ کے معززین اسپر توجہ نہ کرین طے نہین ہو سکتی۔ لیکن افسوس کے ساتھہ یہ بات ظاہر کیجاتی ہے کہ اس جماعت کا متوجہ ہونا ہی اک بڑی بحث کا محتاج ہے۔ اس ضرورت کا اگر اونہین خود احساس ہوتا، تو آجتک اوسکا عملی نتیجہ بہت کچھ ظاہر ہو جاتا؛ اونکی بیجا خاموشی ہی اس امر کی دلیل ہے، کہ یا تو انہین اس ضرورت کا احساس نہین ہے، اور یا احساس کے ساتھہ ہمت اور استقلال نہین ہے، کہ عملاً کامیاب ہون۔ آخر الذکر حالت مین اونہین ہمت پیدا کرنی چاہیئے۔ ہر کام ابتدا مین مشکل نظر آتا ہے، لیکن کام کرنے والے کرکے دکھلا دیتے ہین۔

ہم جناب منشی محمد مراد خانصاحب کانپوری کے بہت ممنون ہین۔ آپنے اس رسالہ سے بہت ہمدردی ظاہر فرمائی ہے، اور عملاً اوسکا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ اثنائے قیام کلکتہ مین آپنے تین خریدار پیدا کیئے، اور کانپور پہنچکر اپنے تمام احباب کو خریدار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ جزاک اللہ!! اگر منشی صاحب کی ہمدردی سے ہمارے اور احباب بھی سبق لین، تو لسان الصدق کی ترمیم ضخامت مین ہمین کبھی عذر نہ رہے۔

باخبر ناظرین واقف ہونگے، کہ جب ہندوؤن نے "نیشنل کانگریس" قائم کی تھی تو سر سید مرحوم کی مخالفت منجملہ اور وجوہ کے، سب سے زیادہ اس وجہ پر مبنی تھی، کہ اسکا نام گورنمنٹ کو سخت دہوکہ دینے والا ہے۔ اسکا نام دعوا کرتا ہے کہ یہ ایک قومی کانگریس ہے حالانکہ سوا ہندوون کے اسمین کوئی شریک نہین ہے۔ "پھر نیشنل" کا لفظ بالکل حالت کے خلاف ہے۔

ہندو کہتے تھے کہ "اسمین دیسی عیسائی شامل ہین" اور مسلمان بہی اسکے ہمدرد ہین سرسید کو مسلمانون کا بچانا منظور تھا! اونھون نے پبلک اور گورنمنٹ پر ثابت کردیا، کہ مسلمانون کو اس سے کوئی تعلق نہین ہے - آج تیرہ چودہ برس کے بعد خود کانگریس کے ہمدردون کو اسکا احساس ہونے لگا ہے - اسکے سرگرم ممبر اب وہ ہی راگ گانے لگے ہین جو کبہی سرسید کی زبان پر جاری تہا، اور جسنے اسی کانگریس کی زبانی دشمن قوم وملت کا خطاب انہین دیا تہا - چنانچہ کانگریس کے سرگرم کارکن مسٹر "الفریڈ نندی" ایک مضمون مین لکھتے ہین کہ "کانگریس مین نیشنل کی تعریف نضول پائی جاتی ہے"

دیسی عیسائیون نے بہی اس سے کنارہ کشی کرلی ہے - مسلمانون کی مدد بہی برائے نام ہے - پہر اس کانگریس کو قومی کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟"

"ایڈیٹر"

توھمات کی زندگی

اگر تاریخ کی کتابین ہمین یقین دلائین کہ دنیا مین بسنے والی قومون نے اپنی ابتدائی جہالت اور تاریکی کے زمانہ مین تہوڑی بہت توھمات کی زندگی بسر کی ہے، تو شاید اسکے تسلیم کرنے مین ہمین کوئی معقول عذر نہ ملے - کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ یورپ جیسے ممالک مین، جہان تعلیم یافتہ اور مہذب قوم بسی ہوئی ہے، ابتک کسیقدر وہی اگلی کسک سی باقی ہے - اور ہم مسلمانون کا تو کیا پوچہنا؟ اس قدر ترقی پر بہی اور اس تعلیم پانے پر بہی ہم مین ابتک بعض ایسی لغو باتین ہین جنہین ذکر کرتے ہوے لجانا پڑتا ہے۔ ہر قوم نے جب ترقی کی، توہمات کی زندگی کے دائرہ سے باہر قدم رکہا - مگر ہمارا قدم اگر اس دائرہ کے اندر نہین ہے تو باہر بہی نہین ہے گو ہم مین سے بعض افراد نے یہ اور ایسی وہمی پابندیان دور کرلی ہین پہر بہی ہمارے زیادہ سے زیادہ حصہ نے ابتک اپنے طرز عمل مین بہت سی وہمی باتین شامل کرلی ہین، اور عورتون کی طرح

(یعنی نا تعلیم یافتگی نے مردون اور بچون پر قیامت برپا کر رکھی ہے) بات بات مین شگون اور اٹھتے بیٹھتے توہمات سے کام لیتے ہین بیشک عورتین اپنی جہالت اور ناخواندگی نا تعلیم یافتگی کے ہاتھون توہمات کی زندگی بسر کر رہی ہین؛ اور یہی وجہ ہے کہ توہمات انسانی نے پیٹ سے پاؤن نکالتے ہی بڑی سرعت کے ساتھ فرقہ نسوان مین کامیابی حاصل کی جسکا فوری اثر مردون پر پڑا، اور رفتہ رفتہ افراد کو رنے سب نہین تو عشر عشیر ہی اپنی زندگی سے والبستہ کر لیا' جو سلسلۂ توالد و تناسل کے ہمقدم رہا اور جسنے اپنی غیر محسوس رفتار سے صدیان طے کین اور اپنے قدر دانون کے دلون مین اچھی طرح جگہ پکڑ لی، اور ایسی جگہ پکڑی کہ مذہبی احکام کیطرح اسکا بھی لحاظ رکھا جانے لگا، یعنے بچارے اولڈ فیشن کو لوگ اسکی پابندیان گویا مذہبی پابندیان تصور کرنے لگے !!۔ فعجب ثم العجب! - رسوم کے مارے ہوسے اور توہمات کے ہاتھون سہکے ہوسے خدا جانے کیونکر اپنی دانش اور عقل کا دعوے کرتے ہین ؟ کچھ سمجھ نہین پڑتی، مہمل اور لغو باتون پر کس طرح عقیدہ جم جاتا ہے ؟ مثلاً،

(۱) گھر مین جھاڑو کھڑی نہین رکھنی چاہئے۔ یہ کیون ؟ اسلئے کہ رزق کی تنگی واقع ہوگی! اسکا ایستادہ رہنا روزی کا سلسلہ قطع کر دیگا! حالانکہ "قاسم الرزق" خاص وہی ذات ہے، اللہ جلشانہٗ کے کئے سب کچھ ہوتا ہے کمبخت یہ جھاڑو کیا مال ہے کہ یہ خدا کے دیے ہوئے رزق کو بالا بالا الگ ہی الگ ٹہلا دے اور کسی پر روزی کی کشائش کو تنگی سے بدل دے !!

توبہ توبہ! اگر یہ خیال ہو کہ صرف جھاڑو کھڑی رکھنے کی وجہ سے اللہ میان کم رزق عنایت فرماتے ہین، تو مین کہہ سکتا ہون کہ جو لوگ اسکی پابندی نہین کرتے، بلکہ اُنکے کانون تک بھی ایسی لغوبات نہین پہونچی ہے، جیسا انگریز یا یہود یا اور کوئی دوسری قوم، تو اسی اصول سے انپر تو رزق کی تنگی کے ہاتھون قیامت برپا ہونی چاہئے، مگر مشاہدہ یقین دلاتا ہے کہ وہ سب قومین ہم سے زیادہ

آسودہ اور فراغبالی کی زندگی بسر کر رہی ہین
اور ہم لاکھ ایسی ایسی لغو پابندی سے کام
لیتے ہین جب بھی وہی بیک بینی و دوگوش
والا معاملہ رہتا ہے، جس کا نہ ہمین احساس
ہے اور نہ افسوس!

(۲) توہم کا یہ عالم ہے کہ بچہ پیدا ہوا،
اور بچہ دو دن بعد مرنیکو تو مر گیا مگر والدین تاڑ گئے
کہ ابکی غلان شاہ صاحب کی نیاز نہین کی تہی!
انہون نے لے لیا۔ اسے ہے، یہ بڑی ہوئی۔
ہمین کیا معلوم تہا کہ حضرت اسقدر رنجیدہ
ہوجائینگے؟ چلو انکے قدم لو یا انکے مزار
کی زیارت کرو اور بیٹا مانگو "فہم سنز" یہ نہین
سمجھتے کہ بہلا انکے شاہ صاحب کیا چیز ہین
کہ زندہ کو مار ڈالین گے یا انکی رنجیدگی
یہ رنگ لائیگی؟ اور لطف تو یہ کہ رنجیدگی بھی
مسئلہ فلوس پر!! بچہ اپنی موت مرا۔ حاصل
اسکے دن پورے ہوے چلتا ہوا،
"اذا جاء اجلھم لا یستاخرون
ساعۃ ولا یستقدمون"، وہ نہ
ٹلنے والی شئے پہنچگئی اور اپنا کام کر گئی جس سے
کسی کو گریز نہین! اور نہ دنیا بہر کی کسی قوم کو
اس فلسفۂ موت سے انکار ہے۔ یقیناً
یہ مسئلہ مسلم ہے، اور ہر فرد "ولو کنتم
فی بروج مشیدۃ" کے معنے سے آگاہ
ہے۔ مگر انسانی وہم نے کیا سے کیا بات
بنادی۔ شاہ صاحب کچھ اور مانے گئے،
انکے نصیب کا انہین کچھ اور مل گیا۔

(۳) یہ بھی عجب وہم ہے کہ گہر سے
کسی کام کو نکلے بُری شامت سے کسی نے
پیچھے سے پکار لیا گو کسی کام ہی سے بہی
مگر انکے خیال مین یہ شگون بُرا واقع ہوا۔
یہ جس کام کو جائین گے ناکام رہین گے۔

(۴) اور سنیئے گہر سے کسی کام کو
جا رہے ہین بدقسمتی سے کوئی عورت
سامنے آگئی یا سامنے سے نکل گئی بیچے
قبلہ و کعبہ آگ ہو گئے۔ اب چار قدم
پیچھے ہٹ کے بیٹھتے بنی اور پھر اندر بی
کیطرح سیدہے چل نکلے"

(۵) اس سے بہی بڑہکر سنیئے گہر مین
کپڑے دہوے جاتے ہین۔ ایسے مین
کوئی شخص "دہوبی" نہ کہے ورنہ کپڑے
سفید نہین ہونگے۔ بہلا اس وہم کا بہی

کچھ ٹھکانا ہے؟ وقس علی ھذا البواقی"
کہانتک کوئی حوالہ قلم کرے؟ ایسے ہی ایسے توہمات سنے مار رکھا ہے، اور موجودہ تعلیم بھی ایسے وہم اکثر طبیعتون سے دور نہین کر سکتی۔ اسکی خاص وجہ عورتونکی جہالت اور نا تعلیم یافتگی ہے جسکا اثر انکی اولاد اور انکے شوہرون اور عزیزون پر پڑتا ہے۔ اور عورتون کی تعلیم کا مسئلہ عجب کشمکش کے عالم مین ہے: کچھ لوگ تو تعلیم نسوان کیلئے سرے سے موجودہ پردہ کو اُٹھا دینا چاہتے ہین، اور کچھ لوگ صرف تعلیم کو مدنظر رکھتے ہین، خواہ پردہ اُٹھے یا نہ اُٹھے؛ اور کچھ لوگ پردہ کے مطابق ہین اور ساتھ ہی تعلیم نسوان کے مؤید بھی وہ چاہتے ہین کہ ستر کے ساتھ تعلیم ہو۔ بہر کیف سبکی رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ "توہمات کی زندگی" سے نجات حاصل ہو۔ جب عورتین اس اخلاقی بیماری سے صحت پائینگی، تو لابدی امر ہے کہ مرد بھی اس [illegible] سے بچ جائینگے؛ ورنہ یہ سمیت بھری ہوا صحیح اشخاص کو بیمار اور جو بیمار ہین انکا خاتمہ کریگی"۔ ابوالنصر آہ دہلوی

اسلام اور رسوم
نمبر ۲

(سلسلے کے لئے دیکھو اشاعت نمبر ۲ - مورخہ ۲۰ - دسمبر ۱۹۱۳ء)

آئیے، اب مسلمان فاتحون کے ہندو مفتوحون کے رسم و رواج سے متاثر ہونے کے اسباب پر غور کرین۔ ہم جہان تک خیال کرتے ہین، یہی تین چار باتین ایسی ہین، جو مسلمانون کے رسم و رواج ہنود کی پیروی کرنے مین زیادہ تر مؤید ہوئی ہین:-

(۱) عام مسلمانون کی اور خصوصاً طبقۂ نسوان کی جہالت اور ان کا عموماً دینی اور دنیوی تعلیم سے بے بہرہ ہونا،

(۲) مسلمان فاتحون کا (یورپی فاتحین کے برعکس) ہندوستان کو بجائے فرودگاہ کے وطن قرار دیدینا،

(۳) اُنکا ہندو مفتوحون سے زیادہ میل جول اور خلا ملا پیدا کرنا؛

(۴) ہمارے علما اور مشائخ کا نہ صرف

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلو تہی
کرنا، بلکہ کچھ تو اُس وقت کی جابرانہ حکومت
کے دباؤ کے باعث، اور زیادہ تر اپنی
شکم پری اور تن پروری کے خیال سے،
ناجائز باتون کو جائز قرار دینا، اور بسا
اوقات اُن امور ناجائز کے ارتکاب
مین مؤید ہونا۔ اسمین کوئی شبہ نہین،
کہ ہندوون کی رسوم کو مسلمانون
مین رائج ہونے کی سب سے بڑی
وجہ عام مسلمانون کی جہالت اور
خصوصاً اُن کی عورتون کی بے تعلیمی ہے۔
ہماری عورتون کی عموماً یہ حالت ہوتی ہے
کہ گھر مین آنے جانے والی کُنجڑیون اہیرنون
سے جو باتین سن لین اُن کو کالوحی المنزل
من السماء مان لیا۔ اگر گھر مین کسی لڑکے
کو چیچک نکلی، تو دُکھیا اہیرن کی ہدایت
کے بموجب مالی کو بلا کر اُس سے پوجا پاٹ
کرانا ضرور ہے، ورنہ ماتا میا دیا کی نظر پھیر
لین گی۔ اب اُنہین سزاوار کہیئے، کہ یہ
ایک بیماری ہے، کسی حکیم یا ڈاکٹر کو
بلا کر دکھانا چاہیئے! مگر سنتا کون ہی؟

غرض، ہماری عورتون کی جہالت اور
بے تعلیمی کی وجہ سے ہماری سوسائٹی
مین جو جو خرابیان پیدا ہو گئی ہین،
وہ اظہر من الشمس ہین، اُن کو اس
مختصر آرٹیکل مین صراحت کے ساتھ
بیان کرنے کی ضرورت نہین۔

اس امر کا، کہ مسلمان
فاتحون مین مفتوح قوم کی خو بو کیون
اثر کر گئی، اور یورپین فاتحون
مین کیون نہین اثر کرتی، ایک بڑا
سبب یہ بھی ہے، کہ یورپین
فاتحین ہمیشہ ہندوستان کو اپنی سیرگاہ،
شکارگاہ، یا فرودگاہ تصور کرتے ہین؛
اس کو نہ اپنا وطن سمجھتے ہین، اور نہ یہان
توطن اختیار کرتے ہین، عام ازاین
وہ طبقہ حکام سے ہون، یا جماعت تجار سے
چنانچہ یہ جب تک ہندوستان مین
رہتے ہین، اگر ہر برس نہین، تو تیسرے
یا چوتھے سال انہین اپنے بیلوِیڈ
ہُوم (وطن مالوف) کی زیارت کرآنی ضرور
ہے۔ اور حکام اور دوسرے ملازمین سرکاری

پنشن پانے کے بعد، اور تجارتُس اور کار
رفتہ ہونے پر، ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے
خیرباد کہکر آخر اپنے وطن مالوف کو سدہارتے ہین
اور اپنی زندگی کے باقی دن بسر کر کے وہین کے
پیوند زمین ہوتے ہین۔ اسکے برعکس مسلمانون
نے جو ہندوستان کو فتح کیا، تو وہ یہین کے
ہو رہے ہے۔ انہون نے اس ملک کو فتح کرنے
کے بعد اپنے ھوم سے، خواہ وہ کابل یا
ترکستان ہو، خواہ فارس یا عرب، کوئی علاقہ
نہ رکہا، اور مرتے دم تک پہر اونہین اپنے
ڈیر ھوم کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

مگر اس امر مین ہم اُنہین زیادہ ملزم یا جوابدہ
نہین ٹھہرا سکتے۔ اس لئے، کہ اوس وقت
مین سفر نمونہ سقر تہا، نہ اُس زمانے مین
ریل تہی نہ آگبوٹ، اور نہ راستے رہزنون
اور ڈاکوؤن سے پاک صاف تہے۔ ایک
چہوٹے سے چہوٹے سفر مین جو جو صعوبتین اور
زحمتین پیش آتی تہین، وہ ناگفتہ بہ ہین۔
آجکل جو سفر ریل اور جہاز کے ذریعہ سے دو اڈ
تین ہفتے مین طے ہوتے ہین، اُس زمانے
مین اُن کے طے کرنے مین عمرین تمام ہو جاتی تہین

یہ اُنہین کی ہمت تہی، اونہین کی اولوالعزمی تہی،
اُنہین کا استقلال تہا، کہ سفر کی تمام صعوبتین
برداشت کر کے مشرق سے مغرب تک اور مین
جزائر فرادیس تا ملکِ مغرب واندلس پہیل
پڑے، اور چار دانگ عالم مین اسلام کا
سکہ بٹھا دیا۔ پہر اگر اُنہون نے ہندوستان
پہونچکر اور اپنا مقصد حاصل کر کے اسی ملک
کو اپنا وطن قرار دیدیا، اور اپنے وطن سے
تعلق قائم نہ رکھہ سکے، تو انپر ایسا الزام عاید
نہین آتا۔

رہی تیسری وجہ، یعنی، مسلمان فاتحون کا
ہندو مفتوحون سے زیادہ میل جول اور خلا ملا
پیدا کرنا، تو اسکا ایک بڑا سبب مسلمانون
کا ہندوستان مین وطن گزین ہونا ہوا،
جس کا بیان اوپر کے پارگراف مین گزر
چکا ہے، اور یہ بہی دکہایا جا چکا ہے، کہ یہ
امر ناگزیر تہا۔ لیکن صرف یہی بات نہین ہے!
اسکی بہت بڑی تائید اکبر اعظم
کی غیر متعصبیت نے کی۔ اسنے فاتح و مفتوح قومون
کے درمیان سے کل فرقون اور امتیازون
کو اوٹھا دینے کی کوشش کی۔

وہ دونون کو ایک نظر سے دیکھتا تھا؛ اور اُس نے مسلمانون کو اوج فہمندی سے اوتار کر، اور ہندوؤن کو حضیض مغلوبی سے نکال کر، ایک سطح پر لاکھڑا کیا - اپنے اس مقصد کو پورا کرنے مین اُس نے یہان تک اہتمام بلکہ مبالغہ کو راہ دی، کہ اپنے محل مین ہندو راجاؤن کے یہان سے ڈولے منگوانے کی رسم جاری کی: اور اسی پر بس نہین کیا، بلکہ خود بھی پوری ہندوانہ وضع اختیار کر لی، اور بجائے اسکے کہ وہ اپنی وضع ولباس سے مغلی شان وشوکت ظاہر کرتا، خاصہ مہاراجہ "ادہیراج" بن بیٹھا - اب حرم سرائے شاہی مین جو رانیان آئین، وہ اپنے ساتھ اپنی تمام رسم ورواج اور اطوار وعادات لیتی آئین: اور جب شاہی محل کا رنگ ڈہنگ بدلا، رعایا نے بھی بمصداق الناس علیٰ دین ملوکھم اُن کی رِیس اختیار کر لی - الغرض، جہان اکبر اعظم کی غیر متعصبانہ اور ناجانبدارانہ پالسی جسکی نظیر تاریخ کے صفحون پر بہت کم ملیگی، ایک طور پر ملک و قوم کے لئے باعث رحمت ثابت ہوئی، وہان اُس سے اسلامی سوسائٹی مین ایسی ایسی خرابیان بھی واقع ہو گئین؛ جن کے دفعیے کے لیئے قومی مصلحین نے اپنی کوششون کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، مگر اب تک کوئی خاطرخواہ نتیجہ ظہور مین نہ آیا؛ اور جن کا رونا رونے کو ہم بھی اسوقت مجبور ہین - حق یون ہے، کہ اگر اکبر اعظم کی سلطنت کے بعد ہندوستان مین اورنگ زیب عالمگیر اول - کی حکومت نہ ہوتی، جس نے محلسرا مین ڈولے منگانے کی رسم یکقلم موقوف کی، اور مذہبی امور مین متشددانہ پالیسی برتی، تو وہ نیر اعظم اسلام کا، جس پر اُن خرابیون کے باعث اسوقت نصف کسوف ہو گیا ہے، کسوف کامل ہو جاتا، اور تمام ہندوستان تیرہ وتار نظر آتا - ہماری رسم ورواج کے بگاڑنے کے لیئے ہمارے علماء ومشائخ بھی کچھ کم جوابدہ نہین ہین - کچھ تو انہین اُسوقت کی جابرانہ حکومت کے دباؤ مین پڑکر بہت سی ناجائز باتون کو جائز اور حرام کو حلال قرار دینا پڑا؛ جیسے، بادشاہون کے سامنے سجدہ کرنا، بادشاہون کا حریر اور طلائی زیورات پہننا، وغیرہ وغیرہ لیکن زیادہ تر ان کی اپنی جیب پری اور تن پروری

کے خیال نے انکو اپنے مریدین اور معتقدین کی لغو
ویہودہ رسوم کی پابندی کی طرف سے نہ صرف چشم
پوشی کرنے پر مجبور کیا، بلکہ انہون نے بیشتر اُن رسوم
کی تائید کی یون معمولی طور پر جو نذرانے انکے مریدین
ومسترشدین لایا کرتے، وہ انکی جیبون کے
پر کرنے کے لیے کافی ہوتے؛ لیکن اب نئی نئی
رسمون اور نئی نئی تقریبون کے پیدا ہوجانے سے
ضرور ہوا، کہ مریدین اُن موقعون پر اپنے پیر میاؤن
کی زیادہ آو بھگت کرین - اور جب کہ مثلاً، کسی
رسم یا تقریب کے موقع پر اُنہون نے دس ہزار
خرچ کیا، تو اس مثل کے بموجب، کہ "جہان
مُردے پر سو من مٹی وہان نو من اور سہی"، کیا
سو دو سو اُس وقت پیر میان کے آگے لاکر
رکھدینا اُونہین بار گزر سکتا تھا؟ پھر کیونکر ہو سکتا،
کہ پیرجی ایسی رسوم کی، جو اُن کے لیے از دیادِ
معاش کا معقول ذریعہ تھین، بیخ کنی کرین؟
جملہ حلال و حرام کی کل تو اُن کے ہاتہ مین تھی؛
اُس کل مین ڈہالکر ہر ایک ناجائز اور مذموم امر کو
جائز اور مباح بنا ڈالا - یہی نہین؛ بلکہ طمع زر
اس بات کی محرک ہوئی کہ وہ نئی نئی رسمین اور تقریبین
مذہب کا مقدس لباس پہنا کر ایجاد کرین -

اوپر جو کچھ لکھا گیا، اُسمین ہمین اِس بات کا
دکھانا مقصود تھا، کہ اسلام کا سا پاک و صاف
مذہب مذموم اور بیہودہ رسوم کی آلایش سے
کیونکر ملوث ہوا - خیر، جاہل اور متعصب اشخاص
تو ایک طرف رہین؛ ہمین سخت حیرت اور افسوس
اُن حضرات پر ہے، جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال
ہونے کی مدعی ہین، اور ان رسمون کی مضرتون
کو محسوس بھی کرتے ہین، لیکن پھر بھی اِن کے
دفیعے کی کوشش نہین کرتے - اور تو اور؛
ہم نے بہتیرے اُن جنٹلمینون کے ہان بھی،
جو یورپ کی ہوا کھا آئے ہین، ادنے ادنے
تقریبون مین وہی بیہودگیان اور فضول خرچیان
برتی جاتی ہوئی دیکھین - اُن سے پوچھئے،
تو سارا الزام عورتون کے سر رکھکر خود الگ
ہوجاتے ہین - مگر کیا اُنکا یہ عذر مسموع ہو سکتا ہے؟
ہرگز نہین - اولاً، ان تقریبون مین ناچ وغیرہ
بہتیری چیزین ایسی ہوا کرتی ہین، جن سے مستورات
کو کوئی سروکار و تعلق نہین؛ وہ صرف مرد اپنے
جاہلانہ حوصلہ اور وحشیانہ اُمنگ سے کرتے ہین -
دوسرے، اسکے کیا معنے ہین کہ مرد عورت
کے بس مین آجائے؟ ہم یہ نہین کہتے، کہ

اُن کے ساتھ "بزن" کا معاملہ، یا دُرشتی کا برتاؤ کرو؛ بلکہ اُنہیں تعلیم دو، اور اس قسم کی رسوم کی مضرت اور لغویت اُن کے ذہن نشین کرو۔

زن و شو کے تعلقات اس قسم کے واقع ہوے ہین، کہ بی بی پر میان کی باتون کا ضرور اثر پڑتا ہے۔ جن لوگون نے اپنی عورتون کی اصلاح خیال کی کوشش کی ہے، وہ ہمیشہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین۔ خاص کر کے ہندوستان کی عورتون کو، جن مین فطرۃً میان کی محبت و اطاعت کا مادّہ ودیعت کیا گیا ہے، میان کی ہر ایک ادا محبوب اور پسندیدہ ہوتی ہے؛ اور وہ بطیب خاطر ہر امر مین اُس کی ہمخیال ہو جاتی ہین۔ چنانچہ برابر دیکھا جاتا ہے، کہ اگر کسی سنی کے گھر مین شیعے کی، یا ایک غیر مقلد کے گھر مین مقلد کی لڑکی آئی، تو وہ بھی سنی یا غیر مقلد بن گئی۔ غرض، عورتون کے نہ ملنے کا عذر لنگ تو کسی طرح معقول نہین ہو سکتا۔ اور اگر واقعی تم اپنی بی بی تک پر اپنے خیالات کا اثر نہین ڈال سکتے، تو پھر قوم پر کیا خاک اثر پہنچا سکو گے؟ پھر "اصلاح! اصلاح!" اور "ریفارم! ریفارم!" کی ہانک پکار محض لاحاصل و بے سود ہے۔

۵ تو کار زمین را نکو ساختی
که با آسمان نیز پرداختی

بعض حضرات تقریبون اور مراسم کی تائید مین یہ امر پیش کرتے ہین، کہ مختلف قسم کی تقریبون کے ذریعہ اپنے برادری والون اور دوستون اور اُنکی مستورات کو اپنے گھر بلانے، اور اُن کے ساتھ مواکلت و مشاربت کا موقع ملتا ہے، جو مواخات اور سوشل اتحاد کو قوی کرنے کا بہت عمدہ ذریعہ ہے: اور اُن مہمانون کی دلچسپی اور دلبستگی کے لیے ناچ رنگ، باجے گاجے، روشنی، آتشبازی وغیرہ کا ہونا ضرور ہے۔ ہم یہ مانتے ہین، کہ بیشک احباب و اقارب کو مدعو کرنے اور اُنکے ساتھ اکل و شرب کرنے کے بڑے بڑے فائدے ہین۔ اگر آپکو خدا نے روپیے دیے ہین، تو ضرور دعوتون کے جلسے کیا کیجیے، مگر قرض لیکر اور خود آپکو تباہ کر کے نہین: اور پھر مطلق دعوت کے لیے خواہ مخواہ کسی من گڑھت تقریب کو نام رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ عام طور پر دعوتین کرنے کی فضیلتین حدیث شریف مین بھی وارد ہوئی ہین۔ لیکن کسی من گڑھت تقریب کے بنا لینے سے پھر وہ ایسی رسم کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس

کا انجام دیا جانا لابدّی ہے مقابلہ کرتی ہے، گو وہ کیسی
ہی بربادی اور تباہی عزت کے متحمل ہے! اور بیہودہ رسم
کسی کے اُٹھائے نہیں اُٹھتے ہیں۔ ہم تو مہمانون کی
دلبستگی کے لیئے ناچ رنگ جیسی لغو اور مخرب اخلاق
چیزون کی ضرورت کو کسی طرح تسلیم نہین کرتے۔ اگر
ایسی ہی مہمانون کی خاطر آپ کو عزیز ہے، تو پھر شراب
وکباب بھی کیون ضروریات مجالس مین نہ شمار کیا
جائے؟ یہ سب لغو باتین ہین۔ دلبستگی کے لیے
چار دوستون کا ایک جگہ مل بیٹھنا کیا کم ہے؟

بڑی خوشی کی بات ہے، کہ ادہر محمڈن
کانفرنس اور ندوۃ العلماء کو خاصکر سوشل
اصلاح کا خیال پیدا ہوا ہے۔ مگر صرف ریزولیوشنون
سے کام نہین چل سکتا! ہم کو حقیقت مین خوشی جب ہو،
کہ یہ انجمنین اپنے ان مقاصد کا عملی ثبوت دین،
اور جو کچھ یہ کہتے ہین وہ کرکے دکھا دین۔ ہماری
رائے مین اُنہین چاہیئے، کہ اپنے اراکین سے وہ
اس بات کا ذمہ لین کہ، وہ خود بیہودہ رسمون اور
فضول خرچیون سے مجتنب رہین گے، اور کم سے
کم ہند کے ہر بڑے شہر اور قصبے مین ایسے "والنٹیر"
مقرر کرین، جو وعظ و پند اور لکچرون کے ذریعہ لوگون
کو رسوم قبیحہ کی پابندی سے روکین، اور خود اس کا
نمونہ بنین۔ یاد رکھو، کہ جب تک تم خود وہ کام کروگے
جو دوسرون سے کرانا چاہتے ہو، تمہاری بات کی
ہرگز شنوائی نہ ہوگی۔ کیا اگر "سرسید مرحوم" صرف
"انگریزی پڑہو! انگریزی پڑہو!!" چلایا کرتے، اور
خود اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم سے بے بہرہ رکھتے،
تو قوم اس جانب متوجہ ہوتی؟ ہرگز نہین۔ جب
اُنہون نے پہلے خود اپنے لڑکون کو انگریزی
پڑہوائی اور اُن کو ولایت بھیجکر تعلیم کرایا، تب
اسکی خوبیان لوگون کے ذہن نشین ہوئین، اور
اُنہون نے انگریزی پڑہنے اور ولایت جانیکو
ہیبت اور حیرت کی نگاہ سے دیکھنا چھوڑا۔ جبتک
دہلی مین مولانا اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ، اور پٹنے
مین مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ، نے خود اپنے
خاندانون کی بیوہ لڑکیون کا نکاح ثانی نہ کیا،
ان جگہون کے شریفون نے اس رسم پسندیدہ
کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑا۔

اے مصلحین قوم! اور اے ریفارمیشن کا دعوی کرنے
والو! اس آیۂ شریفہ لم تقولون ما لا تفعلون کو ہمیشہ پیش نظر رکھو
اور اسکو اپنا دستور العمل قرار دو، ورنہ یاد رکھو کہ تمہارے ہر ارادے مین
حرمان اور ہر مقصد مین ناکامیابی نصیب ہوگی۔ وما علینا الا البلاغ

"محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی"

قومی اعزاز

جناب مولنا الطاف حسین صاحب حالیؔ نے اپنی نظم و نثر تصنیفات سے اردو لٹریچر مین جو نئی جان پیدا کردی ہے، وہ ہمیشہ اُردو زبان کی تاریخ مین نمایان طور پر یادگار رہیگا۔ یہ اونہین کا احسان ہے کہ اونہون نے سب سے پہلے اُردو زبان کو بائوگرافی کے جدید اصول سے آشنا کیا، اور سب سے پہلے اوسکا عمدہ نمونہ حیات سعدی پیش کردیا۔ یہ اونہین کے پُرزور قلم کا اثر ہے جسنے مقدمۂ دیوان حالی مین پیدا ہوکر تمام ہندوستان مین نیچرل شاعری کی دہاک باندہ دی۔ انہین کے درد بہرے دل نے پہلے پہل ہمکو یہ نصیحت کی اونکی مرثیہ نگاری چھوڑکر کچھ دیر اپنی حسرتناک حالت کا مرثیہ بھی کہہ لو؛ نہ صرف یہ نصیحت کی بلکہ قومی مرثیہ لکھنے کی خود ابتدا کی اور لکھکر ہمین دکھلا دیا کہ کہ سچے دل سے جو مرثیہ لکھا جائیگا وہ ایسا مؤثر ثابت ہوگا۔ اسی قومی مرثیہ نے قوم پر وہ فوری اثر کیا جو تہذیب الاخلاق کی ہفت سالہ کوشش پیدا نہین کرسکتی تھی۔ اسکا ایک ایک بند ہمارے لٹریچر کے شاہکار زمین اور ایک ایک شعر مصائب کی سچی تصویر ہا آسمان۔ وہ مسدس ہے جسکی نسبت سرسید کا قول ہے "اسکی تحریک تصنیف قیامت کے دن میری مغفرت کے لئے کافی ہے"۔ "جو بات دلسے نکلتی ہے ٹھیک دل ہی پر جاکے ٹھہرتی ہے" ایک وجدانی مقولہ ہے، اور اس مسدس کے حق مین بہت صحیح ہے۔ قوم کو اوسکے عیوب دکھلانے کیلئے اور اوسے خواب جہالت سے بیدار کرنیکے لیے بیسون تحریرین لکہی گئین بہت سے رسالے، اخبار، مثل تہذیب الاخلاق کے صرف اسی غرض سے برسون شایع ہوتے رہے۔ لیکن قوم کو دراصل اس مسدس نے ہوشیار کیا، اونکو اونکے عیوب سوجہائے، بیمار کو بیماری کے اسباب سے خبردار کردیا؛ تدبیرین بھی صحت کی بتلادین۔ اور یہ اثر صرف اسلیئے پیدا ہوا کہ جو بات دلسے نکلتی ہے دل ہی پر جاکر ٹھہرتی ہے۔۔ اونکی سب سے آخری مگر سب سے بیش بہا تصنیف حیات جاوید (سرسید کی لائف) بے شبہ ایسی کتاب ہے جسے تصنیف کرنے سے مولانا نے قوم کو اور قوم کی زبان کو ہمیشہ کے لئے اپنا مرہون منت کرلیا ہے۔ اردو زبان مین یہ پہلی بائوگرفی ہے۔ جو اس محنت اور جانکاہی سے تصنیف ہوکر انگریزی

تصانیف کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ علاوہ ان
بیش بہا تصانیف کے کانفرنس کے متعلق انکی بعض
نظمون نے وہ اثر پیدا کیا، کہ جنکے نسبت سے کہا جا سکتا ہے
کہ کانفرنس کو کامیابی ہی نہین ہوتی۔ مسدس
تحفۃ الاخوان نے دہلی کانفرنس دوم مین جو رنگ
دکھلایا تھا وہ سے کون ہے جسنے فراموش کیا ہوگا؟
یہ اور اسی قسم کے اور علمی احسانات مولانا کے
قوم پر ایسے ہین جنکا قوم کو شکریہ ادا کرنا اور انکے
احسانات کا ممنون ہونا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن جہان
موجودہ ایشیا مین اور سیکڑون صفتین مفقود نظر
آتی ہین وہان قدر دانی کی اعلےٰ صفت بھی قوم
کھو چکی ہے۔ مولانا کے ان علمی خدمات کا آجتک
کوئی قومی اعزاز عام طور پر نہین کیا گیا۔ اور درحقیقت
قوم کے لیے یہ نہایت باعث شرم ہے کہ وہ اپنے
علمی محسنون کی قدردانی نہین کرتی۔ اگرچہ اور بزرگان
قوم گورنمنٹ کے خطابات کی جانب سے معزز ہو چکے ہین؛
لیکن مولانا کی طبعی منکسر المزاجی نے انہین اُن
اسباب سے منتفع نہین ہونے دیا جو عموماً ان خطابون کے
حصول کے ذرائع سمجھے جاتے ہین۔ لیکن ہماری
عمدہ صفت یہ ہونی چاہیئے کہ ہم اسکی کوئی پروا نہ کرین
کہ گورنمنٹ نے خطاب کیون نہین دیا۔ ہم قومی حیثیت
سے خود ایسی گرانمایہ وجود کے اعزاز کیلئے آمادہ ہو جائین،
اور اپنی علمی قدردانی ملک پر ظاہر کردین معزز معاصر "تالیف
و اشاعت" لاہور نے قبل انعقاد جلسہ کانفرنس بمبئی یہ نہایت مستحسن
رائے دی تھی کہ مولانا کا اسی سال کی جلسے مین قومی اعزاز کر کے
ایک سلسلہ اس اعزاز کا مستحق بزرگون کیلئے قایم کیا جائے،
جس سے قومی قدر دانی کا ثبوت ملتا رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ قومی
اخبارات نے اس مفید رائے پر توجہ نہین کی اور خود اس سے اتفاق کر کے
عام قومی رائے کا اندازہ نہین کیا۔ زیادہ تر افسوس مین تالیف
و اشاعت کی ہم زبان ہو کر اس امر پر ہے کہ وکیل و وطن جیسے مشہور اخبارات
نے بھی بالکل خاموشی اختیار کی اور ایسے ضروری امر کو کچھ قابل بحث
نہین سمجھا!! ایسے اخبارات سے قومی و ملکی ضروریات کی احساس کی
کیا امید ہو جبکہ بجائے اپنی ضروریات کے ٹرکی اور مصر و شام کی ضرورتون
پر زیادہ توجہ ہو۔ اور جنکی ملکی درسگاہین ہو رہی ہین۔ مگر ان کی تکمیل
کا خیال و نہین زیادہ مد نظر ہو۔ اگر قوم اس رائے پر بھی توجہ ہو اور مولانا کے اعزاز سے
اپنی عزت کی ترقی مقصود ہو تو صرف اس اعزاز کیلئے کسی خاص جلسہ کا منعقد ہونا
کوئی مشکل نہین ہے۔ پنجاب کے اخبارات کو تو در اصل اس پر زیادہ توجہ ہونا چاہیئے اسلیئے کہ
مولانا کو پنجاب سے تعلق ہے اور بر بنائے تقسیم کے لحاظ سے تو اب بھی پنجاب ہی مین سکونت
پذیر ہین۔ بیشک مولانا اس اعزاز کیلئے بالکل مستحق ہین۔ انکی بے نظیر فطری قابلیت انکی
بیش بہا تصنیفات غیر محسوس طریقہ سے ملک کو جس حد تک فائدہ پہنچا رہی ہین وہ اس قومی
اعزاز سے بہت زیادہ معزز ہے۔ انہین کسی اعزاز کی ضرورت نہین۔ ضرورت ہے تو قوم کو ہے
کیونکہ قوم کا طرز اسی مین ہے کہ وہ اپنے محسنون کا اعزاز قائم رکھے۔

ایڈیٹر

انتقاد

بڑی جنتری اصول کے مطابق جناب منشی محمد اللہ صاحب عدنی اسلامپوری نے اب کے سال سے بڑی جنتری شایع کی ہے۔ اسمین کوئی شک نہیں کہ اسکو میں اعلی درجہ کی کامیابی منشی صاحب نے حاصل کی ہے۔ اسکی مثال ہندوستان کا کوئی پریس پیش نہیں کرسکتا بالخصوص رنگین اور سنہری چھپائی جو کمال اس پریس نے پیدا کیا ہے اوسکی عمدہ مثال تو صرف یورپ کے پریس ہی پیش کرسکتے ہیں جن لوگوں نے مثنوی معنوی یا دیوان حافظ وغیرہ بنارس کا چھپا ہوا دیکھا ہے یا کم از کم پچھلے سال جنتری بھی انکی نظر سے گذری ہے وہ ہمارے قول کی تصدیق کرینگے۔ جنتری میں گو کہ بیچ اگرچہ کاغذ کے رنگین ہونے کی وجہ سے گلیس اور سنہری چھپائی کو نمایان طور پر نہیں دکھا سکا لیکن پھر بھی دو صفحے کی سنہری چھپائی بہت دلکش ہے کہ دیکھنے سے نظر ہٹانیکو جی نہیں چاہتا۔ جنتری کے اوس جلدی ہی ایک نہایت دلچسپ تاریخی مضمون شاہان انگلستان کے حالات میں نظر آتا ہے جو حضور ملکہ معظمہ کے ہمنام گذرے ہیں جس میں ہر ایک کی تصویر بھی ہے۔ دوسرے دلکش اور پسندیدہ مضمون جو مرتب نظر ہے جسمین جناب حضور ملکہ معظمہ کی مختلف عمر کی تصویرین دی گئی ہیں۔ اس مضمون میں جو رنگین اور سنہری کام ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اوسکا اندازہ بلا دیکھے نہیں ہوسکتا۔ اسکے بعد ملکہ معظمہ کی تاجپوشی اور انکی عمر کے بعض تاریخی حوادث پر دو مضمون دلچسپ ہیں۔ ملکہ معظمہ کی عمدہ تصویر بھی موجود ہے۔ یکی زبان خیمہ کا حصہ بھی معمول کے موافق ہے اور تصویر والا کاغذ بھی بیچ میں لگا ہے اور چھپائی لکھائی کی صفائی محتاج بیان نہیں ہے۔ ان تمام خوبیوں پر لکھ دینے سے قیمت میں حیرت انگیز کمی بھی ہے۔ درخواست خریداری میں درجہ اول کا لفظ لکھنا ضرور چاہیئے۔

مسدس قیس

جناب مولوی حکیم نصیر الحق صاحب قیس آوری کے یہ دو مسدس ہیں جو انہوں نے ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء کے جلسہ ندوۃ العلماء میں پڑھکر سنائے تھے۔ ان دونوں مسدسوں کے دیکھنے سے مولوی صاحب کی قادر الکلامی کا عمدہ ثبوت ملتا ہے۔ تنزل اسلام کے وجوہ اور علماء کی تعریف نہایت عمدگی سے کی ہے اور اسلام کی حالت کو اچھی طرح دکھلایا ہے۔ کہ علماء کی گوشہ نشینی پر قوم کا بگڑنا اور سنورنا موقوف ہے۔ یہ دونوں مسدس محمد عزیز الحق صاحب اوجوک مسجد سے ۲ کی قیمت پر مل سکتے ہیں۔ قومی نظموں کے مشتاق انہیں ضرور منگوا کر لطف حاصل کریں۔ جو حضرات شب و روز اپنا وقت عاشقانہ نظموں کے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں وہ دو گھنٹہ اس قومی نظم کو سننے میں بھی فکر کرکے اپنی حالت پر غور کریں۔

جناب مولوی محمد یوسف صاحب جعفری

کے ہم نہایت ممنون و مشکور ہیں، جو ابتداء سے اس رسالہ کے بڑے حامی رہے ہیں اور جنہوں نے نہ صرف اسے مالی مدد پہنچائی، بلکہ اسکے طبع و اشاعت کے انتظام میں کافی حصہ لیا، اور اسکے کہنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہے، کہ اگر مولوی صاحب اسکی انتظامی حالت میں مدد نہیں کرتے، تو ہم اپنی حالت کے ہاتھوں ہرگز رسالہ شایع نہیں کرسکتے۔ لسان الصدق مولوی صاحب کا جسقدر ممنون ہو کم ہے۔ نیز ذیل کے علم دوست اصحاب نے ابتداء سے اسے مالی مدد سے قوت پہنچائی ہے، اور ہم انکے نہایت ممنون و مشکور ہیں۔

جناب مولوی سید احمد حسن صاحب مرحوم و مغفور، جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت، جناب منشی حبیب النبی صاحب ثروت، جناب منشی محمد اکمل صاحب اکمل، انمیں پہلا نام نہایت دل دکھانے والا نام ہے اگر مرحوم آج بقید حیات ہوتے، تو رسالہ کو بہت ترقی ہوتی۔

ہادی المطابع [illegible] کلکتہ میں [illegible] چھپا

لسان الصدق

ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ مع محصولڈاک عہ۔ نمونے کے پرچہ کیلیے ۲ کا ٹکٹ آنا چاہیے

ایڈیٹر۔ ابو الکلام آزاد دہلوی

تمام خط وکتابت اور ارسال زر ایڈیٹر کے نام پر اس پتے سے ہو ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

کلکتہ

نمبر ۲	۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۶ء	جلد ۲

اُجرت طبع اشتہار

	سال بھر کیلیے	چھ ماہ کیلیے	تین ماہ کیلیے
صفحہ	۳۰	۲۰	۱۲
کالم	۱۶	۱۰	۶
نصف کالم	لعہ	۵	۳

ایک مرتبہ کیلیے فی سطر کالم بھر مشتہر کا نام اور پتہ بھی مضمون اشتہار مین داخل ہوگا، اُجرت ہر حالت مین پیشگی لی جاے گی، ایک صفحہ سے زائد اشتہار کیلیے بذریعہ خط وکتابت تصفیہ ہوگا۔

گزشتہ نمبر کاتب کی غلطی سے نہایت بے عنوانی سے لکھا گیا اور اسلیے نہایت بری ہیئت مین شایع ہوا جو لوگ ایسی بیسیون مکی حالت سے واقف ہین وہ ہمین معذور تصور فرماینگے۔ انشاء اللہ آیندہ کسی عمدہ پریس مین انتظام کیا

انجمن ترقی اردو
محمدن ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی مین

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ سنہ ۱۹۰۳ء جو جناب مولانا شبلی نعمانی سکرٹیری انجمن نے پیش کی، اوسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس انجمن نے اپنے سکرٹیری کی بدولت ان نو مہینون مین جو کوشش کی ہے، اور جسقدر عملی نتائج اوس سے پیدا ہوے ہین، وہ کانفرنس کی زندگی مین "پہلی کوشش سے" تعبیر کیے جا سکتے ہین۔ اس انجمن کے مقاصد کی تعمیل مین جسقدر زر کا دمہین، اور دقتین پیش آئین، اونکا سرسری اندازہ اس رپورٹ کے دیکھنے سے ہوسکتا ہے لیکن باوجود

ان مشکلات کے جسقدر کارروائی ہوئی ہے، اسکی ہرگز
ہمین توقع نہ تھی ؛ اکثر علمی کتابون کا ترجمہ ہوگیا ہے،
اور وہ پریس مین چھپنے کیلئے بھیجدی گئین ہین ۔
بہت سی کتابون کا ترجمہ ہو رہا ہے ؛ اور بہت سی
کتابین زیر تجویز ہین ؛ اکثر مصنفین کو مٹیرل بہم
پہنچا کر اونکی مدد کی گئی ہے ؛ بعض کتابین اصلاح
کرکے چھاپی جارہی ہین ؛ اردو زبان کے قواعد صرف
ونحو کا انتظام ہو رہا ہے ؛ ایک خاص کمیٹی علمی اصطلاحات
کا لغت اردو مین طیار کر رہی ہے ، جسکا آجتک
سرانجام نہ پانا علمی تراجم مین سخت رکاوٹ پیدا کئے
ہوے تھا ؛ اسی طرح اردو تصانیف کی ایک عمدہ
فہرست بھی طیار ہو رہی ہے ؛ جسکا حصہ تاریخ تکمیل
کو پہنچ چکا ہے ۔ مستقل خریدارون کی تعداد بھی
(۲۳۰) تک پہنچ گئی ہے ، جو اگرچہ اک بڑی تعداد
نہین ہے ، لیکن تاہم غنیمت ضرور ہے ۔ الغرض مولنا
شبلی بالقابہ کی بے بہا کوشش ضرور قابل تحسین
ہے ، کاش کہ کانفرنس کی اور شاخین بھی اسی طرح
کوشش کرتین ، تو کانفرنس کا وجود ہمارے
لئے رحمت الٰہی سمجھا جاتا ۔ لیکن افسوس اسی
کا ہے کہ اشخاص کانفرنس کی غفلتون سے کانفرنس
پر لے دے ہوتی ہے ، اور ہر سمت سے اسکا وجود ہی
فضول قرار دیا جاتا ہے ۔

یہ خبر نہایت مسرت کے قابل ہے ، کہ یمین السلطنت
حضور مہاراجہ کشن پرشاد مدار المہام ریاست
دکن نے کانفرنس بمبئی پر خاص توجہ فرمائی ، اور
پانچسو روپیہ فنڈ کی مدد کے لئے عنایت کیا ؛ کالج
اور کانفرنس پر اعیان آصفیہ کی اگرچہ ایک عرصہ
سے خاص توجہ ہے ، اور کالج کے در و دیوار حضور
نظام خلد اللہ ملکہ اور امراے دکن کی فیاضیون کی
زبان حال سے شہادت دے رہے ہین ، لیکن
کچھ عرصہ سے بعض بد باطن اور حاسد طبیعتون
کی یہ کوشش ہو رہی تھی ، کہ حضور نظام اور والیان
دولت آصفیہ کو اس قومی کالج کی طرف سے بدظن
کر دیا جائے ؛ اسلئے حضور مہاراجہ بہادر کا یہ عطیہ
اور یہ توجہ اس امر کی دلیل ہے ، کہ اس سے پہلے اس
اسلامی ریاست کی سرپرستی جسطرح قومی کالج
کے لئے باعث افتخار تھی ، اوس مین کسی قسم
کی کمی نہین ہوئی ہے ؛ اور بزرگان دکن کی
فیاضیان اب بھی اس قومی باغ کو سرسبز کرنے
کے لئے موجود ہین ۔

آجکل ریاض الاخبار گورکھپور اور
پیسہ اخبار لاہور مین جناب مولنا الطاف حسین
"حالی" کی شاعری کی متعلق اک فضول بحث
چھڑی ہوئی ہے ۔ اول تو عام ملکی اخبارون ،

مین اس قسم کی بحثون کا ہونا ہی اخباری مقاصد کے خلاف ہی - ایسی بحثین اگر مفید بھی تسلیم کرلی جائین تو یہ علمی رسائل کے لئے زیادہ موزون ہین، ریاض الاخبار اور اوس کے بعض مضمون نگارون کا یہ دعوا ہے، کہ مولٰنا حالی شاعری نہین جانتے، اُنہون نے بجای ترقی دینے کے شاعری کو اور بگاڑ دیا ہی، پیسہ اخبار اور اوسکے مضمون نگار، اسکے جواب مین وہ رائے ظاہر کرتے ہین، جس مین تمام ملک کے قابل اونکے ہم زبان ہین، یعنے مولٰنا حالی کا اردو شاعری پر بہت بڑا احسان ہی، انہون نے اوس مین نئی روح پھونکی، اوس کی اصلاح کی، اوسے حسن وعشق کی قید سے آزاد کیا، حالی کو قدیم تغزل کا دعوا نہین ہی، جس رنگ مین اُنہون نے قلم کا زور دکھلایا ہی، ملک کا کوئی شاعر اوسکا جواب لکھدے، اس مین کوئی شک نہین، کہ مولٰنا حالی کی شاعری کا اصلی منشا قومی دُکھڑے پر دو چار آنسو بہا لینا ہی، نہ اونہین اپنا زور قلم دکھانا مقصود ہی، نہ اپنی زبان کی خوبی پر اونہین ناز ہی، مختلف موقعون مین اونکی قومی فریادون نے جو اثر پیدا کیا ہی، وہ ہی اونکی شاعری کی غایت ہی، داغ اور جلیل کی ایک غزل لیکر حالی کے کلام سے مقابلہ کرنا سخت غلطی ہے، اگر داغ وجلیل اوس میدان کے مرد ہوتے، جہان حالی اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے لے گئے ہین، تو مقابلہ کوئی نسبت رکھتا، ورنہ ایک قومی شاعر کا کسی حسن وعشق کے مارے ہوے غزل گو سے مقابلہ کرنا نری احمقی ہے -

ایڈیٹر

اردو شارٹ ہینڈ رائٹنگ

ایک طرف تو ملک مین یہ شور ہو رہا ہی، کہ قوم مین اب ایجاد کا مادہ بالکل سلب ہوگیا ہی، ہم امور مین اغیار کے محتاج ہین، اور دوسری طرف اگر اتفاق سے کوئی ایسا گرانمایہ وجود اپنا وقت صرف کرکے کوئی ایجاد کرتا بھی ہی، تو قوم اوسکی خبر نہین لیتی، اور مالی کمزوری سے وہ خود اوسکی اشاعت نہین کرسکتا، حال مین جناب منشی غلام رسول صاحب ایڈیٹر "انقلاب" بمبئی نے نہایت محنت سے اردو زبان مین مختصر نویسی کا فن تکمیل کو پہنچایا ہی، اور ایک بڑی ملکی ضرورت پوری کی ہی، اونہون نے اسکا کورس بھی طیار کیا ہی، اور وہ اسکی اشاعت کے لئے قوم امداد کے ملتجی ہین، ہمین امید ہی، کہ ضرور منشی صاحب کے اس ایجاد کی قوم قدر کریگی اور مالی مدد پہنچاکر اونہین اس امر کا موقعہ نہ دے گی کہ وہ دوسری نیابتن قوم کے آگے امداد کے ملتجی ہون، اور ہماری سخت بے خبری ثبوت کو پہنچے -

مضمون

متعلق رپورٹ سالانہ انجمن ترقی اردو شاخ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بابت سنہ ۱۹۰۳ء

جسے شمس العلماء مولنا شبلی نعمانی سکرٹری انجمن نے ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی مین پیش کیا

جناب صدر انجمن!

مین انجمن اُردو کی سالانہ رپورٹ جناب والا کی خدمت مین پیش کرتا ہون جس سے ظاہر ہوگا کہ انجمن نے اس مدت مین کہان تک کامیابی حاصل کی۔

لیکن چونکہ انجمن کی کارروائی کے سلسلے مین ملک کے اکثر اہل الراے کے خیالات معلوم ہوئے ہین، اور اس مدت تک ملک کے تمام اہل قلم سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مین رپورٹ پیش کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرون کہ انجمن اُردو کی کیون ضرورت ہے؟ اور اس مین کامیابی کی امید ہوسکتی ہے یا نہین؟ اور ہوسکتی ہے تو کن وسائل اور اسباب سے؟

اوّل وہلہ مین آپ کو خیال ہوگا کہ انجمن اُردو کی ضرورت ایک مسئلہ مسلمہ ہے اور کم از کم یہ کہ اس مسئلہ پر اگر گفتگو کی ضرورت تھی تو سال بھر پہلے تھی نہ اب، جب کہ تمام ملک مین انجمن کے عملی کارروائی کا سلسلہ پھیل گیا ہے۔

لیکن مجھکو انجمن کی ضرورت کے متعلق عام خیال سے کچھ الگ کہنا ہے، اس لئے آپ معاف فرمائین اگر مین اس داستان کو ایک دفعہ آپ کے سامنے دہراؤن۔

مین اس پہلو پر بحث نہین کرتا کہ چونکہ ہر قوم کی ترقی اس پر موقوف ہے کہ علوم و فنون اسکی زبان مین آجائین، اس لئے اردو مین علوم و فنون جدیدہ کے ترجمہ کی ضرورت ہے؛ بلکہ مین ایک دوسرے پہلو سے انجمن اُردو کی ضرورت پر بحث کرتا ہون۔

یہ بات علانیہ نظر آتی ہے کہ قوم کا ممتاز حصہ جدید تعلیم مین مصروف ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ یہ بدیہی ہے کہ جدید تعلیم خود اس قدر مشکل دیر طلب، اور طویل الذیل ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری تعلیم جمع نہین ہوسکتی، اس صورت مین ہماری قومی، مذہبی، اور تاریخی معلومات کے ابقاء کا کیا ذریعہ ہے! کیا یہ پسندیدہ ہے کہ ہم

صرف انگریزی تعلیم حاصل کرین اور اپنی قوم کی تعلیم سے، مذہب سے، علوم سے، بالکل بے پروا ہو جائین؟ اچھا، پھر اِن کے بقا کی کیا تدبیر ہے؟ صرف یہ کہ ان چیزون کو ترجمہ کے ذریعہ سے اردو زبان مین منتقل کیا جائے یا اِن مضامین پر اردو مین مستقل تصنیفات لکھی جائین۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کے لئے اپنے قومی علوم و فنون اور مذہب سے واقف ہونے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ یہ علوم اصلی سے، ملکی زبان مین لائے جائین۔

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونون کام یعنی ایشیائی اور مغربی علوم و فنون کا ترجمہ اور تالیف خود ہو رہے ہین اور اس کے لئے کسی انجمن کے قائم کرنے کی ضرورت نہین؛ عربی، سنسکرت، اور فارسی کی سیکڑون کتابین ترجمہ ہو چکین اور ہوتی جاتی ہین؛ انگریزی تصنیفات کا بھی ایک معتبر حصہ ملکی زبان مین آگیا ہے اور آتا جاتا ہے ملک مین سیکڑون ہزارون مترجم پیدا ہو گئے ہین جنکا مشغلۂ زندگی یہی ہے۔ یہ سوال واقعی لحاظ کے قابل ہے اور اس سوال کا جواب دینا ایک بہت بڑے عقدہ کو حل کرنا ہے۔

بے شبہہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ بہت سی ایشیائی اور مغربی تصنیفات ملکی زبان مین منتقل ہو گئی ہین لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کتابین کس درجہ کی ہین

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک مین اس مسئلہ کی طرف لوگون کو علم نے نہین، بلکہ ضرورتِ معاش نے متوجہ کیا ہے، اس لئے کام کرنیوالے اسی اصلی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہین، وہ یہ دیکھتے ہین کہ کن چیزون کے ترجمے یا کس قسم کی تصنیفات مذاقِ عام کے موافق ہین اور جلب زر کا ذریعہ بن سکتی ہین۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس علمی پیداوار کا بڑا حصہ (جو کل کے قریب قریب ہی) ناول، ادنیٰ درجہ کی تاریخین اور سوانح عمریان ہین۔ کسی اشتہاری کتب فروش کی فہرست کو پڑھو، تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی آدمی، سوانح عمری کے انعامات سے محروم نہین رہا۔ لیکن یہ سوانح عمریان کس درجہ کی ہین؟ اسکا آپ خود فیصلہ کر سکتے ہین۔ علوم و فنون کی بعض کتابین ترجمہ ہوئی ہین، وہ کتابین فی نفسہ اچھی بھی تھین لیکن قابل لحاظ یہ ہے کہ ترجمہ کیسا ہوا؟ کیا مترجمین واقعی کامل استعداد رکھتے تھے؟ کیا ترجمہ کی دنیا مین اِن لوگون کی کچھ شہرت تھی؟ کیا اِن ترجمون کو شائع ہونے سے پہلے کسی مُبصر جماعت نے تنقید کی نظر سے دیکھ لیا تھا؟ بے شبہہ اِن خزف ریزون مین ایک آدھ جواہر بھی نکل آتے ہین، لیکن وہ کالعدم ہین۔

اِن حالات کے معلوم ہونے کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ ایک ایسی مستقل انجمن کی ضرورت ہے جسکو اسکی کچھ پروا نہو کہ ملک کا اور عوام کا مذاق کیا ہے؟ بلکہ اسکو صرف یہ مطمح نظر ہو کہ ملک مین کس قسم کا مذاق پیدا کرنا چاہیئے اور ملک کی علمی زندگی کی ترقی کے لئے کس قسم کی تصنیفات اور تراجم کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ یہ انجمن ایسے افراد سے مرکب ہو جو ایشیائی اور مغربی علوم کے ماہر ہون اور تصنیفات و تراجم پر ناقدانہ اور آزادانہ راے دے سکتے ہون۔

ملک کے اور حصون مین اس قسم کی انجمنین قائم ہوگئی ہین، اور علمی زبانون سے علوم و فنون کا ذخیرہ ملکی زبان مین آگیا ہے۔ بنگالی زبان اب ایک کامل علمی زبان بنگئی ہے جس مین ہر قسم کی علوم و فنون جدیدہ کی کتابین مہیا ہوگئی ہین، ہندی زبان مین ابھی حال ہی سائنٹفک ڈکشنری سات جلدون مین تیار ہوئی ہے جسکی تفصیلی کیفیت پائنیر مین شائع ہوچکی ہے مرہٹی زبان کی ترقیان محتاج بیان نہین، صرف ایک اُردو زبان ہے جو باوجود عام زبان ہونے کے علمی تصنیفات اور خصوصًا علوم و فنون جدیدہ سے بالکل محروم ہے۔

اکثر یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ علوم و فنون جدیدہ کی تصنیفات اس کثرت سے ہین کہ انکے ترجمے کا قصد کرنا گویا آب دریا بہ گز پیمودن ہے لیکن یہ شبہہ ایک وہم باطل ہے، ہر فن مین گو بہت سی تصنیفات ہوتی ہین لیکن اُمہات الکتب دو چار سے زیادہ نہین ہوتین، اس لئے ان کتابون کا ترجمہ ہونا کافی ہوسکتا ہے۔

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی ضرور ہے کہ گو ملک مین علوم و فنون کے مترجم یا مصنف بہت کم نظر آتے ہین، اور اس سے یہ بددلی پیدا ہوتی ہے کہ انجمن اگر قائم بھی ہوئی تو قابل مصنف اور مترجم کہان سے ہاتھ آئینگے لیکن اس مدت کے تجربے نے ثابت کردیا کہ ملک ایسے قابل اشخاص سے خالی نہین لیکن چونکہ ملک کا عام مذاق انکی قابلیت کی قیمت نہین ادا کرسکتا اس لئے وہ گوشۂ گمنامی مین پڑے ہین، ان مین سے بعض ایسے ہین جنکے پاس تصنیف تالیف کا سرمایہ نہین، بعض ایسے ہین جو سرمایہ رکھتے ہین لیکن ملک کے مذاق کے لحاظ سے انکو یہ توقع نہین کہ انکی تصنیف یا تالیف رواج حاصل کرسکیگی۔

انجمن کا بڑا کام انھی قابل جوہرون کا پتہ لگانا، اور انکی قابلیت سے کام لینا ہے۔

اِس تمہید کے بعد، اب مین، انجمن کی رپورٹ کیطرف متوجہ ہوتا ہون۔

یہ انجمن ۴- جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو بمقام دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس مین قائم ہوئی اور بزرگان ذیل اسکے عہدہ دار اور کارکن قرار پائے۔

صدر انجمن

ٹی ڈبلیو آرنلڈ اسکوائر پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

نایب صدر

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد خان صاحب ال۔ ال۔ ڈی۔

مولانا الطاف حسین صاحب حالی۔

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب۔

سکرٹری

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

اسسٹنٹ سکرٹری

مولوی حامد علی صاحب صدیقی سہارنپوری

۵- جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو کانفرنس ہی کے ایک پرایوٹ اجلاس مین انجمن کے لئے ایک مختصر دستور العمل کا مسودہ طیار کیا گیا، لیکن چونکہ یہ مسودہ محض سرسری طور پر طیار ہوا تھا، اور اجلاس کانفرنس کے ختم ہونے کے ساتھ تمام ارکان دور دراز مقامات پر چلے گئے تھے، مسودہ کی درستی اور اصلاح مین خط کتابت کے ذریعہ سے ایک مدت صرف ہوگئی، یہان تک کہ ۹- اپریل ۱۹۰۳ء کو دستور العمل مذکور چھپ کر شایع ہوا اور در اصل انجمن کے قیام کی تاریخ اسی دن سے شمار کرنی چاہیئے۔ اس لحاظ سے یہ رپورٹ سالانہ نہین بلکہ ہشت ماہہ رپورٹ ہے۔

۱- انجمن کا سب سے پہلا کام ملک کو اپنے مقاصد کی طرف متوجہ کرنا اور یہ دریافت کرنا تھا کہ جو مقاصد انجمن کو پیش نظر ہین ملک اسکے لئے طیار ہے یا نہین، چنانچہ نہایت کثرت سے خطوط چھپوا کر شایع کئے گئے، اخبارات وغیرہ سے مدد لی گئی، ممتاز بزرگون کی خدمت مین خاص طرح پر تحریک کی گئی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ہر طرف سے لبیک کی صدائین آئین، ملک کے ہر فرقہ نے بلا تخصیص مقاصد انجمن کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔

ابتدا مین ہندو صاحبون کو بطور خود یہ غلط خیال پیدا ہوا کہ انکو انجمن کی شرکت سے علیحدہ رکھا گیا ہے چنانچہ ایک ہندو اخبار نے اس کا اظہار بھی کیا لیکن جب اس کے جواب مین سکرٹری کی ایک تحریر اسی اخبار مین شائع ہوئی تو ہندو صاحبون کے دل سے یہ شبہہ جاتا رہا اور سب سے پہلے جناب آنریبل رائے نہال چند صاحب رئیس مظفر نگر نے انجمن کی ممبری قبول کرنے کی اطلاع دی

ملک مین جسقدر ممتاز و نام آور بزرگ ہین مثلاً آنریبل نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی، نواب محسن الملک، بدر الدین طیب جی صاحب جج ہائی کورٹ بمبئی، مشیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسین صاحب، سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا، خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج عدالت خفیفہ، خان بہادر مولوی عبد الغفور صاحب وزیر ریاست رامپور،

ان تمام بزرگون نے خوشی کے ساتھ ممبری قبول کی۔ انگلش جنٹلمینون نے بھی انجمن کی طرف توجہ ظاہر کی چنانچہ ڈبلیو بیل صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے انجمن کا رکن اعزازی ہونا منظور کیا۔

(شمس العلما) محمد شبلی نعمانی۔

ہمنے نہایت مسرت سے یہ خبر سنی کہ حضور نواب صاحب بہاولپور نے ہمارے مکرم دوست شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے کو چند سو روپیہ "ابزرور" کی ترقی کے لئے عنایت فرمائے ہین۔ ہم دلی مسرت سے شیخ صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہین۔ (ایڈیٹر)

انتقاد

حیات جاوید

[سر سید احمد خان کی لائف]

گو کہ "حالی" اگلے استادون کے آگے ہیچ ہے +
کاش ہوتے ملک مین ایسے ہی اب دو چار ہیچ

مولنا خواجہ الطاف حسین صاحب "حالی" کا دراصل قوم پر اور قوم کی زبان پر یہ بہت بڑا احسان ہے، کہ اونہون نے برسون کی جانکاہ محنت سے "حیات جاوید" جیسی بیش بہا کتاب طیار کرکے، اردو زبان مین ایک ملی اضافہ کیا۔ اس کتاب کا ہیرو جیسا اک مہتم بالشان شخص ہے، ویسا ہی اس کتاب کا جامع بھی ہندوستان کا مسلّم عالی دماغ مصنف ہے! اسلئے ایسی مہتم بالشان کتاب پر ملک کے لائق اہل قلم کو توجہ کرنی تھی، اور منصفانہ انتقاد سے کتاب کے حسن و قبح کو قوم پر ظاہر کرنا تھا لیکن برخلاف اسکے نہایت تعجب سے یہ بات دیکھی گئی ہے، کہ تمام اردو اخبارات خاموش رہے، اور ریویو لکھنے کے لئے کسی نے قلم نہین اوٹھایا۔ ہمارے نزدیک اگر اس بات پر غور کیا جائے۔ کہ اخبارات مین آجکل اونہین کتابون کا ریویو ہوتا ہے، جو اس غرض سے ایڈیٹر کے پاس بھیجی جاتی ہین اور

اون مین ابھی یہہ علمی مذاق پیدا نہین ہوا ہے
کہ ایسی ضروری کتابون کو اپنے صرف سے منگوا کر
اون پر ریویو کرین، تعلیم یافتہ جماعت جنسے
کچھ اسکی توقع ہو سکتی ہے، اپنے مشاغل مین
ایسی منہمک ہے، کہ اوسے ایسی ضرورتون کا احساس
ہی نہین ہے۔ تو یہ تعجب فوراً رفع ہو سکتا ہے۔
مولنٰنا کے قلم سے نکلی ہوئی کتاب شہرت کے لئے
کسی ریویو کی محتاج نہین ہے، کہ اوسکے سیکڑون
نسخے صرف ریویو کے لئے بلا قیمت اخبارات مین
تقسیم کئے جاتے، پبلک کی توجہ کے لئے کسی کتاب
کے ٹائیٹل پیج پر صرف "مصنفہ حالی" کا ہونا
کافی ہے۔

اس تقریباً دو سال کے عرصہ مین صرف تین ریویو
ہماری نظر سے گذرے ہین۔ جنمین سے پہلا ریویو
"مولوی وحید الدین صاحب سلیم" پانی پتی ایڈیٹر
کا لکھا ہوا "معارف" مین شایع ہوا تھا، جو
غالباً "علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مین بھی نقل
کیا گیا تھا۔ دوسرا ریویو "مولوی حبیب الرحمن
خان" صاحب رئیس بھیکم پور نے تحریر فرمایا
تھا جو "انسٹیٹیوٹ گزٹ" مین شایع ہو کر ایک
رسالہ کی صورت مین شائع کیا گیا۔ تیسرا ریویو
حال مین ہمارے مکرم دوست شیخ عبد القادر
صاحب بی۔ اے۔ نے مخزن نمبر ۱ جلد ۶
اور مخزن نمبر ۲ جلد ۶ مین مسلسل شایع
کیا ہے، جس مین اونہون نے نہایت صفائی
سے اپنی اصلی راے ظاہر کی ہے، اور کرٹسزم کے
طریقے سے اکثر موقعون پر کام لیا ہے، اس ریویو
کے دیکھنے سے ہمین بڑی مسرت ہوئی، کہ قوم
مین اب آزادی راے پیدا ہونے لگی ہے،
اور "اپنی راے ظاہر کرتے ہوے مخاطب کا،
گو وہ کیسا ہی مشہور اور باعظمت کیون نہو،
کچھ خیال نہ کرنا" قوم نے سیکھنا شروع کر دیا ہے،
جسکا عمدہ نمونہ شیخ صاحب کا یہ ریویو ہے۔ جسمین
اونہون نے فی الواقع اُس عزت اور عظمت کی جو
خود اونکے اور ہر ایک علم دوست کے دل مین
مولنٰنا کی موجود ہے کچھ پروا نہین کی ہے
اور "حیات جاوید" پر دل کھول کر اعتراضات
کیے ہین، بیشک! اسی کا نام شخصی تنقید ہے
اور یہی وہ اصلی ریویو ہے جسکی "لسان الصدق"
قوم سے تمنا رکھتا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ ساتھ ہی اسکے ہم شیخ صاحب
کے اعتراضات تسلیم نہین کر سکتے، اونہون نے
اکثر اعتراضون مین سخت زیادتی کی ہے، جسکا
گو اونہین احساس نہ ہوگا۔ مگر ہماری نظرین
محسوس کر رہی ہین، اس لئے ہم چاہتے ہین
کہ جس طرح ہمارے دوست نے آزادی سے

"حیات جاوید" پر تنقید لکھی ہے، ویسے ہی ہم بھی اپنی اصلی رائے بلا کسی خیال کے ظاہر کرین - امید ہے کہ شیخ صاحب اِسے اوسی نظر سے ملاحظہ فرمائینگے، جس منصفانہ نگاہ سے ایک تنقید کو دیکھنا چاہیے:

لیکن قبل اسکے کہ ہم شیخ صاحب کے انتقاد پر انتقادی نظر ڈالین، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت بھیکم پوری کی تنقید پر ایک منصفانہ نظر ڈالی جائے! اس لئے کہ اونکے اعتراض "شیخ صاحب" کے اعتراضات سے بہت بڑھے ہوے ہین، شیخ صاحب کا دعوا ہے کہ "حیات جاوید ایک مکمل لائف کا دعوا نہین کرسکتی، اوسکی طرز عبارت، اور عبارت بہت کچھ قابل اصلاح ہے" اور اِس سے ظاہر ہے کہ انکے اعتراضات بیان واقعات اور ادب اردو سے تعلق رکھتے ہین؛ لیکن حضرت بھیکم پوری کی تمام تنقید کا حاصل یہ زور و شور کا اعتراض ہے کہ "سر سید کی مذہبی حالت پر نظر ڈالتے ہوے، مولانا حالی نے اونکی سخت پاسداری کی ہے، اور ہر جگہ اونکی رائے کو معقول دکھلانا چاہا ہے، اور اونکی تعریف مین سخت مبالغہ سے کام لیا ہے" چونکہ یہ اعتراض ایک مصنف لائف نویس پر واقعی سخت الزام ثابت کرتا ہے، اگر شیخ صاحب کے اعتراضات سے مولانا لائف نویسی اور لائف کے طرز بیان مین ناقص ثابت ہوتے ہین، تو حضرت کے اعتراضات سے وہ ایک سخت سرقہ کے جوابدہ ہوتے ہین - بیشک! ہیرو کے محاسن بیان کرنے مین ایسا انہماک! کہ اوسکی غلطیون کے چھپانے مین کوشش کی جائے؛ لائف نویس کی حق گوئی سے خاموشی ثابت کرتا ہے! اس لئے ضرور ہے کہ پہلے حضرت بھیکم پوری کے اس الزام پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ اس الزام دینے مین کہانتک [illegible] فاضل شروانی نے سچائی سے کام لیا - [illegible] مانے حیات جاوید کے دیباچہ مین لائف نویسی کے متعلق خود یہ رائے ظاہر کی ہے "کہ سر سید احمد مرحوم جیسے نقاد شخص کی لائف مین جسکی تمام علمی زندگی انتقاد علمی و مذہبی مین گذری ہے؛ یہ ضروری بات ہے کہ؛ اونکے واقعات زندگی پر بھی ویسی ہی تنقیدی نظر ڈالی جائے! اور ہیرو کے عیوب ظاہر کرنے مین کچھ تامل نہ کیا جائے! چنانچہ وہ صف طبع اول مین لکھتے ہین کہ "ہمنے جو دو ایک مضمون کا حال آپسے پہلے لکھا ہے، اوسمین جہانتک ہمکو معلوم ہوسکین، اونکی اور اون کے کلام کی خوبیان ظاہر کی ہین، اور اونکے پھوڑون کو کہین ٹھیس نہین لگنے دی؛

لیکن اول تو ایسی "بایوگریفی" چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہین رکھتی؛ اسکے سوا وہ انہین لوگون کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے، جنہون نے اس موج خیز اور پرآشوب دریا کی منجدھار مین اپنی ناؤ نہین ڈالی؛ اور کنارے کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا اُترے، انکو سب نے بھلا جانا، کیونکہ انکو کسی کی بھلائی بُرائی سے کچھ سروکار نہ تھا؛ وہ کہین نہین بھولے؛ کیونکہ اُنہون نے اگلی بھیڑون کی لیک سے کہین ادھر اُدھر قدم نہین رکھا۔ لیکن ہمکو اس کتاب مین اُس شخص کا حال لکھنا ہے، جس نے چالیس برس برابر تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے، تقلید کی جڑ کاٹی ہے؛ بڑے بڑے علماء و مفسرین کو لتاڑا ہے، اماموں اور مجتہدون سے اختلاف کیا ہے؛ قوم کے پکے بھوڑون کو چھیڑا ہے، اور اُنکو کڑوی دوائین پلائی ہین، جسکو مذہب کے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے، تو دوسرے نے زندیق کا خطاب دیا ہے؛ اور جسکو پالیٹیکس کے لحاظ سے کسی نے نام سرد سمجھا ہے، تو کسی نے نہایت راستباز لبرل جانا ہے۔ ایسے شخص کی لائف چپ چاپ کیونکر لکھی جاسکتی ہے؟ ضرور ہے کہ اوسکا سونا کسوٹی پر کسا جاے، اور اُسکا کھرا پن ٹھوک بجا کے دیکھا جائے، وہ ہم مین پہلا شخص ہے جسنے مذہبی لٹریچر مین نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے؛ اسلیئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اوس کی لائف مین اوسکی پیروی کی جائے"۔

مولانا نے اس عبارت مین ظاہر کر دیا ہے، کہ اونھون نے یہ لائف کس قدر احتیاط سے لکھی ہے۔ اس عبارت کو دیکھنے والا فی الحقیقت حضرت بیگم پوری کی تنقید دیکھکر محو حیرت ہوگا، کہ جو شخص دیباچہ مین یہ دعوا کر رہا ہے، جس شخص نے یہ مضمون لکھکر ناظرین کو اس پہلو پر خود توجہ دلائی ہے، وہ آگے چلکر لائف نویسی کے اصلی اصول سے اس قدر بھٹک جائے! اور ہیرو کی محبت مین ایسا محو ہو جاے کہ اوسے دیباچہ کے اس دعوی کا "جسے خود وہ اپنے ہاتھون غلط ثابت کر رہا ہے" کچھ خیال نہ رہے، اور بقول حضرت بیگم پوری کسی مقام پر وہ ہیرو کی غلطی کا اقرار نہ کرے۔ لیکن جب وہ "حیات جاوید" کی ورق گردانی کرے گا، اور متعدد موقعون مین ایسے مضامین دیکھیگا، جس مین سرسید کی غلطیان اور بالخصوص مذہبی غلطیان صاف لفظون مین سختی کے ساتھ ظاہر کی گئین ہین، تو وہ کبھی حیات جاوید پر نظر ڈالے گا، اور کبھی حضرت بیگم پوری کی قوت ایمانی پر، اور تعجب سے پکار

اوٹھے گا۔ کہ جو جیسے حضرت بھیکم پوری ظلمات کا دیو ثابت کر رہے ہین، وہ ہی نورانیت کا مقدس فرشتہ نظر آرہا ہی!!

واقعی ہمین تعجب پر تعجب ہوتا ہے، جب ہم غور کرتے ہین کہ حضرت بھیکم پوری کے کانشنس نے اونہین کیونکر اس صاف غلط گوئی کی اجازت دی، اور اونکی اعلیٰ درجہ کی ایمانی قوت کیون اس بیجا جرأت سے مانع نہین ہوئی، کہ اونہون نے بلاتامل دعوا کر دیا۔" مولٰنا حالی نے اس لائف مین سرسید کی بیجا طرفداری کر کے اُنکی ہی غلطیون سے چشم پوشی کی ہے! کیا وہ یہ سمجھے ہوے ہین کہ میرے اس لکھنے کو لوگ صرف میرے تقدس کی وجہ سے تسلیم کر لین گے؟ کیا اونہین یہ خیال نہین ہوا کہ سیکڑون نسخے حیات جاوید کے تعلیم یافتہ جماعت مین منتشر ہوے ہین، اور جو اونکے پیش نظر ہین! کیا وہ اپنی قوت تمیز کی مدد سے اس امر کا فوراً فیصلہ نہین کر لین گے، کہ حضرت کا دعوا کہان تک سچا ہے؟!!

غالباً حضرت بھیکم پوری نے جوش مخالفت مین اُن اوراق پر نظر ہی نہین ڈالی ہے، اور حیات جاوید کا اک سرسری مطالعہ کر کے تنقید کے لئے قلم اوٹھایا ہی؛ ورنہ کیا یہ دیانتداری کے خلاف نہین ہو سکتا کہ دانستہ ایسا خلاف دعوا کر کے عوام کو بدظن کیا جائے! اسپر زیادہ افسوس اس امر کا ہوتا ہی، کہ اگر حضرت بھیکم پوری نے تنقید کے لئے کتاب کا سرسری مطالعہ کافی سمجھا ہے، تو غالباً تنقید یا ریویو پر انہون نے غور ہی نہین کیا، اور اسکے اصلی ضروری اصول سے مطلع ہی نہین ہوے؛ ورنہ وہ اپنی ریویو مین اس سرسری مطالعہ کا پتہ نہ دیتے۔

حضرت بھیکم پوری کا دعوا اور مولٰنا حالی کا دعویٰ دونو آپ پڑھ چکے ہین، اب ہم اپنے دعوے کے ثبوت مین حیات جاوید کے وہ مختلف مقامات دکھلاتے ہین، جہان سرسید کی مذہبی خدمات پر بحث کرتے ہوے مولٰنا نے سرسید کی غلطیون کا اقرار کیا ہی یا اونکی راے تسلیم نہین کی ہے اس سے معلوم ہو جائیگا کہ حضرت کا دعوا صحیح ہے، یا مولٰنا کا! اور مولٰنا نے سرسید کی بیجا طرفداری کی ہے، یا جن باتون کو وہ اپنی تحقیق مین غلط سمجھتے تھے انہون نے نہایت صفائی سے ظاہر کر کے لائف نویسی کا فرض ادا کیا ہے۔

حیات جاوید مین تفسیر القرآن پر دو مقام پر بحث کی ہے: پہلے حصہ مین اجمالی طور پر صفحہ (۲۲۴) سے صفحہ (۲۳۴) تک، اور دوسرے حصہ مین مفصل بحث صفحہ (۲۰۶) سے صفحہ (۲۳۹) تک کسی قدر بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔

اسکے سوا سر سید کی مذہبی حیثیت پر اور متعدد
مقامات مین بھی بحث کی ہے، اسلئے انہین مقامات
سے ہم دو تین عبارتین یہان نقل کرتے ہین۔

(۱) "اُس تفسیر کے مضامین پر ہم دوسرے
حصہ مین بحث کرینگے، یہان صرف اسقدر لکھا
جاتا ہے، کہ اگرچہ سر سید نے اس تفسیر مین جابجا
ٹھوکرین کھائی ہین، اور بعض بعض مقامات پر
اُنسے رکیک لغزشین ہوئی ہین؛ باایںہمہ اس
تفسیر کو ہم انکی مذہبی خدمات مین اک نہایت
جلیل القدر خدمت سمجھتے ہین" (حیات جاوید
حصہ اول صفحہ ۲۳۲)

(۲) دوسرے حصہ مین جہان اس تفسیر پر
پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، اور اسکی بعض
خصوصیتین خاص طور پر دکھلائی ہین، مولنٰنا
اس امر کو صاف لفظون مین تسلیم کرتے ہین کہ سر سید
نے غلطیان کی ہین، چنانچہ وہ لکھتے ہین۔
"یہ ممکن نہین کہ (تفسیر القرآن مین) کچھ لغزشین
نہ ہوئی ہون، لیکن ایسے مستثنیات سے تفسیر
کی خوبی زایل نہین ہوسکتی" (حیات جاوید
حصہ دوم صفحہ ۲۳۹)

(۳) یہ تو صرف سر سید کی مذہبی تحقیق کے
متعلق تفسیر پر بحث کرتے ہوے رائے ظاہر
کی ہے، اسکے سوا ایک اور موقع پر اس سے زیادہ
سختی کے ساتھہ سر سید کے متعلق لکھتے ہین۔ کہ
"باایںہمہ اس بات سے انکار نہین ہوسکتا، کہ آخر
عمر مین سر سید کی خود رائی، یا جو وثوق کہ اونکو
اپنی رایون پر تھا، وہ حدِ اعتدال سے بڑھ گیا
تھا، بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان
کرتے تھے جنکو سنکر تعجب ہوتا تھا، کہ کیونکر ایسا
عالی دماغ آدمی ان کمزور اور بودی تاویلون
کو صحیح سمجھتا ہے! ہرچند کہ انکے دوست اُن
تاویلون پر ہنستے تھے۔ مگر وہ کسی طرح اپنی رائے
سے رجوع نہ کرتے تھے، کالج کے متعلق بھی اخیر زمانہ مین
انسے بعض امور ایسے سرزد ہوے، جنکو لوگ تعجب
سے دیکھتے تھے؛" (حیات جاوید حصہ دوم صفحہ ۵۲۲)

ان مقامون کے دیکھنے کے بعد غالباً اب تو
ہر شخص خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ مولنٰنا نے اپنے
قول کے مطابق واقعی منصفانہ طریقہ سے لایف
لکھی ہے، یا انہون نے بقول حضرت بھیکم پوری بددیانتی
سے کام لیا ہے؟! ہان یہ ضرور ہے کہ سر سید نے اپنی
تفسیر کی بنیاد جس اصول پر رکھی ہے، اوس سے
مولنٰنا متفق ہین۔ اسلیئے یہ کیونکر ہوسکتا تھا
کہ مولنٰنا حالی حضرت بھیکم پوری یا انکی ہمخیال
اور علماء مقدسین کو خوش کرنے کے لیئے
اصولاً بھی سر سید سے اختلاف ظاہر کرتے؟
سر سید کی (فی الحقیقت بقول مولنٰنا) ایک

ایسی ذات ہی ہے ایک جماعت نے اگر مذہب کے لحاظ سے صدیق کہا ہے، تو دوسری جماعت نے اسی لحاظ سے زندیق کا خطاب دیا ہے۔ ایسی حالت مین اگر اس جماعت کا ایک شخص جو سرسید کو صدیق سمجھتی ہے، سرسید کی لائف لکھے گا، تو یہ ضرور ہی کہ وہ اسے صدیق ہی دکھلائیگا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اس خیال سے کہ "لایف نویس کو ہیرو کے عیوب اور مسامحات بھی دکھلانے چاہئین" خواہ مخواہ ہیرو کو زندیق ثابت کرے؟ یا یون سمجھئے کہ اگر ایک شخص جو سرسید کو زندیق خیال کرتا ہی، حیات جاوید لکھتا، تو کیا او سپر حالی اعتراض کر سکتے تھے۔ کہ سرسید کو اسمین زندیق ثابت کرنے کی کیون کوشش کی گئی ہے؟ اسلئے کہ لایف نویس یہی راے رکھتا ہے، اور اوسے اپنی راے پر کامل اعتماد ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ حضرت بھیکم پوری سرسید کو تفسیر لکھنے کا استحقاق نہین دینا چاہتے، اور مولنا حالی حیات جاوید مین سرسید کو سب سے بڑا مستحق اسکا ثابت کرتے ہین۔ ایسی حالت مین حضرت تو جبھی خوش ہوتے جبکہ مولنا بھی یہی خیال لائف مین ظاہر کرتے، لیکن مولنا کو اس کی کوئی ضرورت نہی کہ جس امر کو وہ حق سمجھتے ہین، اوسے کسی مولوی یا مولنا کے خوف سے ظاہر نہ کرتے، اور اونکے خوش کرنے کے لئے لکھ دیتے کہ "سرسید کو تفسیر لکھنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا"۔

(باقی آیندہ)

ابو الکلام آزاد دہلوی ایڈیٹر

معزز ہمعصرون اور خریداران "لسان الصدق" سے عرض ہے

کہ وہ مبادلے کے پرچے بھیجنے اور خط کتابت کرنے مین صرف ایڈیٹر "لسان الصدق۔ کلکتہ" نہ لکھا کرین، بلکہ پتے مین

"تاراچند دت اسٹریٹ ۱۶۔ کلکتہ"

ضرور لکھ دیا کرین۔ چونکہ یہ ایک رسالہ ہی، اور اخباری حیثیت نہین رکھتا، اس لیئے ڈاکخانے مین اس کی رجسٹری نہین کی گئی ہے، اور نہ ابھی اس نے ایسی عام شہرت حاصل کی ہی، کہ کلکتہ جیسے آباد شہر مین پتے کے لئے صرف "کلکتہ" کا لفظ لکھ دینا کافی ہو۔

مینجر "لسان الصدق"

ملکی زبان سے غفلت

ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت کو ہمیشہ یہ الزام دیا جاتا ہے، کہ وہ ولایت کی یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کرکے۔ بجائے اسکے کہ اپنی ملکی زبان میں بھی ترقی کرکے اپنے جدید معلومات سے اوسے فائدہ پہنچائیں، وہ اپنی ملکی زبان سے متنفر ہوجاتے ہیں؛ حالانکہ اونکا غیر اقوام کی زبانوں سے اسقدر واقف ہونا، اور اپنی ملکی اور مذہبی زبانوں سے غفلت کرنی، کبھی اونکو کامل تعلیم یافتہ اور مہذب نہیں ہونے دے گی۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ تعلیم یافتہ جماعت کی اس بے اعتنائی کا قصہ بہت کچھ صحیح ہے، نہ صرف اسکا رونا یہیں ہو رہا ہے، بلکہ ممالک اسلامیہ میں بھی اسی امر پر افسوس کیا جاتا ہے۔ جدید جماعت فرنچ اور جرمنی وغیرہ زبانوں میں کافی انہماک پیدا کرتی ہے، مگر اپنی ملکی اور قومی، مذہبی زبان عربی سے غافل رہتی ہے۔ چنانچہ مصر کے مشہور ڈیلی اخبار المؤید نے حال میں اسی امر کے متعلق ایک تحریر شایع کی ہے، جسمیں اوسنے ثابت کیا ہے کہ مہذب در اصل وہی ہے جو اپنے قومی اور مذہبی لٹریچر سے بھی علمی زبانوں کے لٹریچر کے ساتھ واقف ہو۔ یہ تحریر ہمارے ہندوستان کی حالت سے اسقدر مطابق ہے کہ اگر عربی کی جگہ اسمیں اردو کا لفظ لکھدیا جائے، تو معلوم ہو کہ کسی مبصر نے ہندوستان کی حالت دیکھکر یہ تحریر لکھی ہے۔ ہم اوس تحریر کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں جس سے ہماری تعلیم یافتہ جماعت کو اچھا سبق حاصل کرنا چاہیئے:-

"مسلمان جب تک اپنی زبان میں ترقی نہ کریں ممکن نہیں کہ وہ عام اور مجموعی حیثیت سے ترقی و تہذیب حاصل کرسکیں ہم یہ نہیں کہتے کہ انہیں دیگر زبانیں سیکھنی چاہئیں۔ نہیں سیکھیں اور ضرور سیکھیں انگلش فرنچ جرمن روسی مہذب و ترقی یافتہ اقوام عالم کی ساری زبانیں شوق سے حاصل کریں۔ مگر اس لئے کہ ان سے فائدہ اوٹھاکر اپنے قومی علم اور ادب عربی کو ترقی دیں۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل تو مسلمانوں کی حالت اسکے برعکس ہے۔ وہ غیر قوموں کی زبانوں سے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ واقفیت پیدا کرتے ہیں مگر عربی کی تو ذرا پروا نہیں کرتے جو انکی نہ صرف قومی بلکہ مذہبی زبان ہے۔ یہی علوم متنوعہ آج یورپ کی متعدد زبانوں میں پائے

جاتے ہین۔ اور انہی کے ذریعہ ہم سیکھتے ہین تو کیا یہ عربی زبان مین حاصل نہین کر سکتے؟ اگر یہ عذر ہو کہ عربی مین بحالتِ موجودہ علوم جدیدہ نہین ہین پھر کوئی اس مین انکی تحصیل کرے تو کیونکر؟ تو کیا یہ ہمارا اپنا ہی قصور نہین؟ بلا شبہہ یہ ہم مسلمانون کا قصور ہمت اور بے شک ہماری ہی غفلت ہی کہ ہم عربی کو جدید علوم و فنون کے ذخایر و خزاین سے مالا مال کرنیمین کوشش نہین کرتے اگر بذریعہ تراجم یہ تمام علوم عربی لٹریچر مین آجائین تو پھر مسلمانون کو علوم مذکورہ عربی کے ذریعہ سیکھنے مین کیا عذر و تامل ہو سکتا ہے؟ مگر افسوس کہ عربی مین اس درجہ کی قابلیت اور دستگاہ پیدا کرنے کا خیال کسے ہی! حالانکہ اعلیٰ درجہ کی عربی جاننے سے مسلمانون کو کئی قسم کے فوایداور برکات متصور ہین۔ اول تو مسلمان نوجوانون پر لامذہبی کا جو الزام لگایا جاتا اور جو انپر ایک حد تک فی الواقع عاید بھی ہوتا ہی وہ دور ہوگا۔ کیونکہ عربی کی اعلیٰ تحصیل سے انہین کتب دینیہ اور بالخصوص قرآن کریم کے فہم مطالب کا اچھا موقع ملیگا۔ دوسرے اسلامی تاریخ سے کماحقہ آگاہی پیدا ہوگی۔ تیسرے ہمارے قومی لٹریچر کے وقار و وقعت مین اضافہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت مین عربی علم ادب کی توسیع و ترقی قدرتہً اور ضرورتاً ہوگی مگر حیف صد حیف کہ مسلمان اس زبان کی سرپرستی چھوڑتے جاتے ہین اور دانایانِ فرنگ اسکی حفاظت اور اس سے استفادہ کرنے مین مشغول ہین پھر جاے غور ہے کہ جیسی مہذب یہ اقوام مغربی ہین ویسی ہی شایستہ قوم ہم اپنے تئین بھی سمجھین تو کس منہ سے؟ جو ہمارا فرض تھا اسے تو وہ لوگ ادا کر رہے ہین۔ پھر اگر ہم غافل و نادان کھلانے کے مستوجب نہین تو کیا ہین؟ مسلمان جب تک آنکھین کھولکر اپنی زبان عربی کی دستگیری نہ کرین جب تک اسکی ترقی و توسیع۔ استحکام اور قیام وقار مین کوشان نہون انہین اپنی حالت پر شرمانا چاہیئے۔ "ایڈیٹر"

جن معاصرون نے اب تک "لسان الصدق" کی نسبت اپنے پرچون مین اپنی قابلِ قدر راے ظاہر نہ کی ہے یا جنہون نے اب تک اپنے بیش بہا پرچے اسکے مبادلے مین نہین بھیجے ہین۔ اُن کی خدمت مین التماس ہی کہ وہ جلد اس ناچیز پرچے پر ریویو کرکے اور اپنے مُعزز پرچون سے اس کا مبادلہ قبول کرکے مجھے ممنون فرمائین۔

"ایڈیٹر"

"شگون"

ہر قوم مین جب تک جہالت رہتی ہے شگون پرستی باطل پرستی اوہام پرستی کا زور رہتا ہے۔ ایشیا کے مشہور ترقی یافتہ ملک "جاپان" نے انیسوین صدی مین جہالت کی رسی گردن سے نکالتے ہوے شگون واوہام کو بھی خیرباد کہا۔ ایام جہالت مین عربون کا گویا مسلک ہی شگون تھا اور انکا سا شہرہ ہونا اس حد تک تھا کہ اسلام کی اشاعت کے بعد بھی اس کو بوباس باقی رہی چنانچہ شہر مین داخل ہوتے ہوے پہلے پہل کوے کا دیکھنا اور اسکی کائین کائین شگون بد کے طور پر ایک عرب اپنے مقصد مین ناکامیاب رہنے کا اعلی سبب بناتا ہے اور ذاتی نقصان کا بار اسی غریب کے سر دھرتا ہے! اسی طرح اور بہت سی باتین ہین جو شگون کے طور پر سمجھی گئین مگر ہندوستانیون نے ہندؤن کی تقلید سے یہ شگون کی غلط پرستی سیکھی جو آجتک مروج ہے عورتون مین تو معاذ اللہ بکثرت اور انسے کم مردون مین، اور مردون مین بھی کون مرد! جو اچھے لکھے پڑھے ہین فہمیدہ، نکتہ رس، جنھین ایسی لغویت کا احساس نہین ہوتا اور جنکی کانون تک حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مشہور مبارک جملے نہین پہنچے کہ "الطیرۃ شرک ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل"

ابو النصر آہ دہلوی

لسان الصدق

کے متعلق

بعض معزز ہمعصرون کی رائے

لسان الصدق کو شائع ہوئی گو ابھی کچھ ایسی مدت نہین ہوئی ہے، اور اوسکی موجودہ حالت بھی ابتدائی ہے، لیکن ہندوستان کے مشہور رسالون اور اخبارون نے جس فیاضی سے اسپر ریویو کیے ہین اوس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناچیز لسان الصدق نے اس ابتدائی حالت مین بھی اپنے ہمعصرون کی نگاہ مین قبولیت حاصل کرلی۔

ان ریویوز سے بعض ریویو یہان درج کیے جاتے ہین اور انشاء اللہ آیندہ اور اخبارون کی رائین بھی درج کی جائین گی۔

جناب شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے ایڈیٹر "ابزرور" لاہور اپنے رسالہ مخزن نمبر ۲ دسمبر سنہ ۱۹۰۳ع کے پرچہ مین لکھتے ہین کہ

"ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے جو عرصہ سے کلکتہ مین مقیم ہین۔ "لسان الصدق" نام ایک ماہوار رسالہ جاری کرکے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے اور وہ یہ تھی کہ دار السلطنہ ہند مین اسوقت ہندوستان کی مشہور علمی زبان مین

...رسالہ نہیں نکلتا تھا۔ اس رسالے کے مقاصد بہت مفید ہیں۔ گو یہ مسلمانوں سے مخصوص ہے۔ اوّل اصلاح معاشرت۔ اس کام میں یہ پرچہ کانفرنس کی شاخ اصلاح تمدن کا حامی ہوگا۔ دوم ترقی اردو۔ اس مطلب کیلئے یہ انجمن ترقی اردو سے تعلق رکھیگا۔ اور اسکے کاموں میں مدد دیگا۔ تیسرے علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگالہ میں۔ یہ قصد نہایت ہی اہم ہے کیونکہ مسلمانان بنگالہ اردو علم ادب کے مذاق سے بہت ناآشنا ہیں اور بنگالی لٹریچر میں بھی انکا کوئی معتدبہ حصہ نہیں جیسے تھے۔ نتیجہ یہ ہے۔ اگر حسن آزاد ہی کے ساتھ پورا کیا گیا۔ جسکا وعدہ دیا گیا ہے۔ تو ملک کے علم ادب پر اسکا مفید اثر پڑے گا۔ مولوی صاحب کے نام سے ہمارے ناظرین خوب واقف ہیں۔ مخزن کے اوراق میں انکے متعدد مضامین نکل چکے ہیں۔ اسکے سوائے انہیں ایڈیٹری سے بھی تعلق رہا ہے۔ کلکتہ کے ایک ہفتہ وار اخبار اور لکھنؤ کے ایک مشہور رسالہ کی ترتیب کی خدمت مدت تک انکے سپرد رہی ہے۔ انکی ذاتی خداداد لیاقت اور واقفیت فن سے اُمید پڑتی ہے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد کو پورا کرسکے گا۔ ہماری دعا ہے کہ ایسا ہو ۔۔"

جناب مولوی ظفر علی خان صاحب بی۔ اے مترجم خیابان فارس اپنے رسالہ "افسانہ" (نمبر۲) بابت فروری ۱۹۰۴ء میں ارقام فرماتے ہیں:

"لسان الصدق" نام ایک ماہوار رسالہ ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی کی ایڈیٹری میں کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے جسکے مقاصد حسب ذیل ہیں (۱) سوشیل ریفارم (۲) ترقی اردو (۳) علمی مذاق کی اشاعت (۴) اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا۔ اس رسالہ کے دو نمبر ہم نے دیکھے جن سے اوس حسن ظن کی تصدیق ہوگئی جو ہمکو مولانا ابو الکلام کی نسبت پہلے سے تھا۔ یہ پرچہ کا نام ایسے زمانہ میں جبکہ کثیر التعداد رسالہ جات و اخبارات کی اشاعت سے عمدہ ناموں کا کال پڑ گیا ہے ایڈیٹر کے حسن انتخاب کا شاہد ہے۔"

عین الاخبار مراد آباد کے قابل ایڈیٹر ۲۸ جنوری ۱۹۰۴ء کے پرچہ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"لسان الصدق۔ یہ اردو رسالہ ابو الکلام آزاد دہلوی کی ایڈیٹری میں ہندوستان کے دار السلطنت شہر کلکتہ سے

ماہوار شائع ہوتا ہے اس سال کا پہلا نمبر جسکو دیکھکر ہم یہ تنقید لکھ رہے ہیں باعتبار چھپائی و لکھائی اچھا ہے مضامین کے بارہ میں یہ عرض کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ اسکے ایڈیٹر کے خیالات ایسے ہی پاکیزہ ہیں کہ جیسے ایک خیرخواہ مذہب کے ہونے چاہئیں - اس نمبر میں توہمات اور شگون میں پر بحث کرکے اسکا قلع قمع کیا ہے - یہ ٹھیک ہے کہ ابتک عورتون کے زیادہ مگر مردون کے کم خیالات ان توہمات کے اعتقاد پر پائے جاتے ہیں درحقیقت ایسے رسالہ کی ملک کو ضرورت ہے مگر افسوس کہ کلکتہ کے عظیم شہر میں ہونے کے باوجود بھی اسکی اشاعت ہنوز بہت ہی محدود ہے جو لائق اڈیٹر کی ہمت کو توڑنے کی دہمکی دے رہی ہے - قدردان پبلک کو چاہیے کہ ایسے نایاب رسالہ کی خریداری میں کوشش کرکے اڈیٹر کی ہمت بڑہائیں - "

انجمن ترقی اردو

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مقام بمبئی (صیغہ شعبہ علمیہ) میں کثرت آرا سے یہ فیصلہ ہوا کہ انجمن ترقی اردو کے کامون کو اسقدر وسعت ہوگئی ہے کہ اب اسکے لئے جداگانہ ایک سرمایہ کے جمع کرنے کی ضرورت ہے اس لئے عام چندہ کھولا جائے اور جو چندہ آتا جائے اخبارون کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً مشتہر کیا جائے - اس بنا پر عام چندہ کھول دیا گیا ہے - سب سے پہلے جو رقم وصول ہوئی ہے وہ مولوی نظام الدین حسین صاحب بی اے ڈپٹی کمشنر برار کی عطیہ ہے - چنانچہ رقم مع اون چندون کے جو علم دوست حضرات نے خود عطا کئے تھے حسب ذیل ہے :-

جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب عہ
جناب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب ال ال ڈی عام
جناب نواب مرزا اشرف خان صاحب - صہ
جناب خان بہادر منشی الٰہی بخش صاحب رئیس دہلی - صہ

جناب مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے
کمشنر بنیر - ۵

واضح ہو کہ جو صاحب سو یا سو سے زاید چندہ
عطا فرمائینگے وہ انجمن کے ممبر اعزازی متصور
ہونگے -

شبلی سکریٹری انجمن اردو ترقی حیدرآباد دکن

انجمن ترقی اردو کیلیے کلکتہ مین ایک کوشش

جناب مرزا شجاعت علی خان بہادر نے (جو کلکتہ کے مشہور رئیس ہین) کچھ عرصہ سے
ایک ماہوار مشاعرے کی بنا ڈالی ہے - جسکا
ہر مہینہ مین ایک جلسہ ہوتا ہے اور کلکتہ کے
موجودہ شعرا طرحی کلام سناتے ہین - جنوری
مین حسن اتفاق سے جناب نواب سعید الدین
احمد خان صاحب "طالب" رئیس دہلی، اور
جناب مرزا آغا شاعر صاحب ایڈیٹر نصف الاخبار
بھی کلکتہ تشریف لائے ہوئے تھے اسلئے جنوری
کا مشاعرہ خاص اہتمام سے ہوا - اسی مشاعرہ مین ایک
کام کی بات یہ ہوئی کہ جناب مرزا شجاعت علی خان
بہادر کی تحریک اور جناب مولوی شرف الدین
صاحب متولی امام باڑہ ہوگلی اور جناب مرزا
آسمان جاہ بہادر کی تائید سے ایک کمیٹی انجمن ترقی
اردو کی تائید کے لئے کلکتہ مین قائم ہوگئی جسکے
غالباً بارہ اشخاص خاص رکن انتظامی قرار
پائے - یہان تک تو بالکل معمولی کارروائی ہے
جسپر کسی قسم کی رائے قائم نہین کی جاسکتی جب تک
باضابطہ عملی کارروائی نہ شروع ہوجاے اوس
وقت تک یہ سرگرمی قابل اعتماد نہین ہے،
ہمارے سامنے کلکتہ ہی کی بہت سی نظیرین موجود
ہین، جن مین باوجود اکثر سرگرم حضرات کے
شریک ہونے کے آج تک کوئی مفید نتیجہ نہین نکلا
ہمین امید ہے، کہ جناب مرزا صاحب خان بہادر
نے جس طرح اس ضروری کام کی تحریک کی ہے،
ویسے ہی اسے انجام تک بھی پہنچائین گے - کسی
کام کا شروع نہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی کام
کو شروع کرکے اوسے انجام تک نہ پہنچایا جاے -
اس کارروائی کو آج ایک عرصہ ہوگیا، ابھی تک
معلوم نہین کہ اوس کمیٹی کا کوئی اجلاس ہوا
بھی یا نہین؟ اور اگر اجلاس ہوا تو کیا کارروائی
کی گئی؟ ہم اس ضرورت کو کہ کلکتہ مین ایک شاخ
انجمن ترقی اردو کا قائم ہونا کس قدر ضروری ہے
آیندہ نمبرین دکھلائین گے، لیکن خوشی کی بات
ہے کہ جن لوگون نے اسی شاخ کے قائم ہونے کا
خیال کیا - ہے وہ ہماری بیان کرنے کے محتاج
نہین ہین، اسکی ضرورت ہم سے اچھی جانتے
ہین - اس لئے ہم کو امید ہے کہ جناب مرزا صاحب

ہمین اون کارروائیون سے اطلاع دینگے
جو اسوقت تک گئین ہین؛ اور قواعد انجمن اور
فہرست ممبران انتظامی بھی ہمارے پاس بھیجنی
چاہیئے تاکہ باقاعدہ لسان الصدق مین شائع
کیا جائے۔ اور اگر ابھی تک کوئی کارروائی
نہین ہوئی ہے، اور صرف ممبرون کی ایک
فہرست نہایت خوشخط لکھکر رکھ لی گئی ہے؛
تو جب تو ہم مثل اون سیکڑون غزلون کے
جو اوس مشاعرہ مین پڑھی گئی تھین اس
تحریک کو بھی شاعرانہ تخیلات کا ایک کرشمہ
خیال کرتے ہین۔

اردو زبان بنگالہ مین

ہم ایک عرصہ سے نہایت افسوس کے ساتھ
دیکھ رہے ہین، کہ بنگالہ مین بعض کوتہ اندیش
مسلمانون نے یہ شور مچا رکھا ہے، کہ بنگالہ کے
مسلمانون کے لئے اسکی کوئی ضرورت نہین،
کہ وہ اردو زبان کو اپنی زبان سمجھکر اس کی
ترقی اور اشاعت مین کوشش کرین، بلکہ انہین
اپنی مادری لسان بنگلہ کی ترقی مین ساعی
ہونا چاہیئے؛ اور بول چال، تحریر، تقریر مین
اسی زبان کو استعمال کرنا چاہئے، لطف یہ ہے کہ اس
کارروائی کو یہ حضرات "علیگڈہ پارٹی" کی
جانب منسوب کرتے ہین کہ جنکا اس قسم کی کارروائی
کا کرنا مسلمہ غیر ممکن ہے۔ اس زہریلی رائے
کا اثر یہان تک بڑھا ہے کہ بہت سے لوگون نے
اسپر عملی کارروائی کرنی شروع کر دی ہے؛ اور انکا
یہ خیال ہے کہ ہم اپنی زبان کی حفاظت کرکے
اپنی قومیت کو تقویت دیتے ہین لیکن انکو
یہ نہین معلوم ہے کہ وہ اس کارروائی سے مسلمانان
بنگالہ کی علمی زندگی بالکل تباہ کر رہے ہین؛
انہین یہ خبر نہین کہ بنگلہ زبان مسلمانون کے
لئے علمی زبان کا کام نہین دے سکتی۔ یعنی
تصنیف و تالیف مین کیونکر کام آسکتی ہے؟

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ زبان دو حیثیت سے
عام تسلیم کی جاتی ہے، ایک بازار کی زبان
کہ جس زبان کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر انگریزی
عربی، فارسی، بولنے والا ادا کرسکے وہی بازاری
زبان تسلیم کی جاتی ہے؛ دوسری عام بول چال
اب دیکھو کہ بنگالہ مین بازار کی زبان کون سی ہے؟
ہم پوچھتے ہین کہ کلکتہ اور ڈھاکہ کے بازارون
مین عام طور پر کونسی زبان بولی جاتی ہے؟
ہم زور کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ اردو کے سوا
کسی زبان کو یہ درجہ عمومیت حاصل نہین ہے۔
اگر دو بنگالی بھی راستہ مین آپس مین ملینگے
تو اکثر حالتون مین اردو ہی مین گفتگو کرینگے۔
اس سے ظاہر ہے کہ بنگالہ کی عام زبان اردو ہے
یہی ایسی زبان ہے جس کے ذریعہ انگریز نیپالی
بھوٹانی بھی بنگالیون سے گفتگو کر سکتے ہین،
بنگالی اپنا مطلب اونہین سمجھا سکتے ہین
یہ تو اسکی حیثیت عمومیت کے لحاظ سے تھی؛ اب
علمی حیثیت سے دیکھو۔ بنگالہ مین آج تک اردو
فارسی کے بعد تصنیف و تالیف کی زبان مانی
گئی ہے۔ بنگالہ کے اکثر علما نے مختلف مباحث
اور فنون پر کتابین لکھین ہین لیکن کوئی ثابت
کرے کہ اون مین کوئی کتاب بنگلہ مین بھی
لکھی گئی ہے۔ زیادہ حصہ اونکا اردو مین ہے۔

اور جو قدیم زمانہ مین لکھی گئین ہین، وہ فارسی
مین ہین؛ پھر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ کیونکر
بنگلہ زبان کو آج اردو پر ترجیح دی جاتی ہے؟
یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اردو زبان کی ترقی
کو کوئی روک نہین سکتا، زمانہ خود اوسکے موافق
ہے اور جو اسکی مخالفت کرے گا وہ بیشک زمانہ
کا مخالف ہوگا۔ ڈاکٹر وائٹ کی یہ پیشین گوئی
بہت ٹھیک ہے کہ اوس زمانہ کو قریب سمجھنا چاہیئے
جبکہ اردو زبان تمام انڈیا کی واحد زبان
ہوگی۔ چند ناعاقبت اندیشون کی کوشش
سے یہ ہرگز نہین ہوسکتا کہ بنگالہ کے مسلمانون
کی علمی زبان اردو کی جگہ بنگلہ ہوجائے؛ ہان
اونکی ناعاقبت اندیشی قوم پر ظاہر ہوجائیگی
کچھ عرصہ ہوا ہے کہ ہمارے ہندو بھائیون نے
اردو کی مخالفت کی تھی، اور اردو کی جگہ ناگری
کو پیش کیا تھا، آج ہمارے مسلمان بھائی خود ہی
اپنے پانو مین کلہاڑی مار رہے ہین۔ اور اردو
کی مخالفت کرکے اوسکی جگہ بنگلہ کو پیش کرتے
ہین، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ علمی زبان ہونے کا
جو استحقاق اردو کو حاصل ہے وہ بنگلہ کو نہین
حاصل ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ اب تک جسقدر تراجم
علوم و فنون کے اردو مین ہوے ہین، اون
سے ثابت ہوتا ہے کہ جسقدر اردو زبان علوم

و فنون کے ترجمہ کے لئے موزون ہے، اور
کوئی زبان نہین ہوسکتی۔ یہ ایک بہت بڑی بحث
ہے، جسے ہم اسوقت بیان نہین کرسکتے۔ بہرحال
اون حضرات کی خدمت مین جو اردو کی مخالفت
مین اپنی خوبی سمجھے ہوئے ہین ہم بہ منت عرض
کرتے ہین کہ آپ اون مطالب پر جو ہمنے اس
مختصر تحریر مین ظاہر کیے ہین، غور فرمائین،
اور اس بے نتیجہ کوشش مین اپنا وقت ضائع
نہ کرین، اردو زبان کی ترقی کسی کے روکے
نہین رک سکتی۔ کیا مسلمانون کو اس وقت
آپکے نزدیک اس سے بڑھکر اور کوئی ضرورت
درپیش نہین ہے کہ آپنے اسی کام کا بیڑا اوٹھایا
ہے؟ اور اگر آپ اپنی طبیعت کے ہاتھون
مجبور ہین، اور بنگلہ جیسی فصیح اور علمی زبان
کی محبت نے آپ کو بالکل بیخود کردیا ہے، تو تیز
آپ سے جسقدر ہوسکے زور لگائیے، لیکن علیگڈہ
پارٹی کو کیون بدنام کرتے ہین، جسے اس امر سے
ذرہ بھر تعلق نہین ہے۔ اور نہ تعلق ہوسکتا ہے!

(ایڈیٹر)

اعلان

ہماری مطبع مین ہر قسم کا کام
انگلش، فارسی، اردو، وغیرہ وقت معینہ
بکفایت نہایت باہتمام [illegible] باری [illegible]

ریویو

افسانہ و دکن ریویو

جناب مسٹر ظفر علی خان صاحب

بی۔ اے۔ کیلئے غالباً اب اسکی کوئی ضرورت
نہوگی، کہ ہم تعلیم یافتہ پبلک کو انسے تعارف
کرائین، انکی دلچسپ کتاب "خیابان فارس"
(جو لارڈ کرزن کے سفرنامہ ایران "پرشیا اینڈ دی
پرشین کوسچین" کا اردو ترجمہ ہے) پچھلے دنون
ملک مین کافی قبولیت حاصل کرچکی ہے۔ گذشتہ
سال انہون نے ایک رسالہ "افسانہ" نام
سے نکالا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اردو زبان
مین عمدہ انگریزی ناولون کا ترجمہ شایع کیا جائے،
چنانچہ مسٹر رینلڈ کے مشہور ناول "میسٹریز آف دی
کورٹ آف لندن" کا اردو ترجمہ فسانہ لندن
کے نام سے شایع ہوتا رہا۔ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء سے
افسانہ کے ساتھ "دکن ریویو" بھی ملا دیا
گیا ہے، جو فی الحقیقت ایک کارآمد چیز ہے۔ اسکا
مقصد یہ ہے، کہ دکن مین علمی مذاق پھیلایا جائے،
اور جو کام "مخزن الفوائد"، اور رسالہ
"حسن" سے ادھورا رہگیا تھا، اوسے پھر
ازسرنو تازہ کیا جائے [illegible]
[illegible]

مولنا شبلی نعمانی اور مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے جیسے افاضل کی تحریرین اسمین شائع ہوتی ہین،

"دکن ریویو" کا دوسرا حصہ "افسانہ" بھی نہایت قابل تعریف ہے۔ فسانہ لندن کا پہلا حصہ تو دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء مین ختم ہوگیا تھا، جنوری سے دوسرا حصہ اوسی التزام سے شایع ہوتا ہے۔ رینلڈ کا یہ ناول جن حضرات نے دیکھا ہے، وہ جانتے ہین، کہ رینلڈ کے تمام ناولون مین یہ نہایت درجہ کا دلچسپ ناول ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ ایک پولٹیکل وجہ سے رینلڈ کی تصنیفات انگلستان مین قبولیت عامہ کا رتبہ نہین حاصل کرسکین، لیکن غنیمت ہے کہ ہندوستان نے اونکا نہایت جوش سے خیر مقدم کیا، اور اپنی زبان مین لاکر تمام ملک کو اونکا شیفتہ بنادیا!
ہمارے فاضل دوست مسٹر ظفر علی خان نے ترجمہ بھی نہایت سلیقہ سے کیا ہے، عبارت بالکل شگفتہ اور دلچسپ ہے۔ افسوس کہ ہمارے سامنے اسکی پہلی جلد نہین ہے، ورنہ ہم مفصل ریویو لکھتے۔

جنوری سے اس پرچہ مین ایک اور دلچسپ التزام شروع کیا ہے کہ دکن کے مشہور رؤسا، اور افاضل کی تصویرین ماہ بماہ "دکن ریویو" مین شائع کئے جائین، چنانچہ جنوری کے نمبر مین اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کا شاندار فوٹو اعلیٰ درجہ کے اہتمام سے چھپوا کر لگایا گیا ہے، اور فروری کا نمبر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کی تصویر سے مزین ہے۔

باوجود ان خوبیوں کے سالانہ قیمت مع محصول ڈاک ۵ سکہ انگریزی یا ۶ سکہ حالی قسم اول کے لئے اور ۳ سکہ انگریزی یا ۴ سکہ حالی قسم دوم کے لئے ہے۔ اور حیدرآباد دکن دفتر افسانہ کے پتہ سے خط و کتابت ہوسکتی ہے۔

خدنگ نظر

خدنگ نظر لکھنو کا مشہور اور قدیم رسالہ ہے جسین شعر وسخن کے علاوہ عام علمی، اخلاقی، تاریخی، سائنٹفک مضامین شائع ہواکرتے تھے۔ ہمین نہایت افسوس تھا کہ زمانہ کی قدر ناشناسی سے تنگ آکر یہ علمی گلدستہ مرجھانے لگا تھا مگر کتنی مسرت کی بات ہے، کہ عالیجناب راجہ سعادت علی خان بالقابہ کی فیاضی نے سوکھے دھانون مین پانی کا کام دیا، اور پانچ سو روپیہ سالانہ مقرر فرماکر ہمیشہ کے لئے خدنگ نظر کو مستحکم کردیا،

جنوری کا نمبر نہایت اہتمام سے شائع ہوا ہے جسکے رنگین ٹائیٹل کے اوٹھتے ہی راجہ صاحب کا دلفریب فوٹو مطلا و مذہب چھپا ہوا نظر آتا ہے ہمین امید ہے کہ آیندہ نہایت عمدگی سے یہ اسی طرح شائع ہوتا رہیگا اور ملک

مطبوعہ ہادی المطابع واقع ہرلسین روڈ نمبر ۱۴۱ کلکتہ مین اہتمام سے منشی محمد ہدایت اللہ کے چھپا

لسان الصدق

(دار السلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ)

جلد ۲	۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء	نمبر ۳

فہرست مضامین

ایک ضروری گذارش

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے فروری کے نمبر میں اس امر کی شکایت کی تھی کہ خریداروں کی رفتار نہایت سست ہے، اور پبلک نے لسان الصدق پر ابھی تک کافی توجہ نہیں کی ہے ؛ لیکن آج ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری اس تحریر نے نہایت اچھا اثر پیدا کیا۔ اور اکثر حضرات نے خصوصیت لسان الصدق پر توجہ ظاہر فرمائی مارچ کے مہینہ میں ایک اچھی تعداد خریداروں کی پیدا ہوگئی ہے ؛ اور ہمارے معزز احباب نے اپنی کوششوں سے ہمیں ممنون فرمانا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اور احباب بھی اسی طرح کوشش فرما کر ہمیں مرہون منت فرمائیں گے ۔ ایڈیٹر

فرسٹ ڈیزر وائنڈ دین ڈیزایر

یہ انگریزی زبان کی ایک مشہور مثل ہے، جس کا ترجمہ اردو زبان مین کسی شاعر نے خوب کیا ہے

حسن پیدا تو کرو یوسف بازاری کا
حوصلہ جب تو کرے کوئی خریداری کا

ہمارا ابتدا سے یہی دستور العمل رہا ہے۔ لسان الصدق جس وضع مین ابتک شائع ہوتا رہا، اوسے ہمارے اوس منصوبہ سے کوئی تعلق نہین ہے، جو ہمارے دماغ مین اس رسالہ کے متعلق پیدا ہوا تھا ہم اسے ایک اعلی پمانہ پر شائع کرنا چاہتے تھے، جسکی ماہوار ضخامت پچاس صفحون سے کبھی کم نہ ہونی چاہیے، لیکن چونکہ ہمین "ادیب"، **معارف**، **تحفہ احمدیہ** کا حشر معلوم تھا، اور ہم جانتے تھے کہ قوم کا مذاق کسی قسم کے رسالون، اور تحریرون کو پسند کرتا ہے، اسلئے ہم نے غور کیا، کہ یہ تجویز کسی ناول یا شعر و سخن کے گلدستے کے نکالنے کی نہین ہے، بلکہ ہم ایسا علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہین جو ادیب و معارف کا سچا جانشین ثابت ہو، اور ملک کی ضرورتون پر نظر رکھکر خاص مقاصد پر اپنی توجہ زیادہ مبذول رکھے۔ یہ یقینی ہے کہ اوس مین ایسے مضامین، اور خیالات نظر آئین گے، جو ناول اور شعر و سخن کے چٹخارے لینے والون کو نہایت خشک اور بے مزہ معلوم ہونگے، اس لئے مصلحت کا یہی اقتضا ہے کہ ابتدا مین ایک مختصر رسالہ اس اہم میگزین کے نمونہ پر نکال کر قوم کی توجہ کا اندازہ کر لیا جائے، تاکہ جس طرح ایک سال اور چار سال تک باوجود جاری رہنے کے ادیب و معارف جیسے قابل قدر رسالے قوم کی بے توجہی سے تنگ آکر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ہین لسان الصدق بھی ایسے ہی کچھ عرصہ کی زندگی لیکر دنیا مین قدم نہ رکھے۔

اوسکا نہ شائع ہونا، اسر چنداوزہ اشاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ایک کام کا نہ کرنا اسقدر قابل اعتراض نہین ہوسکتا، جسقدر کسی کام کا شروع کر کے اوسے انجام تک نہ پہنچانا۔ یہی خیال تھا جس نے ہمین "لسان الصدق" کو ایک معمولی اور بالکل سادہ حالت مین نکالنے پر مجبور کیا! چنانچہ الحمدللہ اسوقت تک اوس کے اوسی حالت مین چار نمبر شائع ہو گئے ہین، جنہین ملک کے اکثر علم دوست بزرگون نے اچھی نگاہ سے دیکھا اور اون مقاصد کی ضرورت تسلیم کرلی۔ اسمین کوئی شک نہین کہ ابتدا مین سخت مایوسی ہو چلی تھی، اور ہمنے سمجھ لیا تھا کہ "لسان الصدق" کا اپنی اصلی حالت تک ترقی کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن آج ہم خوشی سے قوم کی علمی قدردانی کا اعتراف کر کے اس امر کو ظاہر کرتے ہین کہ جس قدر قوم نے اسپر توجہ ظاہر کی ہے، وہ اسکی موجودہ حالت کی نسبت سے بہت کچھ زیادہ ہے؛ اسلیئے ہماری قدیم کشتِ امید اب سرسبز ہوتی نظر آتی ہے، اور وہ زمانہ قریب آ رہا ہے، جبکہ ہم لسان الصدق کو اوسکی اصلی حالت مین دیکھین گے۔ اسی تجربہ نے ہمین اسکی تصدیق کرا دی کہ

فرسٹ ڈیزرو اینڈ دین ڈیزایر

"مال اچھا ہو تو ہوتے ہین خریدار بہت"۔ قوم کی ناقدردانی کا رونا بالکل فضول ہے۔ جدید علمی اثرات نے بیشک قوم کے ایک بڑے حصے کو عمدہ چیزون کا قدردان بنا دیا ہے؛ اور وہ اب بھی ہر ایک قابل قدر چیز کی قدر کرنے کے لئے موجود ہے؛ جسکا ادنیٰ ثبوت یہ ہے، کہ ملک مین معقول تعداد کے اخبار، رسالے، روزانہ، ہفتہ وار، ماہوار، ہر قسم کے شائع ہوتے ہین۔ [illegible] ون کی مختلف پریسون سے نکلکر اسی ہندوستان مین کھپ جاتی ہین۔ اگر ابھی تک قوم مین اسکا احساس نہین ہوا ہے اور اوسمین وہ قدیم قدردانی

سے جوہر کا ابتک کچھ اثر نہین ہے، توان اخبارون کو دیکھنے والا کون ہے؟ اور اون رسالون اور مختلف علمی تصانیف کے لینے کے لئے کون روپیہ صرف کرتا ہے؟

کسے کہ محرم باد صباست میداند
کہ باوجود خزان بوے یاسمن باقیست

ہان یہ ضرور ہے کہ تم اپنے کو قدر دانی کے قابل ثابت کرو، جو مال پیش کرو وہ ایسا عمدہ اور کھرا ہو کہ بلا رد و بدل اوسکی عمدگی کا خریدار قائل ہو جائے! پھر دیکھو کہ تمہاری دنیا قدر دانی کرے گی، اور تمہارا مال سارا زمانہ خریدے گا! سچ ہے۔

حسن پیدا تو کرو یوسف بازاری کا!
حوصلہ جب تو کرے کوئی خریداری کا!

ہم یہ نہین کہتے کہ لسان الصدق نے ابتک اپنے کو قدر دانی اور خریداری کے قابل ثابت کیا ہے! نہین! ابتک تو وہ (ہمارے خیال مین) اسکے قابل بھی نہ تھا، صرف قوم کے آگے ہمکو ایک نمونہ پیش کرنا تھا! اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ دار السلطنت **کلکتہ** جیسے شہر سے کسی اردو زبان مین میگزین کا نہ نکلنا سخت قابل افسوس ہے! اسلیے جون تون، ایک رسالہ ضرور شائع کر دینا چاہیئے! چنانچہ اوسے معمولی حالت مین شائع کر دیا گیا۔ لیکن ہان! آج سے لسان الصدق اسکی کوشش کرنی شروع کرتا ہے کہ وہ آپکی علمی قدر دانیون کا خود کو قابل ثابت کرے! اور اپنی ظاہری اور معنوی خوبصورتی کو حسن یوسف سے بھی کہین بہتر دکھلا کے آپکے خدمت مین عرض کرے کہ ہان!

حوصلہ کیجیے! اب اسکی خریداری کا

ایڈیٹر

یہ کتابین عنقریب ملک مین شائع ہونے والی ہین

زیر تصنیف

جناب مولنا مولوی الطاف حسین صاحب "حالی" تذکیر و تانیث اردو کی بحث پر ایک مبسوط کتاب لکھ رہے ہین، جو امید ہے کہ دو تین مہینہ مین مکمل ہو جائے گی۔

جناب شمس العلماء مولنا شبلی نعمانی ناظم "علوم و فنون" حیدر آباد دکن نے میر انیس مرحوم کے کلام پر ایک مفصل ریویو تحریر کیا ہے، اور اونکے کلام کا دیگر شعرا سے مقابلہ کرکے اونکی خوبیون کو دکھلایا ہے، عنقریب یہ کتاب چھپنے کے لئے مطبع مین جائے گی۔

جناب مولوی حسن نظامی دہلوی یادگار حضرت نظام الدین دہلوی امیر خسرو کی سوانح عمری مرتب کر رہے ہین، اسمین کوئی شک نہین کہ خسرو کی سوانح عمری کا دیگر شعرا کی سوانح عمریون کے ہوتے اردو مین نہ ہونا قابل افسوس امر تھا۔ ایک عرصہ ہوا ہے کہ مولوی عبد الغفور صاحب "شہباز" نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ابتک وہ اس ارادے کو پورا نہ کرسکے، امید ہے کہ مولوی حسن نظامی اس کمی کو نہایت عمدگی سے پورا کرینگے۔

زیر ترجمہ

"انجمن ترقی اردو" کی تحریک سے جناب مولوی عبد الغفور "شہباز" کارلائل کی مشہور کتاب "ہیرو ورشپ" کا ترجمہ کر رہے ہین

"انجمن ترقی اردو" کی تحریک سے "اسٹوری آف پلانٹ" (علم النبات) کا بھی ترجمہ مولوی محمد اکبر صاحب بی۔اے۔ کر رہے ہین۔

نامہ دانشوران زمانہ حال کی ایک مستند کتاب ہے جسے شاہ ناصر الدین مرحوم کے امر سے علمای ایران نے تصنیف کرنا شروع کیا تھا۔ ابھی تک صرف اسکی دو جلدین شایع ہو چکین ہین۔ "**انجمن ترقی اردو**" نے اسکے ترجمہ کے لئے اعلان کیا تھا؛ چنانچہ مولوی ریاض الحسن صاحب اسکا ترجمہ کر رہے ہین، جسے اراکین انجمن نے نہایت پسند کیا ہے۔

علامۂ ابن قتیبہ کی "معارف" عربی کی نہایت عمدہ کتاب ہے؛ جسکا اردو مین ترجمہ ہونا نہایت ضروری تھا۔ رسالہ **البیان** لکھنؤ کے فاضل اور ادیب اڈیٹر جناب مولوی عبد اللہ "عمادی" اسکے ترجمہ مین مشغول ہین۔

پروفیسر میکس مولر مشرق کا ایک مشہور فرانسیسی فاضل گذرا ہے؛ ہندون کی مقدس کتاب "وید" سے سب سے پہلے اسی نے یورپ کو شناسا کرایا۔ اسی کے متعلق ایک کتاب "ہبرٹ لکچر بای میکس مولر" ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اسکا ترجمہ بھی اردو مین ہونا ضروری قرار دیا تھا چنانچہ مولوی عبد القادر صاحب ایم۔اے پروفیسر علیگڈہ کالج و اڈیٹر حصہ اردو "**علیگڈہ منتھلی**" اسکا ترجمہ کر رہے ہین

زیر طبع

ایجوکیشن (تعلیم)

ہربرٹ اسپنسر (زمانۂ حال کے مشہور فلاسفر) کی ایک قابل قدر کتاب ہے اسکا ترجمہ مولوی غلام الحسنین صاحب بی۔ اے۔ نے کیا ہے' جو انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے "رفاہ عام پریس" لاہور مین چھپ رہا ہے' اور انجمن نے اس ترجمہ کا صلہ مولوی صاحب کو بعد اختتام تین سو روپیہ دینا منظور کیا ہے۔

الخیّام

یعنی

حکیم عمر بن ابراہیم "خیام" کی مختصر سوانح عمری

مرتبہ

مولنٰا ابو النصر غلام یسٰین آہ دہلوی

قیمت ۸/

کاغذ عمدہ، چھپائی صاف خوشنما، ٹائیٹل پیج اپنی طرز کا۔ عمر خیّام' جسکی فارسی رباعیان مشہور عالم ہین' اسکے حالات مین یہ رسالہ مفید نوٹون کا مجموعہ ہے اور پہلا ہے' آجتک کوئی رسالہ اردو مین شایع نہین ہوا تھا' یہ پہلی کوشش ملک کو متوجہ کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہر تعلیم یافتہ کو ایک مرتبہ اسے ضرور دیکھنا چاہیئے۔ ہمارے پاس اسکے کم نسخے ہین' ہر درخواست کی تعمیل بذریعہ وی پی ہو سکتی ہے۔

محمد یوسف جعفری رنجور

تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۱۶۔ کلکتہ

اُردو کا دُکھڑا، اور بنگالہ

سنتے ہین آپ سارے زمانے کا "دردِ دل" کہیے تو مین بھی قصہ سوز جگر کہون ؟

واقعی مولانا "اشہری" نے ہمارے دل کے جُملے کہے ہین، کہ اُردو کی ترقی قوم کی ترقی سے زیادہ مشکل نظر آتی ہے، کیونکہ اُردو کی ترقی کے لیئے عربی اور فارسی کا علامہ اور انگریزی کا آل آل ڈی ہونا ضرور ہے، جو اسکے مقاصدِ ترقی کی تدوین کرے، اور اسکی بات قبولیت عام کا اثر رکھنے والی ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہین کہ زمانہ ایسے لوگون کو قیامت کی نیند سلا رہا ہے، اور قوم مین جو تعلیم یافتہ پیدا ہو رہے ہین وہ زیادہ تر انگریزی اور معمولی طور کی اُردو جانتے ہین، اور زبانِ اردو کی تکمیل نہین کر سکتے: کیونکہ اول تو انھین انگریزی سے فرصت نہین، ثانی اُردو زبان کے گرامر کی کوئی مستند او مفید کتاب موجود نہین ہے، اور نہ کوئی ایسا جامع لغات تالیف ہوا ہے، جو عربی و فارسی یا انگریزی کیطرح الفاظ کے مرحلے طے کرا دے۔ فرہنگ آصفی یا امیر اللغات، اور وہ بھی ناتمام، ہمارے امراض کی دوا کیونکر تسلیم کیجاے، جبکہ اردو زبان بے تکلف وسیع ہوتی جاتی ہے، اور ہر زبان کے مثلاً عربی فارسی ترکی انگریزی سنسکرت بھاشا وغیرہ کے الفاظ بکثرت مستعمل ہین جنکا استعمال مختلف صحت کا طالب ہے، اور ایسی صحت کے لئے ان تمام زبانون کا علامہ ہونا ضرور ہے۔ یہ سچ ہے کہ صرف ایک ہی شخص ان تمام صفتون کا موصوف نہین ملسکتا، جو اُٹھے اور ایک لغات یا قواعد کی ایک کتاب لکھ کے اردو کی آنکھ کا کانٹا نکالدے۔ فی زماننا علوم و فنون نے وہ پاؤن پھیلاے ہین اور انکی گھنی گھنی ڈالین اتنی پھولی پھلی ہین، کہ انسانی زندگی کا ہاتھ ان تمام شاخون سے پھول نہین توڑ سکتا۔ اگلی بات اور تھی

اگلون کے علوم متداولہ اور تھے؛ وہ زمانہ گیا، وہ لوگ گیئے گذرے۔ ابتو جو ہمپر آپڑی ہے ہم اس کی جانب متوجہ ہون۔ شخصِ واحد کی ذاتی کوشش سے اس قدر انتفاع کی صورت نہین ظاہر ہو سکتی، جسقدر اجتماعی جہد فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ لغات ہو یا گرامر دس دماغ تیز دس قلمی امداد دین، دس ہاتھ کے نیتجے، ایک مجموعی صورت اختیار کرین، تو بیشک اُردو کے بیمار کی صورت پر رونق چھا جائے۔ مگر ہمارے مخدوم بزرگانِ قوم اور واجب التعظیم علما کو یہہ بات کب گوارا ہے کہ انکے ہاتھ کسی کے ہاتھ سے ملین اور وہ اپنے خیال مین ترمیم کی گنجایش رکھین، انکی تصنیف و تالیف پر واجبی تنقید ہو؛ اور ستم تو یہ ہے، کہ انکی کتاب پر قلم چلے ہائے انکی دیدہ ریزی کا نیتجہ (جو کیسا ہی کیون نہو) نکتہ چینیون کے تیر ہائے نظر کا آماجگاہ بنے!! جب یہ رنگ ہین تو ہماری قومی زبان اُردو کیونکر ترقی کر سکتی ہے؟ اور ایسے دلشکن زمانہ مین اُردو کے آنسو کیونکر پونچھ سکتے ہین؛ جبکہ اسکے ساتھی، نہین بلکہ مان باپ، اسے چھوڑ کے الگ الگ سرک گئے ہین؟ آسمان علم کے دو روشن ستارے عربی فارسی زمانہ کی صبح کے ہاتھون روپوش ہونے کو تو ہو رہے ہین، مگر ستم ہے کہ اردو کی چمک دمک کو بھی سمیٹے لئے جا رہے ہین۔ گو ابھی تک خدانخواستہ اُردو چراغِ سحری نہین ہوئی ہے، مگر اس مین تو شک نہین کہ روشنی ضرور دھندلی ہوئی جاتی ہے (جس کا اندازہ ہر آنکھ نہین کر سکتی، اور خدا نکرے شاید اور بھی ہو۔ قرینے یہی کہتے ہین) کیونکہ زمانہ اپنے رنگ پر لانے والا ہے، اور انگریزی حکومت کے اثر سے بچہ بچہ متاثر ہو رہا ہے۔ فاتح قوم کی زبان دلپسند سی دلپسند مانی جاتی ہے؛ اُردو کے بدلے بلاضرورت انگریزی بولی جاتی ہے، اور یہ انہماک بڑھتا جاتا ہے، یا مختصر جملون مین یہ کہدین کہ انگریزی کے آفتاب کا طلوع ہو گیا ہے؛ اسکی تعلیمی کرنین اور تعلّمی شعاعین پھیل گئی ہین؛ اور اُردو سے بے توجہی کی حرارت اور نفرت کی گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ دوستو! ایکدن

اس سے ہاتھ دھو بیٹھنے کی ٹھہریگی اور ہمارا خیال یقین سے ٹکر کھائیگا!!

عام طور پر یہ سچ کہا جاتا ہے کہ جدید اثر نے اُردو کے چہرے پر خوشنمائی سلاست فصاحت کا پوڈر ملدیا ہے، اور اسے اور سے کچھ اور کر دیا ہے: مگر نتیجہ کے ساتھ ساتھ رہنے سے مترشح ہوتا ہی کہ اس بچاری کی حالت کیا درست ہوئی! تعجب ہے، وہ تو ہندوستان کے تعلیم مجسم اشخاص ہی کی نظروں سے گر گئی اور دل سے اُتر گئی، اس کے پاؤن لوٹ گئے اور اس کی جگہ قریب قریب مطالب کے ہر کوچہ مین انگریزی چلتی پھرتی نظر آنے لگی - ہائے عربی چھوٹی، فارسی چھوٹی، خیر بلا سے چھوٹی؛ اُردو تو نہ ہاتھ سے جاتی - کیا کہین! لینے کے دینے پڑگیے - گئے تھے نمازین چھڑانے، روزے گلے پڑگئے - علی گڈہ کالج سے کیا کچھ امیدین تھین، کہ اس کے تعلیم یافتہ اُردو کی خدمت ضرور کرینگے - لیجئے وہ اردو ہی سے اُکتائے! اردو کو علمی زبان بنانے اور تراجم کا سلسلہ جاری کرنے کے عوض عملی طور پر نفرت کا اظہار کرنے لگے - خدا سلامت رکھے پنجاب والون کو اور اللہ انکی محنتین ٹھکانے لگائے! کہ سو مین دس اور ہزار مین سو آدمی اُردو پر مٹے ہوئے ہین -

شاید کہ درین میکدہ ہا دریا بیم
آن یار، کہ در صومعہ ہا گم کردیم

سچ ہے کہ دہلی لکھنؤ کا خزانہ لاہور امرتسر مین اُمڈا چلا آرہا ہے -

انوکھی آن ہے پنجاب والون کی | نہایت شان کی زندہ دلی دیکھی
کہین اردو کے ہاتھون ناک مین دم ہے | انہین اردو کی چاہت! اور پھر ایسی!!
یہی روشن کرینگے نام اُردو کا"!! | مسلمان ہین! کہین ہم کیون لگی لپٹی!
ہمین اُردو سے اک گہرا تعلق ہے | مگر پھر بھی جو سچی بات تھی کہدی

یہ نہایت صحیح کہا گیا ہے کہ چین مین پشتو زبان چلیگی، تو بنگالہ اُردو کے قدم لیگا۔ ہائے! جب ہم اور مصر والون کا رونا رو رہے ہین، تو غریب بنگالہ کا کیا گلہ کرین! اس مرفوع القلم حصہ مین اگر کوئی زبان بولی جاتی ہے تو وہ بنگلہ ہے، اور اگر کسی زبان کی ترقی ہے تو وہ انگریزی ہے! بلکہ نصف سے زیادہ حصہ انگریزی ہی بولتا ہے، اور نصف کا نصف بنگلہ، اور اس کا نصف نام کی اردو، باقی مخلوط ہے۔ ہماری اُردو کی جانب سے نہایت ہی لاپروائی برتی جاتی ہے۔ کوئی مسلمان بندہ یہ نہین سمجھتا کہ یہ ہماری زبان ہے۔ افسوس! نہ انجمن اردو کے ترقی کے مقاصد پورے ہونے کی کوشش کرتی ہین، نہ کوئی دار التقریر ہے، جہان کوئی انسانی ذہن اردو کی راہ سے نکل کے قدرت کے کارخانون کا معاینہ کرے، نہ کوئی اُردو کا بارسوخ اخبار ہے، جو انکے خیالات کے اظہار کا آلہ بنے۔ اور بنے کیونکر! کوئی انجمن یا دار التقریر کا قیام کیونکر ہو؟ جب یہ اردو سے روٹھے ہوے ہین، اور اسکی دلفریب ادائین انہین بھاتی نہین ہین، کوئی اُردو کا اخبار مستقل طور پر کیونکر اشاعت پائے؟ یہ تو اردو ہی کا نون پر ہاتھ رکھتے ہین اور دامن جھاڑ کے الگ ہو جاتے ہین۔ اسکی سب سے بڑی شہادت یہی ہے کہ یہان سے کوئی اردو اخبار جاری نہین رہنے پاتا۔ ہان، جب تک انسانی ہمت و کوشش کا ساتھ رہتا ہے، اخبار والا ذاتی نقصان گوارا کرتا رہتا ہے۔ جہان ان کا ساتھ چھوٹا، اور استقلال کی رسی کٹی، اخبار بند ہوا۔

دار السلطنت۔ جنرل گوہر آصفی۔ المصباح۔ نوشہ پنچ۔ ایڈورڈ گزٹ۔ مسلم ٹائمز۔ اور سب سے آخری احسن الاخبار یہ سب پرچے گویا کلکتہ کے حال کے پرچے ہین۔ اول الذکر اور ثانی الذکر تو برسون نکلتے رہے، مگر اُسی اصول پر جو ہم بیان کر چکے ہین، کوئی ہمارے مہربان جناب مولوی عبد الباری صاحب تاجر چرمہ ہی کے دل سے پوچھے

کہ آپ نے دار السلطنت کے پیچھے کتنے روپے لگائے ہین اور آپ کو کس قدر دلی
نقصان سہنا پڑا ہے! خدا نادہند خریدارون کا دم سلامت رکھے۔ کتنے اخبار والے پریشان
ہوگئے ہین۔ اور خدا بنگالہ کے مسلمانون کے اُردو مذاق کا نگہبان رہے! کتنے اُردو اخبارات
کے رنگ پھیکے پڑ گئے ہین اور سر ایسے خاتمہ ہی ہوگیا ہے۔ مکرمی مولوی انشاء اللہ صاحب
ایڈیٹر "وطن" نے لکھا تھا کہ کلکتہ کی آب و ہوا اخبار کے لئے نامناسب ہے۔ اسی لئے کلکتہ
مین کسی اخبار کا قدم نہین جمتا۔ مین کہتا ہون کہ کلکتہ کا اردو مذاق اخبار کے لئے نامناسب
ہے! جو آتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔ صحیح مذاق پیدا ہو جائے تو کلکتہ دوسرا "لاہور" ہے۔
یہان کس بات کی کمی ہے؟ اللہ کا دیا سب کچھ ہے! مگر یہی بات پیدا کرنی مشکل امر ہے۔ ع

کچھ ایسے سوئے ہین سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے!

شعرا کی جماعت کے سوا کوئی ایسا گروہ نظر نہین آتا جو اُردو کا بازو پکڑے اور اس کا ترقی خواہ
ہو، اسکی ابتری کا منظر دیکھنے کی تاب نہ رکھے اور ان بچارے شعرا کے بنائے کچھ بنتا نہین ہے،
اور انکے متروکات و تروکات حشو و ایطا کو کوئی پوچھتا نہین ہے، جو تتبع کی رسیون
سے جکڑے گئے ہین، اور خال و خط کے قید سے نکل نہین سکتے ع

"چون خویشتن گم است کرا رہبری کنند"؟

یہ خود بھولے ہوے ہین کس کی رہبری کرین! اپنی جان سلامتی سے ساحل تک پہنچا ئین تو بڑی
بات ہے۔ ڈوبتون کو بچانے کا تو کیا ذکر! بہرکیف شاعرون سے اُردو کی اشاعت ہو چکی، یہین کی
ایک معزز جماعت اس کام کو ہاتھ مین لے، تو بیشک یہان اُردو کے جھنڈے گڑ سکتے ہین،
اور ہمارا "لسان الصدق" ہاتھ بٹانیکو تیار ہوسکتا ہے جسکی من مانی مراد ہے کہ بنگالہ اُردو
کی روشنی سے جگمگا اُٹھے۔ ابو النصر غلام یسین آہ دہلوی

ایک نہایت ضروری اپیل

گذشتہ نمبر مین ہمنے جناب مولوی غلام رسول صاحب اڈیٹر "انقلاب" کے متعلق لکھا تھا کہ انہون نے نہایت محنت سے اردو مین مختصر نویسی کا قاعدہ ایجاد کیا ہے۔ اس نمبر مین انکی یہ اپیل بھی شائع کی جاتی ہے جسمین کلکتہ کے علم دوست رئیسا کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی گئی ہے۔ ہمین امید ہے کہ ایسی مفید ایجاد پر ضرور توجہ کی جاے گی، اور مولوی صاحب کو اسکا موقع نہین دیا جاے گا، کہ وہ مجبور ہوکر غیر اقوام سے امداد کے خواستگار ہون۔ اڈیٹر

مجھے ایک مدت سے اس بات کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ "اردو تقریرون کے لفظ بلفظ قلمبند کرنے کا بھی کوئی ایسا ذریعہ پیدا کیا جاوے جیسا کہ انگریزی تقریرون کے واسطے شارٹ ہنڈ رائٹنگ موجود ہے" اور اسی کوشش اور فکر مین میرے کئی سال صرف ہونے کے بعد اب آخر کار یہ فن تکمیل کو پہنچ گیا ہے یعنی مین نے "اردو شارٹ ہنڈ رائٹنگ" (اردو مختصر نویسی) کا قاعدہ ایجاد کر لیا ہے جسکا کورس عنقریب چھپوا کر پبلک کے سامنے لایا جاویگا۔

کسی وقت مین عام طور پر یہ شکایت تھی کہ مسلمانون سے ایجاد کا مادہ سلب ہوگیا ہے۔ اور اب اگر کئی صدیون کے بعد ان مین بھی موجد پیدا ہونے لگے تو قوم کی قدردانی معلوم۔

مین نے ہندوستان کے متعدد اسلامی اخبارون مین اپیل شائع کرائی ہے لیکن ابتک ملک کے کسی حصہ سے میری تائید کے خیال کی مجھکو اطلاع نہین ملی اور اب میری تمام امیدین بزرگان کلکتہ کی علم دوست اور فیاض طبیعتون پر ہین۔ مجھے امید ہے کہ وہ یہ فخر ملک

کے کسی دوسرے حصہ کو نہین لینے دین گے اور قوم کے نام کو بدنام نہین کرین گے۔
اور اب بھی اگر کسی نے میری تائید نہ کی تو لاچار مجھے غیر اقوام سے درخواست کرنی پڑیگی جو یقیناً
بڑی فراخ حوصلگی سے منظور فرماوین گے، اور اوس وقت جو اخلاقی صدمہ پہنچنے کا مجھے
احتمال ہے اوسکا اندازہ کون ایسا صاحب دل ہوگا جو پوری طرح سے کرسکے! اور یہ صدمہ
نہ فقط میری ہی ذات پر ختم ہو سکے گا بلکہ یہ ایک ایسا دھبہ ہوگا جو مسلمانون کی قوم کے
دامن غیرت سے قیامت تک چھٹنے کا نہین۔

بر رسولان بلاغ باشد و بس

منشی غلام رسول ایڈیٹر انقلاب بھائیکلہ بمبئی

قوم:۔ دو سال ہوے اس نام کا ایک رسالہ جے پور سے شائع ہونا شروع ہوا تھا جسکے
ایڈیٹر مولوی اساس الدین صاحب تسنیم تھے۔ اُس زمانہ مین یہ رسالہ نہایت چھوٹی چھپی تقطیع
مین چھپا کرتا تھا، جو ایک علمی رسالہ کے لئے واقعی ناموزون تھی۔ لیکن اب اسکی حالت مین
عمدہ اصلاح ہوگئی ہے، اور موزون تقطیع پر نکلنے لگا ہے۔ اس رسالہ کا پہلا مقصد تہذیب
اخلاق ہے، اور دوسرا مقصد وہی ہے جو لسان الصدق کا اہم مقصد قرار دیا گیا ہے؛
یعنے اصلاح تمدن؛ تیسرا مقصد ترقی قومی ہے؛ اور یہ تینون مقصد نہایت عمدہ اور ضروری
ہین۔

جے پور
مولوی اساس الدین صاحب سکرٹری
انجمن اصلاح معاشرت کے پتہ سے
خط وکتابت کرنی چاہیے

سیّد اور شیخ

الناس من جهة التمثال اکفاء
ابوهم آدم والاُمّ حواء

مسلمانانِ ہند عموماً ان الفاظ کو اپنے ناموں کے ساتھ ضم کرتے ہیں، لیکن بہت کم ایسے اشخاص ہیں، جو اِن کے لفظی معنے اور حقیقت سے پوری واقفیت رکھتے ہوں اور اِن کے جا و بیجا استعمال کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم ان الفاظ کا اشتقاق اور حقیقت ظاہر کر دیں، پھر یہ دکھلائیں کہ یہ الفاظ پہلے کس موقع اور محل پر استعمال کئے جاتے تھے، پھر اِن کے معنی میں کیا تغیر پیدا ہوا، اور ان کے اطلاق میں کہاں تک وسعت دی گئی، اور آجکل یہ الفاظ کہاں تک قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں؛ اور آخر میں اِن کے استعمال کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔

پہلے لفظ سَیّد کو لیجئے۔ یہ عربی لفظ ہے؛ اصل میں سَیوِد تھا وزن پر فَیعِل کے جو ایک صفت مشبہ ہے۔ مادہ اسکا س و د۔ اور سُود کے معنی سیاہی کے ہیں؛ اس لئے سَیّد کے لغوی معنی "سیاہ" ہوئے۔ چونکہ ایک سفید کاغذ پر ایک سیاہ نقطہ نہایت نمایاں ہوتا ہے، اس لئے سَیّد کے مجازی معنی ہوئے نمایاں، ممتاز، سربرآوردہ۔ پھر یہ لفظ اِن معنوں میں مستعمل ہونے لگا:۔ آقا، مالک شریف، بزرگ، حلیم، شوہر، رئیس، وغیرہ۔ اب یہ دیکھنا ہے، کہ یہ لفظ اہل عرب کے ایک خاص قبیلے اور خاندان کے لئے کیونکر استعمال کیا جانے لگا، اور اس کے اطلاق

کی وسعت مین کیا کیا اختلافات ہین۔ ایک حدیث مین ہے، کہ ایک روز حضرت امام حسن رض
حضرت رسول مقبول صلعم کی گود مین بیٹھے ہوئے تھے: آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر حضرت
امام کی طرف اشارہ کر کے پیار سے فرمایا اِنَّ اِبْنِی ھٰذَا سَیِّدٌ یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے؛
اور کچھ اور کلمات حضرت امام کی شان مین فرمائے، جنکا اخیر جملہ یہ تھا، وان اللہ یصلح
بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین، یعنی خدا اس کے ذریعے سے مسلمانون
کی دو بڑی جماعتون کے آپس مین صلح کرا دے گا۔ چنانچہ آنحضرت م کی یہ پیشین گوئی حضرت
امام حسن رض کے حق مین صادق آئی۔ پس ایک فرقہ اس بات کا طرف دار ہی کہ سید کا لفظ
صرف امام حسن ع کی اولاد کے لئے موضوع ہے۔ وہ کہتا ہی کہ اول سیّد کا لفظ حضرت رسول اللہ
کی زبان مبارک سے صرف حضرت امام حسن ع کے لئے نکلا؛ دوسرے اس لفظ کے معنون مین
سے ایک معنی ”حلیم“ ہے، اور یہان پر اس لفظ سے مُراد آنحضرت م کی اسی معنی سے تھی؛
چنانچہ آپنے آگے حضرت امام کی شانِ حلم دکھانے کے لئے ان اللہ یصلح الخ فرمایا۔ اس لئے
یہ فرقہ حسنی سیدون کو حسینی سیدون سے سیادت مین اولےٰ اور مُرجّح سمجھتا ہی۔

دوسرا فرقہ وہ ہے جو دائرہ سیادت کو کسی قدر وسعت دیتا ہے، وہ کہتا ہے
کہ سیادت مین حسنی اور حسینی دونون یکسان اور برابر ہین، کسی کو کسی پر فوقیت نہین؛ اور
اپنے دعوے کے ثبوت مین ذیل کے دلائل پیش کرتا ہے:-

(۱) حضرت رسول کریم م کی کوئی اولادِ نرینہ بقیدِ حیات نہ رہی؛ پس آپ
حسنین رضی اللہ عنہا کو اپنی اولاد تصور فرماتے تھے، اور اُن کو اِبنٌ کے لفظ سے مخاطب
کرتے تھے، اور دونون کو یکسان پیار کرتے تھے؛ خود سید البشر و سید الکائنات تھے،
اس لئے حضرت امام حسن ع کو اپنی اولاد تصور کر کے سَیِّدٌ فرمایا۔ اور یہ اتفاقی امر تھا،

کہ اوسوقت حضرت امام حسین ؑ موجود نہ تھے؛ ورنہ یہی لفظ اون کی شان مین بھی فرماتے۔

(۲) حضرت رسول مقبول ؐ نے حسنین علیہما السلام کی شان مین سید الشباب اھل الجنۃ، یعنی جوان جنتیون کے سردار فرمایا ہے، اس لئے "سید" کا اطلاق دونون پر مساوی ہے۔

تیسرا گروہ بنی فاطمہ کو سید کہتا ہے، عام ازاین کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولادِ ذکور سے ہون یا اولادِ اناث سے، چنانچہ وہ جعفری الزینبی کو بھی سید کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ رض بمنزلہ آنحضرت صلعم کی اولادِ نرینہ کے سمجھی گئین، اس لئے حضرت فاطمہ رض کی اولاد بالتعمیم حضرت رسول مقبول ؐ کی اولاد خیال کی جاسکتی ہے؛ اس کے علاوہ حضرت سید المرسلین ؐ نے آپکی شان مین سیدۃ نساء اھل الجنۃ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہی خیال سر سید احمد خان مرحوم کا بھی تھا۔

چوتھا فرقہ سیادت کے دائرے کو حد سے زیادہ وسیع کرتا اور کُل بنی ہاشم کو اس کے اندر داخل کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہاشم تمام قبائلِ قریش کے سردار تھے، اور اسی لئے قبل از نبوت بھی حضرت رسول کریم ؐ نہایت وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے؛ پس دینی حیثیت کو چھوڑ کر دنیاوی حیثیت سے بھی حضرت سید کائنات ؐ تمام قبائل عرب کے سردار تھے۔ چنانچہ یہ گروہ بنی ہاشم کو (عام ازاین کہ وہ عباسی ہون یا علوی یا زبیری الہاشمی) سادات مین شمار کرتا ہے۔ المختصر لفظ "سید" کے اطلاق کی نسبت چار رائین ہوئین جو ہم نے اوپر بیان کین۔

اب ہمین لفظ شیخ کی حقیقت دکھلانی ہے۔ شیخ کے معنی لغات عرب مین بوڑھے کے ہین، یعنی ایسا شخص جسکی عمر پچاس کو پہونچی ہو، یا اوس سے تجاوز کر گئی ہو۔

پھر یہ لفظ مجازاً ہر ایک بزرگ اور مہتم بالشان شخص کے لئے استعمال کیا جانے لگا، جیسے حدیثون مین شیخین کا لفظ خلفاے اول و دوم رضی اللہ عنہما کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور فقہ حنفیہ مین امام محمد و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے لئے؛ اور اس وقت تک ممالک اسلامیہ مین وہ شخص، جس پر کل دینی فتوون اور فیصلون کا دار و مدار ہو، شیخ الاسلام کہلاتا ہے۔ پھر یہ لفظ ہر ایک ذی عزت اور بھلے آدمی کے لئے استعمال کیا جانے لگا، چنانچہ اسوقت بھی عرب مین ہر ایک سفید پوش کو یا شیخ کہکر پکارتے ہین۔ انگریزی مین اس لفظ کا مرادف جنٹلمین (Gentleman) ہے۔ اب اسکے اصطلاحی معنی کو لیجیے۔ لفظ سید پر بحث کرتے ہوئے ہم نے دکھلایا ہے کہ اسکے استعمال کی نسبت چار فرقون کی چار رائین ہین؛ چنانچہ پہلا فرقہ سواے امام حسن رض کی اولاد کے تمام اہل عرب کو شیخ شمار کرتا ہے۔ دوسرا گروہ حسنین رض کی اولاد کے سوا سب کو، تیسرا، بنی فاطمہ کو چھوڑ کر سب کو، چوتھا، بنی ہاشم کو مستثنیٰ کر کے باقی مہاجرین و انصار کی اولاد کو۔

یہ تو ان دونون لفظون سید اور شیخ کی حقیقت ہوئی۔ اب ہمین یہ دکھلانا ہے کہ یہ الفاظ تنزل کرتے کرتے کس درجے کو پہونچ گئے ہین، اور آجکل یہ کہان تک قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین۔ لفظ سید کا مرادف امیر ہے، جس کے (الف) کو تخفیف کے لحاظ سے حذف کر کے عموماً میر کہتے ہین؛ چنانچہ میر صاحب بجاے سید صاحب کے استعمال کرتے ہین۔ اب میر صاحب کی یہان تک مٹی پلید کی گئی ہے، کہ لُچون اور شہدون کی اصطلاح مین بھڑوون اور رنڈیون کے دلالون کو میر صاحب کہتے ہین۔ اور یہ تو مشہور ہے کہ نومسلم بھائیون (جولاہون کی قوم) کو عموماً شیخ نمازی بلکہ صرف شیخ کہتے ہین؛ اور اب تو یہان تک نوبت پہونچ گئی ہے، کہ ہر ایک مجہول النسب شخص سید یا شیخ آپکو

مبتلا تا ہے۔ چنانچہ اسی مطلب کو ادا کرنے کے لئے کسی نے کہا ہے۔ ۵

سال اوّل شیخ بودم سالِ دوم میرزا + غلّہ گر ارزان شود امسال سید میشوم

اب یہ دیکھنا ہے، کہ اون اشخاص کو، جو اولادِ عرب سے ہین، ان الفاظ کو اپنے نامون کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے یا نہین۔ وجہ استعمال دو ہو سکتی ہے، ایک تو فقط اپنی نسل اور قومیت کا اظہار، دوسری تفاخر۔ اگر شق اول مقصود ہے، تو مطلوب مفقود اسلئے کہ اب ہر ایک مجہول النسب شخص اپنے نام کے ساتھ اِن مین سے کوئی ایک لقب بلا تکلف ضم کر لیتا ہے۔ اور اگر ہم مان بھی لین کہ اُسکا استعمال کرنے والا واقعی اہل عرب کی اولاد سے ہے، تو اِن الفاظ کے استعمال مین اختلاف اس قدر ہے، کہ ہمین اسکا پتا نہین لگ سکتا کہ یہ اہل عرب کے کس قبیلے یا قوم مین داخل ہے۔ اور اگر ان الفاظ سے تفاخر منظور ہے، تو اس سے بڑھکر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے؟ اپنے منہ میان مٹھو بننا خوب نہین۔ نسب اور شرافت خاندانی نہ دین مین کار آمد ہے نہ دُنیا مین۔ اگر انسان کے لئے کوئی چیز مایۂ فخر ہو سکتی ہے، تو خود اوس کا ذاتی جوہر اور قابلیت۔ چنانچہ خداوند جل و علا شانہٗ اپنے کلام پاک مین فرماتا ہے، وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، یعنی، ہم نے تمہین گروہ گروہ اور قبیلہ قبیلہ اس لئے کیا ہے، کہ تم آپس مین ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ سچ پوچھو تو تم مین سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین۔

بِجِدٍّ لَا بِجَدٍّ کُلُّ مَجْدٍ
وَمَا جَدٌّ بِلَا جِدٍّ بِمُجْدٍ

یعنی، بزرگی اور فضیلت اپنی کوشش سے ہوتی ہے؛ نہ کہ کسی دادا کی اولاد ہونے سے۔ اور کوئی

دادا، جب تک وہ کوشش نکرے، دادا کہلانے کا سزاوار نہین۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ نے اسی تفاخر سے منع کرنے کے لئے کیا خوب کہا ہے

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ۵ کاندرین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

غرض یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہوگئی۔ کہ کسی شخص کو اپنے نام کے ساتھ سید یا شیخ کے لقب کو ضم کرنا کسی حیثیت سے مناسب نہین: ہان، اگر کسی دوسرے شخص کا ذکر کرنے یا اُس کو مخاطب کرنے مین یہ القاب استعمال کیے جائین تو کچھ مضایقہ نہین۔

اب رہا یہ امر کہ وہ مسلمان، جو از نسلِ عرب ہین، اگر اپنے نامون کے ساتھ سید یا شیخ کا لفظ نہ لگائین، تو آیا وہ اپنے نامون کو یون ہی معرّا رہنے دین، یا ان دونون القاب کے عوض کوئی اور الفاظ استعمال کرین! ہمارے نزدیک تعارف اور شناخت کے لئے (جو قانونِ قدرت کا منشا ہے اور نیز دنیاوی ضروریات سے ہے) اُن کو چاہیئے کہ بجائے سید و شیخ کے وہ اپنے نامون کے ساتھ ایسے الفاظ ضم کرین جن سے اُن کے خاندان اور نسب کی اصل حقیقت دریافت ہوسکے، مثلاً حضرت امام حسنؑ کی اولاد اپنے نام کے ساتھ حسنی، حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد جعفری یا طیاری، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد صدیقی لگائے، وقس علیٰ ھذا البواقی۔ اور کچھ شیخ و سید ہی پر منحصر نہین۔ بلکہ ہندوستان کی دوسری شریف قومین (جیسے مغل اور پٹھان) بھی اسی اصول پر عمل کرین، اور بجائے مرزا، یا خان کے، اپنے نامون کے ساتھ چغتائی، یوسف زئی، لودھی، وغیرہ الفاظ استعمال کرین چنانچہ عرب مین سلف سے آج تک لوگ اسی قسم کے القاب سے آپس مین ایک دوسرے کی شناخت کرتے ہین۔ اور اگر زمانہ موجودہ کے روشن خیال طبقے کو لیجئے، تو اس وقت سارا یورپ اِسی اُصول پر عمل کر رہا ہے؛ اور نہ صرف یورپ، والے، بلکہ اُن کے تتبع کرنے والون اور مقلدین (جیسے، یہودی، پارسی، بنگالی، وغیرہ) نے یہی روش اختیار کی ہے پس اس کے عمدہ اور پسندیدہ

ہونے مین کیا کلام ہوسکتا ہو! کہ ہم خرما و ہم ثواب است۔ دوسرے اس روش کے اختیار کرنے مین ایک بڑی خوبی یہ ہی کہ جو لوگ دوسرون کو دھوکے مین ڈالنے کی غرض سے اپنے کو سید یا شیخ ظاہر کرتے ہین، انکو اس بات کی جرات مشکل ہو گی کہ وہ اپنے نامون کے ساتھ حسینی یا عباسی یا فاروقی کا لفظ ضم کرین۔ مثلاً، ہم اپنے نام کے ساتھ جعفری لکھا کرتے ہین اور اسی لقب سے مشہور ہین، ہمارے بعد ہماری اولاد کیونکر یہ ہمت کر سکیگی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ حسینی کا لفظ ضم کرے! برخلاف اس کے، اگر ہم اپنے نام کے ساتھ سید لکھا کرین، تو ہمارے بعد ہماری اولاد کو اپنے تئین حسنی یا حسینی ظاہر کرنا بہت آسان ہوگا۔

ہم امید کرتے ہین کہ ہمارے ملکی مسلمان بھائی ہماری اس تحریر کو نظر غامض سے دیکھینگے اور ہماری اس تجویز پر ضرور عمل کرنے کی کوشش کرینگے، وما علینا الا البلاغ

محمد یوسف جعفری۔ رنجور۔ عظیم آبادی

زمانہ:۔ منشی دیا نرائن صاحب نگم بی۔ اے کانپوری کی اڈیٹری مین یہ ماہوار رسالہ شائع ہوتا ہے۔ نگم صاحب کا نام پبلک کے لئے کوئی نیا نام نہین ہے! مخزن مین آپکے اکثر مضامین نکل چکے ہین۔ اور مختلف علمی رسائل مین اسکا نام خاص طور پر دیکھا گیا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ زمانہ ہر طرح سے قابل تعریف ہے، اور ہم اسے اُردو کے موجودہ رسائل مین بہت غنیمت سمجھتے ہین۔ سب سے زیادہ قابل قدر بات یہ ہے، کہ اسمین صرف دلچسپی کے لئے نظم و نثر کا ایسا حصہ ہی شامل نہین ہے جسمین صرف انشا پردازی کا کوئی اعلیٰ نمونہ دکھایا گیا ہو، یا دو تین صفحون کے سیاہ کرنے کے بعد کسی تفریحی سبجکٹ کو ثابت کیا ہو، بلکہ اسکے ایک بڑے حصہ مین عموماً ضروری اور مفید مضامین شایع ہوتے ہین، اور کوشش کیجاتی ہے کہ کام کی باتین زیادہ تر لکھی جائین۔ جنوری کے نمبر مین کانفرنس بمبئی، پرسی کانفرنس بمبئی، نیشنل کانگریس، مدراس تین نہایت عمدہ آرٹکل اُن حضرات کے لکھے ہوے ہین جو خود ان مجالس مین شریک ہوے تھے۔ ان تمام خوبیون کے ساتھ اگر کوئی بات قابل اصلاح ہے تو وہ لکھائی چھپائی کا اہتمام ہی، جو ایسے عمدہ میگزین کی وقعت کو ظاہر مین نگاہون مین پیدا نہین کر سکتا۔ ہمارے خیال مین اگر یہ رسالہ بجائے بریلی مین چھپنے اور کانپور سے نکلنے کے کانپور ہی مین چھپکر نکلا کرے تو یہ نقص اچھی طرح دور ہو جا گا، اور ایک ہی مقام مین انتظام ہونے کی وجہ سے وقت پر بھی نکلا کرے گا۔ چار جز کی ضخامت پر ہے سالانہ بہت مناسب ہے۔ شائقین نیا چوک کانپور کے پتہ سے درخواست بھیجین۔

ریاض الاخبار

اور

لسان الصدق

ناظرین کو یاد ہوگا، کہ لسان الصدق کے پہلے نمبر مین ہمنے جہان مقاصد کی تشریح کی ہی وہان تنقید پر بحث کرتے ہوے لکھا ہی کہ "ہماری بیجا خاموشی نے قوم کو صرف تعریف و ستایش کا اسقدر عادی بنا دیا ہی کہ اگر کسی قسم کی تنقیدی نظر سے کام لیا جاتا ہی تو وہ اسکی متحمل نہین ہوسکتی"، اسکا ثبوت لسان الصدق مین پہلی تنقید کے لکھتے ہی ہمین ملگیا ہی! اور ریاض الاخبار کے فاضل ایڈیٹر ہماری طرف متوجہ ہوگئے ہین۔ ہم اس توجہ کو نہایت غنیمت سمجھتے ہین! ابتدا سے ہمین تعجب تھا کہ لسان الصدق کا قوم کو ناگوار اور تلخ معلوم ہونا تو ایک مسلم امر ہے، پھر لسان الصدق کی کیون نہین مخالفت کیجاتی؟ اور الحق مُر کیون نہین اپنا اثر دکھلاتا؟ الحمد للہ کہ اسکی مخالفت شروع ہوگئی ہی! جس سے اُسکا سچائی کی زبان ہونا مسلم ہوگیا۔ چنانچہ ۲۸ مارچ کے ریاض الاخبار مین آپ زبان پر بحث کرتے ہوے تحریر فرماتے ہین کہ "ہماری ساتھ اب فاضل ایڈیٹر مخزن اور فاضل علامہ شروانی پر بھی گالی گلوج کی بوچھار ہو رہی ہی، شاید یہ طریقہ استدلال جدید تہذیب و شایستگی کے اصول منطق کا مسلمہ مسئلہ ہی کہ جواب دینے کے وقت بھٹیارون کی زبان استعمال کیجاے ایسے لوگون کو مخاطب بنانا بھی ہم مناسب نہین خیال کرتے! اسلیے ہم اپنے محترم دوست اڈیٹر مخزن کو صلاح دیتے ہین، کہ وہ لسان الصدق کلکتہ کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کرینگے۔ بعض احباب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہی کہ انکو یہ بھی ابتک معلوم نہین ہوا، کہ خواجہ صاحب کی جدید طرز پر انکو اعتراض ہے، یا ہم انکی زبان و محاورات پر شکوک ظاہر کرتے ہین، لسان الصدق کے ایڈیٹر جو خود کو بڑا فاضل تصور کرتے ہین اور جنکی تعریف بھی ہمنے ریویو کی وقت کی ہی، وہ بھی اسی غلط فہمی مین مبتلا ہین" جن حضرات نے فروری کے نمبر مین ہمارا وہ نوٹ جو ریاض الاخبار کے متعلق چھپا ہی، اور وہ انتقاد جو مولنا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کی تنقید حیات جاوید پر لکھی گئی ہی دیکھا ہی، وہ ریاض الاخبار کے اس مضمون کو دیکھکر سخت تعجب مین ہونگے، کہ لسان الصدق کے مقابلہ مین کیون اسقدر کذب بیانی سے کام لیا گیا ہی"؟ ابتدا سے آخر تک ان دونون مضمونون مین ایک جملہ بھی ایسا نہین ہے جسپر ریاض الاخبار گالی گلوج کا اطلاق ثابت کردے! کیا افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کے اس اردو اخبار کو جسکے دربار دہلی مین مدعو

ہونے کا بعض اخبارات افسوس کرتے تھے، غلط کہتے ہوئے شرم نہ آئے! اب ہم ریاض الاخبار کو مخاطب کرکے دعوے سے

کہتے ہین کہ اگر وہ ہمارے جملے نقل کرکے یہ ثابت کر دینگے کہ واقعی ہمنے کالی گلوچ کی اپنے مضمون مین بوچھاڑ کی ہے[1] تو ہم ایک اشرفی انکی نذر کرینگے؛ ورنہ انہین اس کذب بیانی اور بہتان لگانے کی اخبار مین ہمسے معافی مانگنی چاہیئے۔

اگر ریاض الاخبار اپنے قول مین سچا ہے، تو اُسے فوراً دلائل کے ساتھ اپنا دعوا ثابت کر دینا چاہیئے، جسمین علاوہ ایک اخلاقی فائدہ کے مالی منفعت بھی ہوجائیگی، ورنہ اگر اُسنے خموشی سے کام لیا تو قوم پر ظاہر ہوجائیگا کہ اُسنے جو کچھ لکھا تھا اُسمین سچائی کو بالکل دخل نہین ہے۔ اس مضمون مین ریاض الاخبار نے اسکی بھی کوشش کی ہے کہ ہمارے مکرم دوست شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کو ہماری جانب سے بدظن کردے، لیکن یہ اُسکی کوشش بالکل فضول ہے۔ ہمین شیخ صاحب کی خدمت مین ذاتی نیاز حاصل ہے، اور انکی عنایتین جو ہم پر اکثر ہوتی رہتی ہین، کبھی ہمین یہ امید نہین دلا سکتین کہ وہ ہماری ایک آزادانہ تنقید لکھنے کی وجہ سے کچھ رنجیدہ ہوجائینگے۔ انھوننے خود قوم کو اسپر توجہ دلائی ہے، اور آزادی رائے کی حمایت کی ہے۔ ہمنے تنقید لکھنے سے پیشتر اسی خیال سے شیخ صاحب کو لکھا تھا کہ "آپکی تنقید حیات جاوید کے اکثر اعتراضات سے مین اختلاف رکھتا ہون، اور اسلیئے میرا ارادہ ہے کہ آپکی تنقید پر ایک تنقید لکھی جائے۔ کیا عجب کہ لسان الصدق ہی مین سلسلہ ایسا شروع کردون" چنانچہ انھوننے اجازت عطا فرمائی، اور ہمنے تنقید لکھنی شروع کر دی۔

اسکے سوا ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے گذشتہ نمبر مین ایک نوٹ تو بیشک، ریاض الاخبار اور مولنا حالی کی شاعری کے متعلق شائع ہوا تھا، جسکے متعلق ریاض الاخبار کو بحث کرنے کا حق تھا، لیکن اُسی تنقید کے متعلق جسمین حضرت شروانی کی تنقید سے بحث تھی؛ ریاض الاخبار کا زبان کھولنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ریاض الاخبار کو اس قسم کے علمی اور مذہبی مباحث سے کیا تعلق؟ یہ کوئی منشی امیر احمد کی سوانح عمری کی بحث نہین ہے؟ یا متروکات اور عیوبات شاعری کا ذکر نہین ہے کہ ریاض الاخبار اسمین دخل دے، یہ اس قسم کی بحث تھی جس سے ریاض الاخبار کا ایڈیٹر بحیثیت ایک شاعر کے

[1] اور بھٹیاروں کی زبان استعمال کی ہے، اور نیز یہ کہ ہمارے کسی مضمون یا جملے سے انھوننے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ ہم اپنے تئیں ایک فاضل سمجھتے ہین۔

کوئی تعلق نہین رکھتا، باوجود اسکے دونون مضمونون پر قلم اٹھانا دخل درمعقولات نہین ہے تو کیا ہی! ہم اس قسم کے تردیدی مضامین سے لسان الصدق کے سفید صفحات سیاہ کرنا نہین چاہتے لیکن سخت مجبوری یہ پیش آئی کہ ریاض الاخبار نے ہمارے متعلق ایک غلط مضمون اڑانا چاہا تھا، اسلیئے پبلک کو اس دھوکے سے مطلع کرنا ضروری سمجھکر یہ مضمون لکھنا پڑا۔ آئندہ سے ہم اس قسم کے مضامین سے بالکل احتراز کرینگے "لسان الصدق" کی جلدون مین صرف یہی ایک تحریر ایسی ملے گی جو کسی کی تردید مین لکھی گئی ہے۔ ہان اگر ریاض الاخبار نے اپنے دعوی کو ثابت کر دیا تو ہم کسی دوسرے رسالے کے ذریعہ سے اسپر نظر ڈالینگے مگر لسان الصدق کے صفحات خراب نہین کئے جائینگے۔ اس طویل مضمون کی اشاعت مین جتنے صفحے صرف ہوئے ہین ہم ناظرین سے اسکی معافی چاہتے ہین۔ (ایڈیٹر)

انجمن ترقی اردو

۱۴- فروری سنہ ۱۹۰۷ء کو انجمن کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا سکرٹری نے بیان کیا کہ چونکہ مسٹر آرنلڈ صاحب بوجہ ترک تعلق ہندوستان انجمن ہذا کی پریسیڈنسی سے علیحدہ ہونے والے ہین۔ اس لیے انجمن کی طرف سے ان کی توجہ اور سرگرمی کے شکریہ مین جو انھون نے انجمن کی ترقی کے متعلق برابر مبذول رکھی کیا طریقہ اختیار کیا جائے!

باتفاق یہ طے ہوا کہ جناب ممدوح کی خدمت مین ایک اڈریس انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے جسکو سکرٹری اور بعض ممبر بمبئی مین جناب ممدوح کی خدمت مین حاضر ہو کر پیش کرین۔

اسکے بعد جدید پریسیڈنٹ کے انتخاب کے متعلق بحث ہوئی اور قرار پایا کہ باہر کے ارکان سے بھی راے طلب کی جائے۔

(جدید پریسیڈنٹ انجمن ترقی اردو)

خیر خواہان انجمن اس خبر کو خوشی سے سنینگے کہ جناب مسٹر آرنلڈ صاحب کے بجائے جو کہ بوجہ ترک تعلق ہندوستان انجمن کی پریسیڈنٹی سے مستعفی ہو گئے ہین مسٹر ڈبلیو بیل صاحب سی۔ آئی۔ ڈائرکٹر پبلک

مطبوعہ ہادی پریس ہریسن روڈ نمبر ۱۴۱ کلکتہ

لسان الصدق

(دارالسلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ)

نمبر ۴	۲۰ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء	جلد ۲

فہرست مضامین

اجرت طبع اشتہار

	سال بھر کے لئے	چھ ماہ کے لئے	تین ماہ کے لئے
صفحہ	[illegible]	[illegible]	مثعہ ؍
نصف صفحہ	[illegible]	معہ ؍	للعہ ؍

ایک مرتبہ کے لئے فی سطر ۲ ؍ - مشتہر کا نام اور پتہ بھی مضمون اشتہار میں داخل ہوگا -

شکریہ

ہم اپنے محترم احباب جناب قاضی حمیدالدین صاحب حمید اور جناب منشی فضل دین احمد صاحب کے نہایت ممنون ہین جنھون نے - نہ صرف اس قومی رسالے کے خریدار انکے بہم پہنچانے مین کوشش بلیغ فرمائی ہے، بلکہ ایک معقول مالی امداد سے بھی اس رسالے کے اجرا مین ہمارا ہاتھ بٹایا ہے - اگر اسی طرح ہمارے مہربان حال اور علم دوست احباب ہمارے اس قومی کام مین ہماری تائید پر اپنی توجہ مبذول فرماتے رہے، تو ہم اس کی کوئی وجہ نہین دیکھتے، کہ کیون یہ رسالہ ترقی کے اُس اوج پر جلد نہ پہنچ جائیگا جس کی نہ فقط ہم دل سے آرزومند ہین، بلکہ ہمارے قدردان ناظرین بھی اشتیاق کے ساتھ انتظار کر رہے ہین!

ایڈیٹر

دار السلطنت ہند میں اک عمدہ اُردو پریس کی کمی

یہ انقلاب بھی کس قدر قابل تعجب ہے، کہ انڈیا مین جو شہر سب سے پہلے مشرقی زبانون کے عمدہ پریسون کا مخزن تھا، اور جو تمام ہندوستان مین عربی، فارسی، اردو، کتابون کی اشاعت کا سب سے اعلیٰ مرکز سمجھا جاتا تھا؛ آج وہان ایک پریس بھی ایسا نہو، جہان سے اردو زبان کی کوئی کتاب یا رسالہ کسی قدر عمدہ حالت مین چھپکر نکلے! کلکتہ مین (آج) جہان ایک عمدہ اخبار، ایک عمدہ رسالہ، ایک عمدہ انجمن کی کمی ہے، وہان سب سے زیادہ قابل افسوس کسی عمدہ اردو پریس کا نہونا ہے۔ لسان الصدق کو جو مشکل اپنی ظاہری حالت کے سنبھالنے مین پیش آرہی ہے، وہ اسی کمی کی بدولت ہے۔

ہندوستان مین سب سے پہلے زیادہ تر ٹائپ کے پریس جاری ہوے؛ قدیم سے قدیم کتاب جو لیتھو کی چھپی ہوئی ہماری نظر سے گذری ہے، وہ ایک جرثقیل کے بیان مین فارسی زبان کا مختصر رسالہ ہے، جسے انگریزون نے اپنے ابتدائی زمانے مین مدراس مین چھاپا تھا؛ اسکے علاوہ فن ہیئت قدیم جدید مین منشی جواہر سنگھ زخمی کی ایک کتاب جو نصیر الدین حیدر کے زمانے مین چھپی تھی۔ انکے علاوہ اور تمام کتابین جو قدیم زمانہ مین چھپی ہین زیادہ تر ٹائپ ہی مین چھپی ہین؛ اور انہین سے اکثر کلکتہ کے چھپی ہوئی ہین؛ تمام انڈیا مین کلکتہ سے بڑھکر اور کوئی شہر دار الطبع ہونے کا دعوا نہین کرسکتا تھا۔ عام پریسون کے علاوہ ایشیاٹک سوسیٹی بنگال کا پریس نہایت خوشخط اور وسیع پیمانہ کا پریس تھا، جسنے بہت سی قدیم نایاب کتابین عربی، فارسی، اردو کی اپنے اہتمام اور انتظام سے چھاپکر شائع کین۔ لیس صاحب کا پریس بھی اُس زمانے مین ایک عمدہ پریس تسلیم کیا جاتا

تھا۔ سب سے زیادہ قدیم کتاب جو کلکتہ کی چھپی ہوئی ہماری نظر سے گذری ہے، وہ تحفۂ اثنا عشری ہے، جسکی لوح پر شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا نام مدظلہ العالی یا کسی اور ایسے دعائیہ جملہ کے ساتھ لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کی زندگی مین چھپی تھی۔ اگرچہ اس نسخہ کے آخری صفحہ کے نہونے سے تاریخ طبع کا پتہ نہین لگ سکا، لیکن یہ ظاہر ہے، کہ شاہ صاحب نے ۱۲۳۹ھ مین انتقال کیا تھا، اور اسلیئے اس کتاب کو چھپے ہوے آج کوئی سو برس ہو گئے ہین۔ اسکے علاوہ ایک مستند لغت شمس اللغات ہے جو پہلے پہل کلکتہ مین چھپا تھا، اور جسکا سن طبع ۱۸۰۶ء ہے۔ ہفت قلزم کا فرسٹ ایڈیشن جو نہایت خوبصورت ٹائپ مین غالبًا نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے ایما سے چھپا تھا ہمارے پاس موجود ہے، اور یہ بھی نہایت قدیم زمانہ کا چھپا ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سترہوین صدی کے اختتام ہی سے ہندوستان مین پریس کی بنا پڑگئی تھی، اور کلکتہ سے بڑھکر اور کوئی جگہ انڈیا بھر مین پریس کا عمدہ مخزن نہین تسلیم کی جاتی تھی۔ بپٹسٹ مشن پریس کی بنا اگرچہ بعد کو پڑی، لیکن یہ فخر اسی کو حاصل ہوا کہ نستعلیق ٹائپ کا بہترین پریس انڈیا مین سمجھا گیا۔ جان مارشمن کلارک صاحب کی ہسٹری آف انڈیا کا فارسی ترجمہ جو مولوی عبد الرحیم مرحوم گورکھپوری نے کیا تھا، اسی پریس نے نستعلیق ٹائپ مین ایسا خوشخط اور خوشنما چھاپا ہے، جسکی نظیر ملنی دشوار ہے۔ اس بیان مین فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا (جسنے آگے چلکر بورڈ آف اکزامنرس کا نام اختیار کیا) ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جسکی بدولت اردو زبان کے ابتدائی دور مین عمدہ عمدہ کتابین تصنیف ہوئین، اور کلکتہ مین چھپ کر شائع ہوئین مولوی کبیر الدین احمد مرحوم کے مظہر العجائب پریس نے بھی اپنے زمانے مین اچھی اچھی کتابین چھاپکر

شائع کین۔ لیکن افسوس ہے کہ جسقدر زمانہ ترقی کرتا گیا، کلکتہ مین عمدہ پریسون کا تنزل ہوتا گیا۔ لیتھو پریس نے تو ادھر ہندوستان مین ایسی قبولیت پیدا کرلی تھی، کہ ٹائپ کا تنزل ضروری تھا، لیکن لیتھو پریس نے بھی کلکتہ مین تنزل شروع کردیا، اور آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ آج ایک عمدہ چھپائی کے خواستگار کو کلکتہ مین کوئی پریس نظر نہین آتا۔ اصلی وجہ اسکی یہ ہے کہ اُس زمانے مین پریس کے قائم کرنے سے اصلی غرض مالک کی اشاعت علوم اور ترقی مطابع مقصود تھی، اور مالی منفعت کا خیال تو ایک لازمی امر تھا۔ لیکن اب یہی غرض جو سابق مین اصلی غرض تھی مفقود ہوگئی ہے، اور صرف مالی منفعت کے لئے، جسکے لئے صرف پریس کا اچھے برے طریقہ سے جاری رہنا کافی ہے، لوگ پریس قائم کرنے لگے، اسلئے انھین اس سے کیا غرض کہ کام عمدہ ہو، صرف کام کا ہونا ضروری ہے تاکہ خرچ کے نکلنے کے سوا کچھ منفعت بھی ہو جائے۔

لسان الصدق کو جب ہمنے نکالنا چاہا، تو سب سے پہلی مشکل جو پیش آئی وہ یہ تھی کہ اسکی چھپائی کا کیا انتظام کرنا چاہیئے۔ کلکتہ مین کوئی عمدہ پریس نظر نہین آتا تھا، ساتھ ہی یہ امر بھی پیش نظر تھا، کہ جو رسالے کسی دوسرے شہر مین چھپتے ہین، اور انکا قیام اشاعت دوسرا شہر ہے، وہ پابندی وقت کے ساتھ نہین نکل سکتے، اور یہی ایک ایسی چیز ہے، جو رسالہ کی وقعت بڑھا سکتی ہے۔ اسلئے ہمنے مجبوراً کلکتہ ہی مین ایسا پریس تلاش کیا، جو بہ نسبت اور پریسون کے کسی قدر غنیمت ہو، کیونکہ سردست ابتدائی حالت کے لحاظ سے یہ امر بھی مشکل تھا کہ رسالے کے لئے خاص پریس جاری کیا جاتا۔ جس پریس مین آجکل رسالہ چھپتا ہے، یہ کسی قدر کلکتہ کے پریسون مین ممتاز نظر آیا، اور یہین ہمنے چھپائی کا انتظام کیا، لیکن افسوس ہے کہ صاحب مطبع نے ابتدا مین تو کسی قدر عمدہ کام کیا، لیکن آگے چلکر وہ اپنے

معاہدہ پر قائم نہ رہ سکے، اور۔ ادھر کے تین نمبر چھپائی کے لحاظ سے ادنی درجہ پر شائع ہوئے۔ گذشتہ نمبر مین صاحب مطبع نے غالباً غلطی سے (کیونکہ ہم دانستہ کہنے کی تو ایک مسلمان پر جسنے معاہدہ کیا ہو جرأت نہین کرسکتے) کاغذ بھی خلاف معاہدہ خراب لگایا، وہ جب پرچہ ہمارے سامنے آیا، تو سوا اسکے کہ ہم اپنی جگہ پیچ وتاب کھاکے رہجاتے، اور کچھ نہین کرسکے۔ اس مضمون کے لکھنے کی (جسمین ہمنے ضمناً دلچسپی کے لئے ہندوستان مین پریس کے ابتدا کی ایک مختصر تاریخ بھی بیان کردی ہے) یہ ضرورت تھی کہ ہم اپنی مجبوری بیان کرکے ان احباب کے آگے جو لسان الصدق کی چھپائی دیکھکر کسی قدر بے دل ہو گئے اصل حالت ظاہر کردین! ہمنے اپنی کوشش بھر عمدہ انتظام کرنا چاہا، لیکن افسوس ہے کہ ہماری کوشش کا کوئی عمدہ نتیجہ نہین نکلا۔ انشاء اللہ عنقریب کانپور یا آگرہ مین طبع کا انتظام کیا جائے گا، اور امید ہے کہ اس حالت مین نہایت عمدگی سے شائع ہوگا۔ آخر مین ہم اپنے ناظرین کی خدمت مین اسقدر گذارش کرنے کی اور جرأت کرتے مین کہ ہمنے آپکی دلچسپی کے لئے تو یہ کچھ انتظام کیا ہے، آپکو بھی ہمارا کچھ خیال ہے؟ اسکی ترقی اشاعت مین کوشش کیجیے، پھر دیکھیے کہ اسکی حالت مین کیسی روزافزون ترقی ہوتی ہے۔

ایڈیٹر

التماس

جن حضرات کی خدمت مین "لسان الصدق" ہر مہینے پہنچتا ہے، اور انھون نے اب تک زرِ چندہ نہین بھیجا ہے، اُن کی خدمت مین التماس ہے، کہ اس پرچے کے پہنچتے ہی زرِ چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائین، ورنہ اس خادمِ قوم کو تحریری اجازت دیکر کہ اُن کی خدمت مین مئی کا پرچہ وی۔ پی بھیجا جائے مرہونِ منت فرمائین، اور اگر انھین کسی طرح اس پرچے کی خریداری منظور ہی نہ ہو، تو ایک کارڈ پر اپنی نامنظوری ہی لکھو بھیجین، کہ آیندہ یہ پرچہ اُن کی خدمت مین نہ روانہ کیا جائے، اور دارالاشاعہ پوسٹیج کی زیرباری سے بچے۔

منیجر "لسان الصدق"

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ ای لئیم
تو نے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کئے

دست قدرت نے کیسی کیسی دلفریب صورتین صفحۂ ہستی پر نقش کین۔ کیسے کیسے خوشرنگ پھول چمن دہر مین کھلائے مگر زمانہ کی حریص نظر سب کو کھا گئی۔ کچھ نہ بچا۔ زمانہ کی روش ہمیشہ یون ہی رہی ہے اور ایسی ہی رہیگی۔ وہ بشیر و خلق جس نے زندگی انسان کے طریقہ کو مہذب بنایا اور خدا کی وحدانیت کی تعلیم عام کردی وہ حکیم جس نے ایک عالم کو عقل کی باتین بتائین۔ وہ منجم جس نے عجائبات فلکی کی سیر ایک جہان کو دکھائی۔ وہ مورخ جس نے زمانہ گذشتہ واقعات کو جمع کر کے تہذیب کا ترقی دلایا۔ وہ شاعر جس نے چمن طراز قدرت کی خوش نوائیون کی داد اپنے پیاری زبان مین ادا کر کے انسان کی روح کو ایک ایسی نعمت کا مزا چکھایا جسکی لذت بیان کے احاطہ مین نہین آسکتی اور حسن و عشق کے دلخوش کن افسانون کو ایسے انداز سے بیان کیا جسکی داد ہم کو دنیا کی کوئی خوبی نہین پہونچتی۔ سب کے سب آخر نذر اجل ہو گئے۔ ان کے رخصت ہونے پر بہت واویلا اور وامصیبتا کی فریاد بلند ہوئی بہت سے دل خون ہو گئے۔ مگر زمانہ کو اسکی پروا کب تھی۔ اُس نے کسیکی آہ و فریاد پر کان نہ دہرے اور اپنے بیرحمانہ انداز کو ہمیشہ برتتا گیا۔ آشنا کے آغوش مین آشنا سدھار گیا! نہ پوچھیے کہ کیا ستم ہوا۔ ماں کا اکلوتا بیٹا جسکے دم سے اُسکی ساری اُمیدین وابستہ تھیں آغاز شباب مین راہی عدم ہوگیا۔ غور کیجیے کہ کیا قیامت ہو گئی!

وہ صورتیں الٰہی کس مُلک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جنکے آنکھیں ترستیاں ہیں

اے اپنے مرنے والے فرزند کے غم مین آنکھون سے لہو بہانے والو! - تم اسقدر گریہ و زاری کس لئے کر رہے ہو - خدا کے لئے چپ ہو رہو - فلک تمپر رحم نہین کرنے کا - اے یتیم لڑکو! کیا تم کبھی اپنے پیارے باپ کی صورت دیکھوگے؟ نہین ہرگز نہین - پھر روتے کیون ہو؟ زمانہ کو تمہاری آہ و بکا کی اصلا پرواہ نہین -

دنیا مین بڑے لوگ بھی مرے ہین اور اچھے لوگ بھی مرے ہین - پھر ہم دنیا سے یہ سوال کیون کرتے ہین کہ -

تو نے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کیے!

اصل یون ہے کہ وہی جانے والے اہل زمانہ کے دلپر داغ چھوڑ جاتے ہین جو منتخب روزگار ہوئے ہین - ہم جیسون کے مرنے پر تو دنیا یہی کہیگی کہ خس کم جہان پاک -

جب مرنا ضرور ہے تو ہم اُن لوگون مین کیون نہون جنکی یاد خلق اللہ کو نہین بھولتی اور جنکو اُنکے عزیز رکھنے والے ہمیشہ دعای خیر کے ساتھہ یاد کرتے ہین! اور جب کبھی گورستان کی طرف آنکلتے ہین تو اُنکا جی بھر آتا ہے اور وہ بیتاب ہوکر زمین کو یون خطاب کرتے ہین -

تو نے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کیے؟

اگر موت لوگون کو اس مقام تک پہونچائے تو مرنے کی تمنا کرنی چاہیئے مگر افسوس یہ مرنا مرنے والون کو کم نصیب ہوتا ہے - سب سے آسان طریقہ اس مرتبۂ بلند تک رسائی پیدا کرنے کا یہ ہے کہ ہم اسلام کے مبارک احکام بجالائین - ہم مسلمانون نے اپنے اطوار کو اس طرح بدل ڈالا ہے کہ اب معلوم نہین ہوتا کہ ہمارا مذہب اسلام ہے اور ہم اُس قوم کی یادگار ہین جس مین زیادہ تر وہ لوگ گزرے ہین جنکے کارہاے نمایان کو زمانہ اب تک نہین بھولا ہے اور جنکو اب تک ہماری متجسّس نگاہین ڈھونڈھتی ہین! ورنہ پاکر بے اختیار زمین سے

لڑنے لگتی ہین اور کہتی ہین - ع

تونے وہ گنجہاے گران مایہ کیا کیئے!

افسوس! ہم ایسے ہوگئے ہین کہ ہارا رہنا اسلام کے لئے سخت شرم کی بات ہے - ہندوستان کے پردے سے ہمارے نام کا مٹ جانا بہتر تھا - ہم مین اب ایسے لوگ کہان ہین کہ جنکو مرے پیچھے زمانہ یاد کریگا؟ مسلمانان ہند مین اب ویسے گنجہاے گرانمایہ کم ہین جیسے آگے ہوا کرتے تھے جنکے ذکر سے تاریخ کے صفحات پُر ہین -

اصد ری ہماری ذلت وخواری! جب تک جیئے ایک کس مپرسی کی حالت مین رہے مرگئے تو فوراً بھلادیئے گئے - روز حشر کو اُٹھے تو نجات سے مایوس ہوکر اُٹھے - تف اس زندگانی پر - ۵

نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

اے ہمارے ہموطن مسلمان بھائیو! تم اپنی حالت پر رحم کرو - تمھارا چال چلن بالکل بگڑ گیا - سنبھلو اور اسلام کو بدنام نہ کرو - راستبازی کو اپنا شیوہ بنالو - بڑون کی تعظیم کو اپنا شعار کرو - علم سیکھو - اعمال ٹھیک رکھو - دوستون کے دل کو طریق وفاداری سے خوش رکھو - قوم کو فائدہ پہونچانے سے ایک دم غافل نہ رہو - غربا کی دستگیری کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تمھارے بعد اہل زمانہ تمکو یاد کرین - تمھارے نیک کام جب اُنھین یاد آئین تو وہ ایسے بیتاب ہون کہ بیساختہ اُنکی زبان سے یہ شعر نکل پڑے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم
تونے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کیئے

تھیئیٹر

نمبر ۱

تھیئیٹر کا لفظ اپنے طول کے لحاظ سے اب کسی تشریح کا محتاج نہین ہے، ہمارے ملک مین اسکا رواج روز بروز ترقی پر ہے۔ کوئی بڑا شہر ایسا نہین ہے، جہان کوئی مستقل تھیئیٹر قائم نہو: ورنہ یون تو بعض کمپنیون کا دورہ ہر شہر مین ہر سال ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہان ہمین تھیئیٹر کا لفظی ترجمہ کرکے اُسکی مختصر تاریخ بیان کرنی ہے، اور اُسکے بعد اُن نیک و بد اثرات پر بحث کرنا ہے، جو تھیئیٹر نے ہندوستان مین اپنے وجود سے پیدا کیئے ہین۔

ایڈیٹر

"تھیئیٹر" ایک یونانی لفظ ہے۔ اِس کے لفظی معنی منظر یا "تماشا گاہ" کے ہین۔ پہلے یونانی اپنے تیوہارون مین ایک چندروزہ چوبین چبوترا بنا کر اُس پر تماشے کرتے تھے (جس طرح آجکل ہندوستان مین رام لیلا ہوتا ہے) ۵۰۰ سنہ قبل از مسیح مین ایک مستقل تھیئیٹر کی عمارت کی بنیاد پڑی۔ اور سب سے پہلی تھیئیٹر کی عمارت ۳۴۰ سنہ قبل از پیدائش مسیح مین اختتام کو پہونچی۔ یونانی اِس قسم کے تھیئیٹر دامنِ کوہ پر بنایا کرتے تھے۔ پہلے پہل پہلی صدی قبل از پیدائشِ مسیح مین اہل روما نے مسطح زمین پر تھیئیٹر بنایا۔ عورتین بھی تھیئیٹرون مین شریک ہوا کرتی تھین۔ چوتھی صدی قبل از پیدائشِ مسیح مین یونان کے ہر ایک بڑے شہر مین ایک تھیئیٹر بن گیا۔ سب سے مکمل تھیئیٹر الیسپنڈس واقع پمفیلیا مین دوسری صدی عیسوی مین بنایا گیا جو آج تک موجود ہے۔

اِس پر پردے کی چھت تھی۔ جو چوبون پر استادہ تھی۔ اس کے قبل کے یونانی تھیٹرون
مین دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی چیز نہین ہوتی تھی۔ یونانیون کے تھیٹرون مین صرف
ڈرامے (ناٹک) ہوتے تھے۔ لیکن رومن خونخوار نظارون کے نہایت شائق تھے۔ وہ
اپنے تھیٹرون کو امفیتھیٹر کے کام مین بھی لانے لگے۔ ۵۵ء قبل از پیدائش مسیح
مین پامپی نے روما مین ایک تھیٹر بنایا جس کے کھنڈر اب تک باقی ہین۔ یہ "سنگی تھیٹر"
کے نام سے مشہور ہے۔ اس مین ۴۰ ہزار تماشائی شریک ہوتے تھے۔ اس کے افتتاح کے
وقت گلیڈییٹر ۵۰۰ شیر ببر اور ۲۰ ہاتھی کا خون کرتے تھے۔ پھر اُس کے بعد ۱۳ء
قبل از پیدائش مسیح مین جولیس سیزر اور آگسٹس نے اُسی تھیٹر کے پاس ایک تھیٹر
"مارسیلس" کے نام سے بنایا اور اُنھین دنون ایک اور تھیٹر کارنیلیس بلیس نے بنایا۔
ان دونون کے کھنڈر بھی اب تک باقی ہین اور روما کے مہتم بالشان صنادید مین شمار
کیئے جاتے ہین۔ پھر تو تھیٹر اس کثرت سے بنے کہ ہر ایک بڑے رومن شہر مین کوئی نہ
کوئی تھیٹر ضرور تھا۔ بعض اوقات رومن دو تھیٹر ایک دوسرے سے متصل بناتے
تھے۔ ایک تو یونانی ڈراما کے لیئے اور دوسرا لاطینی ڈراما کے واسطے۔

قرن اوسط مین عجائبات اور کرامات کے تماشے اور مقدس نظارے بکثرت
تھیٹر مین داخل کیئے گئے۔ سولھوین صدی عیسوی مین دنیاوی (یعنی غیر مذہبی)
ڈرامے از سرِ نو زندہ کیے گئے۔ اور ملکہ الیزابتھ کے عہد حکومت مین اس قسم کا ڈراما
انگلش لٹریچر کا ایک جزو اعظم ہو گیا۔ اِس صدی کے اخیر مین ایک مستقل عمارت تھیٹر
کے لیئے بنائی گئی جس کے مہتم شیکسپیر اور بربیج تھے۔ پہلی تعمیر بربیج نے لندن مین
۷۶-۱۵۷۵ء مین بنائی جو "دی تھیئیٹر" کے نام سے مشہور تھی۔ پھر "گلوب"

"دی بینک سائیڈ" وغیرہ نامی تھیئیٹر بنے۔

اٹلی مین سولہوین صدی مین ڈرامہ پر زیادہ زور دیا گیا اور کئی تھیئیٹر وٹرووئیس کے کلاسک تھیئیٹر کے نمونے پر بنے۔ منجملہ اُن کے ٹیٹیئٹر ڈا ولمپکو نامی تھیئیٹر جو ویسنزا مین سنہ ۱۵۸۴ء مین بنا تھا اب تک موجود ہے۔

فرانس مین انگلنڈ کی نسبت عجائبات کے تماشون پر غیر مذہبی ڈرامون کو پہلے غلبہ ہوا۔ لوئی یازدہم کے عہدِ حکومت مین سنہ ۱۴۰۲ء مین ایک جماعت نے جو "بردرس آف دی پیشن" کے نام سے مشہور تھی ایک تھیئیٹر قائم کیا جس مین کچھ تو مذہبی ڈرامے اور کچھ نقلین ایکٹ کی جاتی تھین۔ اور سترہوین صدی مین پیرس مین اوپرا نے رواج پایا۔

اٹھارہوین صدی کے اخیر مین یورپ کے عمدہ ترین تھیئیٹر سین کارلو واقع نیپلس لااسکیلا واقع میلین اور لافینس واقع وینس تھے۔ (یہ سب اٹلی مین واقع ہین) لیکن موجودہ صدی مین پیرس اور سینٹ پیٹرزبرگ اور دوسرے دار السلطنتون کے تھیئیٹرون نے جسامت اور تزک واحتشام دونون مین اُن تھیئیٹرون کو دبا ڈالا۔

(ملخص از انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا)

مسیحا:۔ اس نام کا ایک گلدستہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے جسمین علاوہ نظم و نثر کے علاوہ مفید معلومات اور انتخاب اخبارات کا حصہ بھی ہوا کرتا ہے۔ پہلے حصہ مین قدیم طرز پر طرحی غزلین ہوا کرتی ہین جسمین زیادہ تر پنجاب کے شعرا کا کلام ہوتا ہے اسمین کوئی شک نہین کہ ایشیائی شاعری کی ترقی کیلئے ایسے گلدستون کی پنجاب مین ضرورت ہے، جو شعرا کی طبیعتون مین ایک عمدہ تحریک پیدا کردیتے ہین۔ اسکی سالانہ قیمت عہ ہے، جناب شیخ محمد حسین صاحب پروپرائٹر کے نام چوک پاسیان امرتسر کے پتہ سے خط وکتابت کرنی چاہیئے۔ ایڈیٹر

حصہ

انتقاد

حیات جاوید

سرسید کی لائف

گو کہ "حالی" اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہیں
کاش! ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ!!

نمبر ۲

اس مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھکر تمنے جو رائے قائم کی ہوگی! اگر واقعی تمہاری طبیعت انصاف پسند ہے، اگر واقعی تم سچائی کے عاشق ہو، تو بیشک! وہ حضرت بھیکم پوری کے موافق نہوگی! تمنے اندازہ کر لیا ہوگا کہ انکی تنقید کس پایہ کی ہے! اور کس انداز سے لکھے گئے! لیکن باوجود اسکے تم تعجب سے سنوگے کہ ہمارے مکرم دوست جناب شیخ عبد القادر صاحب اس تنقید کے مداح ہین! اور انکے خیال مین "حیات جاوید" کے مذہبی مباحث پر جس قسم کے تنقید کی ضرورت تھی، اُسے حضرت کی یہ تنقید پورا کر رہی ہے! چنانچہ وہ اپنی تنقید نمبر ا مین لکھتے ہین کہ "ایک قابل قدر تنقید الخ"..

اگرچہ شیخ صاحب اسکا اقرار کرتے ہین، کہ "اس سے گو ہمین پورا اتفاق نہو" لیکن ساتھ ہی انکا یہ فرمانا کہ "یہ فرض حضرت شروانی بخوبی ادا کر چکے ہین" تعریف کا ایسا جملہ ہے،

جس سے بہتر لکھا نہیں جاسکتا، انکی اس رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا انھوں نے حضرت بیگم یورپی کی تنقید ملاحظہ نہیں کی، اور صرف انکی ذاتی قابلیت کی بنا پر تعریف کردی ہے، یا اگر دیکھی ہے، تو اُس تنقیدی نظر سے نہیں دیکھی جس پر وہ ملک کو توجہ دلا رہے ہیں
بہر کیف اب ہمیں اپنا اصل مضمون شروع کرنا چاہیئے۔

جناب شیخ عبدالقادر صاحب بی اے کی تنقید

سنہ ۱۹۰۱ء میں اُردو علم ادب کے سرمایہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا۔ یعنی مولانا الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی جیسے مشہور مصنف کے قلم سے سرسید احمد خان مرحوم جیسے نامور محسن ملک و قوم کے حالات زندگی ایک ضخیم کتاب کی صورت میں شائع ہوئے۔ جسکا نام حیات جاوید تھا۔ یہ نام کہا جا سکتا ہے کہ اس سے موزوں تر نام ایسی کتاب کے لئے ملنا مشکل ہے۔ اس ملک میں اور زمانہ حال میں اگر کسی مسلمان نے ایسے کام کئے ہیں جن کے سبب وہ جاودانی زندگی کا مستحق ہو اور اس کا نام قائم رہے۔ جب تک کہ مسلمانان ہند قومی حیثیت سے زندہ ہیں۔ تو وہ سرسید احمد خان تھا اور اس کی حیات کے سوانح کو حیات جاوید کہنا بالکل حق بجانب ہے۔ یہ کتاب شائع ہوتے ہی مقبول ہوئی۔ بلکہ شائع ہونے سے پہلے حصہ اول کے چھپنے سے پہلے مقبول ہو چکی تھی۔ لوگ اس کے منتظر تھے۔ اسکا مطبع سے نکلنا تھا کہ قبول عام نے استقبال کو دوڑا۔ اور ہر دلعزیزی نے قدم چومے۔ دو امر بھی عمر اور حُسن طبع کے اعتبار سے زیادہ ونتے۔ ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ جتنی چھپی تھیں ان میں سے بہت جلدی ہو چکیں اور جو باقی تھیں وہ رفتہ رفتہ بکتی جاتی

ہین۔ گو اُس کامیابی کی جو کسی ایسے مصنف کی کتاب کو جس مین کسی ایسے

لگانہ روزگار کے حالات درج ہون۔ انگلستان جیسے ملک مین ہوتی۔ تو توقع

ہی نہ تھی۔ مگر اس ملک کے اعتبار سے جس قدر کی نگاہ سے اس کتاب کو دیکھا

گیا اور جو کامیابی اِسے ہوئی۔ وہ بہت غنیمت ہے۔

"کسی شخص کے حالات کا لکھنا" نہایت قدیم فن ہے مسلمانون نے اپنے زمانہ عروج مین اس فن کو بہت ترقی دی اور بالخصوص "علم الروایۃ" کی ضروریات نے "علم الرجال" کی بنا ڈالکر اسے نہایت وسیع کردیا لیکن آجکل جو اصول سوانح نگاری کے یورپ نے مقرر کیے ہین، درحقیقت انسے ہماری قدیم تذکرہ نویسی کو کوئی نسبت نہین ہے۔ ایک قدیم تذکرہ نویس کا اہم فرض یہ ہے کہ ہیرو کے سال ولادت اور سال وفات اور بعض کمالات کا تذکرہ کردے؛ لیکن برخلاف اسکے جدید بائیوگریفی کا اصلی عنصر یہ ہے کہ الا ہیرو کی ابتدا سے آخر تک حالت بیان کرکے پھر اوسکے اخلاق و عادات طرز معاشرت مخصوص کمالات ترقی و تنزل کے اسباب پر کافی بحث کی جائے؛ تاکہ ہیرو کی بولتی چالتی تصویر پڑھنے والے کے سامنے موجود ہوجاے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قدیم و جدید طریقہ مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اب سے پہلے اردو زبان کا دامن اسقدر خالی تھا کہ اسمین قدیم روش کی سوانح عمری بھی کوئی مبسوط نہین لکھی گئی تھی۔ اردو زبان کے لٹریچر مین جب انقلاب شروع ہوا اور یہ جدید علمی اثرات سے مستفیض ہوئی، تو بعض طبیعتون مین مغربی طریقون پر کتابین تصنیف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اُن سب مین مولنا حالی کا نام خاص طور پر لیے جانے کا مستحق ہے، جنھون نے سب سے پہلے شیخ سعدی شیرازی کی لائف لکھکر

اردو زبان کو بھی جدید بائیوگرافی سے آشنا کیا۔ اسکے بعد اردو زبان مین گویا اسکی داغ بیل پڑ گئی، اور اس طریقہ پر اکثر کتابین لکھی گئین، خود مولٰنا نے یادگار غالب مین مرزا اسد اللہ خان غالب کے حالات کو جدید طریقہ پر لکھنے کی کوشش کی۔ مگر سب سے زیادہ قابل قدر کتاب سر سید احمد خان مرحوم کی لائف حیات جاوید انکے قلم سے نکلی ہے، جو واقعی اردو زبان مین لائف کا صحیح مفہوم ادا کر سکتی ہے، اور جو اسوقت ہمارے زیر بحث ہے۔

اِس کتاب پر اعتراضات کیئے جاتے ہین کہ "کتاب مکمل لائف کا دعوا نہین کر سکتی، واقعات ضروری چھوڑ دیے گئے ہین، بچپن کے زمانے کے حالات زیادہ بہم نہین کر سکے، بعض مضامین فضول بھر دیے جنکی کوئی ضرورت نہین تھی۔"

لیکن افسوس ہے کہ جن مشکلات کا سامنا مصنف کو تصنیف کرتے ہوئے ہوا ہوگا، اور واقعات کو جمع کرتے ہوئے، جن باتون کی کمی مجبور کر رہی ہوگی، اُسکا کوئی اندازہ نہین کرتا، اور اعتراضات نہایت وسعت کے ساتھ کیے جا رہے ہین۔

جناب شیخ عبد القادر صاحب کے اعتراضات مین بھی سب سے اہم اعتراضات اسی قبیل کے ہین، چنانچہ انھون نے اپنے دو نمبرون مین اہم اعتراضات صرف یہ کیے ہین:۔

(۱) حیات جاوید ایک مکمل لائف کا دعوا نہین کر سکتی؛ اسلیے کہ اسکا بیشتر حصہ سر سید مرحوم کی بیرونی زندگی اور امور رفاہ کے ساتھ اُنکے تعلقات کے بیان کے ساتھ گھرا ہوا ہے، اور انکے بچپن کے حالات کا کافی سراغ نہین لگایا ہے۔

(۲) بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک کے زمانے مین ضروری تفریق کرنے اور اُس کے مدارج ترتیب وار دکھانے کی اہمیت کا پورا اندازہ نہ کرنے کے باعث مولٰنا حالی ایک اور باریک سی غلطی مین پڑے ہین، اور وہ یہ کہ انھون نے

ابتدائی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے بھی سید احمد خان مرحوم کو سرسید کے خطاب سے یاد کیا ہے، مثلاً صفحہ ۳۲ مین لکھا ہے "۱۸۴۵ء مین سرسید فتحپور سیکری سے جہان وہ خود منصف تھے، دلی آئے" مگر ۱۸۴۵ء مین "سرسید" کا وجود کہان تھا۔ سید احمد خان تو البتہ موجود تھے۔

(۳) ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب نے ہمین (ادیبانہ پہلو سے) نہایت مایوس کیا ہے، اور طرز عبارت (جسے انگریزی مین سٹائل کہتے ہین) اور صفائی زبان مین یہ ہرگز ایسی تصنیف نہین ہے جسکی مولنا حالی کے سے مشاق اُستاد سے توقع تھی۔

(۴) مولنا نے بلا ضرورت کتاب مین جا بجا کثرت سے انگریزی الفاظ استعمال کیے ہین جس سے کتاب اردو خوان جماعت کے لیے مغلق ہو گئی ہے اور عبارت کا روکھا پن غیر مانوس وغیر مستعمل انگریزی الفاظ کی بھرمار سے اور بھی بڑھ گیا ہے۔

ان اعتراضات کے سوا اور بھی متفرق اعتراض کیے ہین، جنپر ہم بھی متفرق طور پر بحث کرین گے۔

چراغ دہلی

اخبار کرزن گزٹ نے اپنی تھوڑی سی عمر مین جو ترقی حاصل کی ہے، وہ فی الحقیقت عام اردو اخبارون کی ترقی سے کوئی نسبت نہین رکھتی۔ مرزا حیرت صاحب کے خیالات اور اصول سے اگرچہ ہم پورے طور پر متفق نہین ہین، مگر اسقدر کہنا ضروری سمجھتے ہین کہ وہ اخبار کی ترقی اور شہرت کے اصلی راز سے بخوبی واقف ہین۔ انعامی کتابون کا سلسلہ اگرچہ کرزن گزٹ کی پیدائش سے بہت پہلے اردو اخبارون مین شروع ہو گیا تھا، لیکن مرزا صاحب نے اس سلسلہ کو فروغ دے کر جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ یقیناً کسی اخبار کو نصیب نہین ہوئی ہے گا!۔

للعہ کرزن گزٹ کی سالانہ قیمت ہے، اور تقریباً سات روپیہ کی کتابین سال بھر مین خریدار
کو مفت ملا کرتی ہین گویا چار روپیہ دے کر تین روپیہ کے نفع مین، سال بھر اخبار کی مفت
سیر ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت مین عام پبلک کی توجہ اخبار پر جسقدر ہو کم ہے۔ اسی انعامی کتب
کے سلسلہ مین "چراغ دھلی" کے نام سے ایک تاریخی کتاب میرزا حیرت صاحب نے
ترتیب دے کر چھاپی ہے، جو صرف کرزن گزٹ کے خریدارون مین انعاماً تقسیم کیجاتی
ہے۔ مرزا صاحب نے یہ کتاب تنقید کے لئے ہمارے پاس ارسال فرمائی ہے؛ اور اسلیئے ہم اپنی
رائے مجملاً ظاہر کر دیتے ہین۔ چراغ دہلی کی اشاعت سے بیشتر جو اشتہار مرزا صاحب نے کارونیشن
کے زمانے مین شایع کیا تھا اسمین دعوی کے ساتھ یہ بات ظاہر کی گئی تھی کہ "دربار دہلی کی ایک
مفصل تاریخ مع تصاویر شائع کی جائے گی اور ہندوستان کی کوئی تاریخ دربار اُسکا مقابلہ
نہین کر سکے گی"، لیکن افسوس ہے کہ چراغ دہلی کو اُس دعوے سے کوئی نسبت نہین ہے۔
اس مین صرف ایک باب دربار شہنشاہی کے عنوان سے لکھا گیا ہے، جسمین مختصر دربار کی
کیفیت اور فہرست رؤسا کے سوا اور کوئی مفصل رپورٹ نہین ہے۔ اسکے سوا یہ بات
ظاہر کی گئی تھی، کہ دہلی کی تاریخ بھی علیحدہ لکھی جائے گی؛ مگر ہم دیکھتے ہین کہ چراغ دہلی
کے پہلے باب مین صرف مختصر طور سے دہلی کی تاریخ سات آٹھ ورقون مین لکھی گئی ہے؛
جسمین غیر منتظم طریقہ سے بابر اور محمد شاہ وغیرہ کی مجمل کیفیت مندرج ہے۔ غرضکہ اس
کتاب کی اشاعت سے پہلے جس قسم کی تصنیف کی امید دلائی گئی تھی وہ چراغ دہلی کو دیکھکر
پوری نہین ہو سکتی۔

چراغ دھلی موجودہ حالت مین ایک ایسی کتاب ہے، جسکا موضوع "دہلی" ہے،
اور جو دہلی کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا ایک خاکہ پیش کر دیتی ہے۔ اسلیے اسمین کوئی

شک نہین کہ اول سے آخر تک دلچسپ ضرورہے۔ پہلے باب مین اردو زبان کی ایک مجمل تاریخ اور شعراے اردو کا مختصر تذکرہ ہے، جسکے بعد دہلی کی ابتدائی تاریخ بیان کرکے پہلا باب ختم کردیا گیاہے؛ دوسرے باب مین زمانہ غدر کی کیفیت، غدر کے اسباب، دیسی فوج کی ظالمانہ کارروائی، اور بہادر شاہ کی شرکت، اگرچہ تفصیلاً نہین مگر کافی اطلاعات کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اسکے بعد بہادر شاہ مرحوم کے مقدمہ کا بیان شروع ہوتا ہے، جو اسمین شک نہین کہ نہایت ہی دلچسپ ہے؛ اسکے دیکھنے سے یہ اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ مین مظالم غدر نے انگریزون کو ہندوستانیون سے اور بالخصوص مسلمانون سے بدظن کردیا تھا۔ اس باب کے اختتام پر آثار الصنادید کا باب شروع ہوتا ہے جو غالباً سر سید احمد خان مرحوم کی آثار الصنادید سے ماخوذ ہے۔ اس باب مین مختصر طور پر دہلی کے بعض قدیم آثار اور موجودہ حالت کی کیفیت لکھی ہے اور جابجا معمولی نقشے بھی دیے گئے ہین۔

چوتھے باب مین دربار شہنشاہی کی دلچسپ کیفیت اور وایسراے کی اسپیچ وغیرہ درج کی گئی ہے۔ اسکے بعد موجودہ والیان ریاست مین سے اکثر رئیسون کے فوٹو دیے گئے ہین، جو افسوس ہے کہ اپنی اصلی تصویرون سے بہت کم مشابہت رکھتے ہین۔ بہرکیف اس اجمالی خاکہ سے ناظرین نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ جو شخص دار السلطنت ہند کی زبان، حوادث واقعات، موجودہ حالت، دربار شہنشاہی کی کیفیت معلوم کرنا چاہے، اسکے لئے یہ کتاب عمدہ اطلاعین بہم پہنچا سکتی ہے؛ بالخصوص اسکا وہ حصہ زیادہ قابل قدر ہے، جو انگریزی سے ترجمہ کرکے مقدمہ بہادر شاہ مرحوم کے متعلق اسکے شامل کیا گیا ہے۔

ابتدا مین اردو زبان کی تاریخ اور شعراے اردو کا تذکرہ جو لکھا گیا ہے، اسمین ہمنے نہایت تعجب سے یہ بات دیکھی کہ شعر کے مختلف زمانون کے لحاظ سے کسی قسم کی ترتیب

نہین رکھی گئی ہے اسکے علاوہ بعض واقعات بھی غلط لکھے گئے ہین۔ مثلاً میرزا غالب مرحوم کے حالات مین انکے سفر کلکتہ کی اصلی وجہ شاگردان قتیل سے مباحثہ بیان کی ہے، حالانکہ میرزا غالب محض اپنی خاص ضرورتون سے کلکتہ جانے پر مجبور ہوئے تھے، انکو اپنی پنشن اور خطاب کے متعلق گورنمنٹ انگریزی سے کچھ خط وکتابت کرنی تھی، اور اسلیے دار السلطنت مین آنا ضرور تھا اور غالباً میرزا حیرت صاحب نے مولٰنا حالی کی "یادگار غالب" ملاحظہ نہین فرمائی ہے! ورنہ ایسی غلطی نہین ہوتی۔ اسی قسم کی اور بھی قابل اعتراض فروگذاشتین ہین، جنپر بحث کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہان ہمین ایک ایسی کتاب پر جسکی غایت صرف انعام ہو مفصل انتقاد کرنا مقصود نہین ہے؛ صرف مرزا صاحب کو توجہ دلانی تھی، کہ وہ طبع ثانی کے موقع پر اسکا خیال رکھین۔

ہم ناظرین کو توجہ دلاتے ہین، کہ وہ کرزن گزٹ کو خرید کر اس دلچسپ کتاب کو (جس کے مطالعہ سے دہلی اور اسکی زبان اور تاریخ کے متعلق عمدہ اطلاعین حاصل ہونگی) ضرور ملاحظہ فرمائین۔

ایڈیٹر

الدر المنثور

فی تراجم

اہل صادقپور

عظیم آباد پٹنہ مین صادقپور ایک قدیم محلہ ہے! جسکی ایک زمانے مین عظیم آباد سے بھی زیادہ شہرت تھی، اور عظیم آباد کو لوگ صادقپور کے پتہ سے جانتے تھے بڑے بڑے علمار، صلحا، اطبا،

اسی صادقپور کی خاک پاک سے پیدا ہوے ، اور پھر پیوند خاک ہو گئے - جب سید احمد مرحوم رائے بریلوی سکھون سے جہاد کرنے کی غرض سے ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے اور انکا کچھ عرصہ تک قیام پٹنہ مین بھی ہوا ، تو خاندان صادقپور کے تمام افراد نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی ، اور جان و مال سے فدا ہونے کو طیار ہو گئے - تاریخ ہند کا وہ عجیب زمانہ ، جبکہ وہابیت کے مضمون نے جہاد اور بغاوت کی صورت سے گورنمنٹ کے دلمین جگہ پائی تھی ، ایسا پُر آفت زمانہ تھا ، کہ کسی شخص کو وہابی کہنا یہ مفہوم رکھتا تھا کہ اب بیچارہ کا ارادہ بحر اسود کی سیر کرنے کا ہو چلا ہے - اسی زمانے مین گورنمنٹ ہند کو اس خاندان پر شبہہ ہوا کیونکہ سید صاحب کے ہمراہیون مین سب سے زیادہ پُر جوش اور جان و مال فدا کرنے والے اکثر صادقپوری تھے - چند واقعات نے اس شبہہ کو یقین تک پہنچا یا ، اور شُبہہ کا اثر عمل تک پہنچا - پھر نہ پوچھو کہ اس خاندان کا حال کیا ہوا ؟ جتنے بزرگ خاندان مین موجود تھے وہ تو قید ہو گئے اور عورتین بچے ادنی حالت پر چھوڑ دیے گئے ، بیس بیس برس تک قید رہے ، کیسی کیسی مصیبتین اٹھائین - لیکن باوجود اسکے سچائی اور صبر کا رشتہ ہاتھ سے نہین چھوٹا - یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہی گورنمنٹ جو اسسے پیشتر انپر نامہربان تھی ، مہربان ہو گئی -

الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور کے اسی خاندان کے ایک یادگار جناب مولنا عبد الرحیم صاحب عظیم آبادی مصنف ہین جسمین انھون نے اول تذکرہ وہابیان بنگالہ کی کیفیت بیان کی ہے اور اُن مصائب کا ذکر کیا ہے جو انپر اور انکے خاندان پر اس زمانہ مین گذرے اسکے بعد تمام خاندانی بزرگون کا جنمین سے بہت سے پیوند خاک ہو چکے ہین ، اور کچھ موجود ہین حالات لکھے ہین - اسمین کوئی شک نہین کہ کتاب بہت دلچسپ ہے ، اور ترقی و تنزل کا ایک اچھا نمونہ پیش کرتی ہے - افسوس ہے تو اسکا ہے کہ کتاب کی طرز عبارت اور طریق

ترتیب بالکل قدیم طریقہ پر رکھی گئی ہے، اور اسلیئے جدید اردو کے مزے لینے والے اُسے دلچسپی کے ساتھہ نہین پڑہ سکتے۔ غالباً اسکے مصنف کی ایک عرصہ سے عزلت نشینی اور اُس لٹریری انقلاب سے ناواقفیت اسکا باعث ہوئی جو گزشتہ صدی کی اخیر چوتھائی مین واقع ہوا ہے۔ باوجود اسکے چونکہ اس موضوع پر اور کوئی کتاب نہین ہے، اسکی قدر دانی کرنی ضروری ہے۔ جو حضرات اس کتاب کو خریدنا چاہین ۱۲؍ قیمت پر مصنف ممدوح سے پٹنہ۔ ڈاکخانہ گلزار باغ محلہ میر شکار ٹولہ کے پتے سے منگوالین۔

ایڈیٹر

لسان الصدق

کے متعلق

بعض معزز ہمعصرونکی رائے

ہم نے کسی پچھلی اشاعت مین وہ ریویو شایع کیے ہین، جو ہمارے بعض معزز ہمعصرون نے فیاضانہ طور سے "لسان الصدق" پر کیے ہین۔ آج ہم چند دوسرے قدر دان ہمعصرون کی رائین اس ناچیز پرچے کے متعلق درج ذیل کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہین :-

دلچسپ

بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء

کلکتہ سے ایک ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے جسکے مہتمم اور ایڈیٹر مولوی ابوالکلام محی الدین صاحب دہلوی ہین جو ہندوستان کے مشہور انشاپرداز ہین اور عرصہ دراز سے ملک و قوم کو اپنے مفید اور برجستہ خیالات سے مستفید کر رہے ہین یہ رسالہ صرف قومی خدمت کے جوش مین جاری کیا گیا ہے مگر بقول مولوی صاحب موصوف افسوس ہے کہ انکے بعض اہل الرائے معاونین کے رسالہ کی ضخامت اور گنجائش نہایت مختصر ہے۔ قابل ایڈیٹر صاحب کا خیال ہے کہ رسالہ کی خدمات کی پسندیدگی اہل ملک سے خود اُس کی ترقی کا سامان

مہیا کرلیگی خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ امر مولانا ابو الکلام جیسے قادر الکلام انشا پرداز کی قلم وریون کے سامنے کچھ مشکل نہین - سالانہ قیمت صرف عہ ہے - جو اصحاب اس قابل قدر رسالہ کے مشتاق ہون وہ تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۷۱ کلکتہ کے پتہ پر درخواست کرین -

ایڈورڈ گزٹ
شاہجہانپور
۲۹ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء

ہمارے لایق مہربان ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے "لسان الصدق" نام ایک ماہوار رسالہ کلکتہ سے جاری فرمایا ہے - اسکے مقاصد نہایت عمدہ اور مفید ہین اول اصلاح معاشرت - ظاہر ہے کہ ہمکو اصلاح معاشرت کی کسقدر ضرورت ہے - دوسرا مقصد ترقی اردو یہ بھی بڑی ضروری بات ہی - تیسرا مقصد علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگالہ مین - بنگالہ مین یہ ایک بڑی کمی تھی کہ ہمارے بنگال بھائی علم ادب اُردو سے قریب قریب بالکل ہی ناواقف ہین ہم نہایت مسرور ہین کہ ہمارے دوست مولانا آزاد نے اس کمی کے پورا کرنے کی طرف توجہ کی ہی - چوتھا مقصد تنقید - اور ہمارے خیال مین یہ ایسا مقصد ہی کہ اگر حسب دلخواہ انجام پاتا رہا تو ہمارے لیے بہت کچھ مفید ہوگا - پبلک کی عام حالت ہو رہی ہے کہ جب کوئی کتاب کسی کے پاس پہونچتی ہے تو وہ صرف اسکی خوبیون کے اظہار پر اکتفا کرتا ہی لیکن کسی عیب کے ظاہر کرنے کی طرف کبھی بھول کر بھی توجہ نہین کرتا اسکا اصلی سبب یہ ہی کہ ہمارے مصنفین مین ابھی اتنی بردباری اور سنجیدگی اتنا حلم اور متانت نہین پیدا ہوئی ہی کہ وہ اپنی تصنیف کے خلاف مین کسی کی زبان سے کچھ سُنین اور اُسکو صحیح پائین تو شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرلین انکا تو بس یہ مقصد ہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہی صحیح ہے اور ہر طرح پر قابل تعریف جو اس کو دیکھے ہماری تعریف کرے لیکن اب ضرورت مقتضی ہے کہ تازہ تصانیف پر جنکی تعداد روزمرہ بڑی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہی منصفانہ اور آزادانہ خیالات ظاہر کیے جائین اگر کوئی تصنیف مفید ہے تو اُسکے مفید ہونے پر اور کوئی مضرت رسان ہی تو اُسکے مضرت رسان ہونے پر نیک نیتی سے بحث کی جائے تاکہ مفید تصنیف سے لوگ فائدہ حاصل کرین اور مضرت رسان کی

خریداری سے باز رہیں علاوہ اسکے ہمارے مصنفین کو ذرا سوچ سمجھ کر قلم اٹھانے کا خیال پیدا ہو۔ ہم صرف دو صاحبوں کا نام لے سکتے ہیں جنھوں نے لفظ تنقید کو اپنے اصلی معنوں میں سمجھا ہے اور نہ صرف سمجھا بلکہ عملاً ظاہر بھی کر دیا ہے انہیں سے پہلے مولوی ممتاز علی صاحب اڈیٹر تالیف و اشاعت لاہور۔ اور دوسرے شیخ عبد القادر صاحب بی اے مالک واڈیٹر مخزن لاہور ہیں یا اب ہمارے دوست مولوی ابو الکلام آزاد نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ لسان الصدق جلد جلد ترقی کے زینے طے کرے اور ملک کے واسطے ایک مفید پرچہ ثابت ہو لسان الصدق علاوہ مضامین کے لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی بہت اچھی حالت میں ہے۔ ضخامت ۱۶ صفحہ۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ/۔ نمونہ کے پرچہ کے واسطے دو پیسہ کا ٹکٹ۔ خط و کتابت اس پتہ سے ہونی چاہیئے "نمبر ۱۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ۔ ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد"

نظام الملک

(مراد آباد)

۱۶ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء

لسان الصدق ایک رسالہ ہے جو کلکتہ سے ابو الکلام مولوی محی الدین صاحب آزاد دہلوی نے ماہوار شایع کیا ہے اس رسالہ کا دوسرا نمبر اسوقت ہم دیکھ رہے ہیں اس نمبر کو دیکھتے ہوئے ہم ضرور یہ کہیں گے کہ ہمارے آزاد دہلوی نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اوٹھایا ہے اگرچہ یہ رسالہ مسلمانوں سے مخصوص ہے لیکن جسوقت آپکے مفید مضامین کے مقاصد پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بیساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ذرا پبلک اسکی قدر دانی کرکے دیکھ تو لے کہ ہمارے آزاد صاحب کس آزادی سے اسکے مقاصدوں کو پورا کرتے ہیں اگرچہ اسکی لکھائی چھپائی بہت عمدہ ہے لیکن اس لکھائی چھپائی کی تعریف کرنا اس رسالہ کی صورت کی تعریف کرنا ہے اور ہم اس کی صورت سے بہت زیادہ اسکی سیرت کی تعریف کرتے ہیں ہندوستان کے دار السلطنت یعنی کلکتہ میں ایسے رسالہ کے شایع ہونے کی بہت ضرورت تھی لیکن اسکے ساتھ ہی ہم یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ پبلک کی علمی ناقدردانی نے باعلموں کی ہمت کو توڑ رکھا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ پبلک لسان الصدق کی خریداری میں کوشش کرکے آزاد صاحب کی ہمت کو پست نہونے دینگے۔

دلچسپ معلومات
(اخبارات کے متعلق)

جاپان نے اونیسوین صدی مین وہ حیرت انگیز ترقی کی ہے، کہ کوئی مشرقی ملک اُس سے ٹکر نہین کھاتا، اسی لئے یورپ نے اِسے "برطانیہ ایشیا" کا خطاب دے رکھا ہے۔ ہمین یہان اوسکی پولٹیکل ترقی سے بحث نہین ہے، اسلیئے کہ اب اوسکی پولٹیکل قوت اوسکے مقابلہ مین خود دنیا دیکھ رہی ہے! یہان یہ بات دکھلانی ہے کہ عام علمی مذاق، علمی احساس، اور علمی شوق، جاپان مین کس درجہ ہے؟ اور دیگر مشرقی ممالک سے اُسے کیا نسبت ہے؟ صرف اخبار کو لیجیے! بیشک اسکی قلت و کثرت، خرابی و عمدگی سے کسی قوم کے علمی مذاق کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اخبار کی ترقی جاپان مین اس قدر جلد ہوئی ہے کہ باوجود برٹش سایہ کے ہندوستان کو وہ فوری ترقی نصیب نہین ہوئی، سنہ ۱۸۶۸ء مین جاپان سے صرف ایک اخبار نکلتا تھا! اور اب تقریباً چھ سو اخبار اور رسالے روزانہ ہفتہ وار مختلف مضامین پر شائع ہوتے ہین جنمین پچیس چھبیس رسالے طبی ہین، اور تیس سے زائد قانونی ہین۔ اسیطرح عام علمی، اخلاقی، مذہبی رسالون کی بھی کمی نہین ہے۔ یہ تمام اخبار اور رسالے یورپ کے اخبارون اور میگزنون کی روش پر نہایت اعلے اہتمام سے شائع ہوتے ہین، اس سے ایک سطحی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ جاپان اور ہندوستان مین کیا نسبت ہے؟ یا دیگر مشرقی ممالک کی ترقی اسکے مقابلہ مین کیا حالت رکھتی ہے؟

یورپ وامریکہ مین جس کثرت سے اخبار نکلتے ہین، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ تمام اخبارون مین (۶۰) لاکھ کاغذ کے دستے صرف ہوتے ہین!

لسان الصدق

(دار السلطنت کلکتہ کا ایک علمی ماہوار رسالہ)

نمبر ۵ | بابت مئی سنہ ۱۹۰۴ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ضمیمہ

شکریہ

لسان الصدق کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ابتدائے اشاعت سے اُسے ایسے مہربان شفیق مل رہے ہین، جنکی نظر توجہ سے ایک دن یہ پرچہ ضرور اپنے مقاصد مین کامیاب ہوگا - چنانچہ اُنھیں مہربانون مین ہمارے مکرم دوست منشی نواب دین صاحب ہین جنھون نے اِس وقت اِس ناچیز پرچے کے دس خریدار بہم پہنچائے ہین، اور آیندہ بھی اس کی اشاعت مین ہر قسم کی تائید کرنے کا وعدہ کیا ہے - ہم اُن کی اِس حال کی عنایت کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتے ہین اور اُن کی مستقبل نوازشون کے لیے چشم براہ ہین -

"ایڈیٹر"

انجمن حمایت اسلام لاہور

(اور زندہ دلوں کا وطن)

مبارک تھے وہ لوگ، جنھوں نے ایسے تقریباً بیس سال پیشتر پنجاب کے قدیمی دارالحکومت لاہور میں ایک مفید انجمن قائم کی! اور نہایت مقدس تھے وہ ہاتھ، جنھوں نے اُس بابرکت انجمن کا بنیادی پتھر رکھا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ اس انجمن کی تحریک طبیعتوں مین اُس قومی احساس، اور علمی ذوق نے پیدا کی تھی جو اس سرزمین کو زندہ دلی کا خطاب دینے والے نے اپنی سچائی بھری کوششوں سے پنجاب کے گوشہ گوشہ مین پیدا کر دیا تھا۔ لیکن تاہم پنجاب کیلئے یہ امر کچھ کم قابل افتخار نہین ہی، کہ اُس زمانے مین جبکہ سرسید کی تعلیمات کا نہ صرف اُسکا عزیز وطن مخالف ہوا تھا، بلکہ قوم کی قوم مخالفت کی آگ بھڑکا رہی تھی، اسکی مایوس نگاہ نے دیکھا کہ پنجاب کی ارض مین اسکی خیر مقدم کو بالکل طیار ہے! نگاہون کا اسطرف اُٹھنا تھا، کہ ہزارون دل بکف حاضر ہو گئے! اور اُسکی ہر نصیحت پہ سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ مخالفت کی آگ جو پہلے یہان تیزی کے ساتھ سلگ رہی تھی، اس کامیابی کو دیکھکر بجھ گئی، اور بھڑکتے ہی گلزار ابراہیمی کی بہار دکھلانے لگی! اُسکے نوشگفتہ پھولون کی مہک نے پنجاب مین اس سرے سے اُس سرے تک وہ روح پھونک دی، جسنے اُسے زندہ دلی کے معزز خطاب کا سچا مستحق ثابت کر دیا۔ بیشک!! یہی وہ روح تھی، جسنے اس انجمن کی بنیاد رکھی، پھر اُسے مستحکم کیا، پھر اُسکی ترقی سے لوگون کو حیرت مین ڈالدیا، اور آج اسی روح کا ہم اپنی آنکھوں سے یہ نتیجہ دیکھ رہے ہین کہ "انجمن حمایت اسلام آج پنجاب کے مشہور تعلیم یافتہ، نامی افاضل، ہندوستان کے سحرالبیان مقرر، خوشگو شعرا، کا عظیم الشان مجمع، اور مسلمانانِ پنجاب کے علمی ذوق وشوق کا عمدہ ثبوت ہے۔"

انجمن حمایت اسلام نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے، اسکی وقعت کا درحقیقت اُس وقت اندازہ ہو سکتا ہی، جبکہ اُسکی موجودہ عظمت وشان دیکھتے ہوے، اس امر پر نظر رکھی جائے، کہ انجمن کی ابتدا مین بنیاد جن لوگون کے ہاتھون پڑی ہے، وہ نہ قوم مین کوئی قابل عظمت لیڈر سمجھے جاتے تھے، نہ گورنمنٹ

کے کسی معزز خطاب سے مخاطب تھے، نہ اُن لوگون کے نامون نے حروف تہجی کے کسی حصہ سے کام لیا تھا، اور نہ وہ ایسے دولتمند یا صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے، کہ انکی ہر راے اور ہر تحریک قدر و قعت کی نگاہ سے دیکھتی، لیکن باوجود اسکے، انکی کوششون نے جو باوقعت اور باعظمت نتائج آج پیدا کیے ہین، وہ اس امر کا عمدہ ثبوت ہی کہ "اگرچہ انکے ہاتھ دولت و مال سے خالی تھے، مگر انکے دل قومی ہمدردی اور حب الوطنی کے گران بہا خزانہ سے مالا مال تھے، انکی ہر ایک بات سچی ہوتی تھی، دل سے نکلتی تھی، اور اسلئے دلون کو مسخر کرتی تھی،" بیشک!! قوم کو ایسے ہی گمنام، غریب، معمولی، مگر قومی محبت کے نشہ سے چور، حب الوطنی کے جذبات مین سرشار، لوگون کی ضرورت ہے! نہ ایسے معزز، باعظمت، خطاب یافتہ دولتمند، مشاہیر کی ضرورت ہے، جو سوا اسکے کہ اپنے خطاب اور ثروت سے قوم مین خطاب یافتہ اور دولتمند افراد کے شمار مین ایک فرد بڑھا سکین، اپنے معزز وجود سے قوم کو کسی قسم کے منفعت کی توقع نہین رکھنے دیتے۔

اس سال انجمن کے سالانہ جلسے مین ہمین بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ جب کہ عام خیال ہی، جلسہ پچھلے سال کے جلسون سے اکثر باتون مین فوقیت رکھتا تھا۔ مجمع کے لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہین کہ کانفرس اور ندوۃ العلمار کے ہال بھی اتنے لوگون کو نہین سمیٹ سکتے۔ گو یہ سچ ہے، کہ حمایت اسلام ایک عام جلسہ ہے۔ اور کانفرنس وغیرہ مین صرف ممبر شریک ہوسکتے ہین۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا پرلطف لکچر، ہمارے مکرم دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی کا عالمانہ مضمون، حضرت "حالی" کی پر درد نظم۔ یہ ایسی چیزین ہین، جو کانفرنس کا اصلی عنصر اور روح روان سمجھی جاتی ہین لیکن اب انجمن حمایت اسلام نے اپنے غلغلہ ترقی سے تمام عناصر جمع کر لیے ہین! اور انکی مجموعی حالت نے جو صورت قائم کردی ہے، وہ دلکشی، دلچسپی مین کسی سے کم نہین ہے۔ غرض ہم انجمن کے پرلطف جلسہ مین شریک ہوے، اور اچھے اثرات لیکر وہان سے واپس ہوے ہمارا یہ مختصر سا سفر ۳۰ اپریل سے شروع ہوکر ۳ مئی کو ختم ہوا۔ اس عرصہ مین ہمنے پنجاب کے بعض مشہور مقامات کی سیر کی، اور ہر جگہ زندہ دلی کا عمدہ ثبوت پایا۔ انجمن کی طرف تمام پنجاب کی محبت آمیز نگاہین لگی ہوئی ہیں، اور اسکی ترقی کے سب دل سے خواستگار ہین۔

ہم نواب محسن الملک بہادر کے ہمزبان ہوکر کہتے ہین، کہ یہی ایک ایسی انجمن ہے، جو ابھی تک ایک عمدہ قاعدہ پر کام چلارہی ہے، اور یورپین اثر سے محفوظ ہے۔ آج اسلامیہ کالج کو کوئی یہ کہکر ڈرانے والا نہین ہے کہ "اگر ہماری اسکیم پر عمل نہ کیا جائے گا تو ہم فوراً استیفا دے دین گے"

ہم پنجاب کے جس شہر مین گئے، زندہ دلی تلاش کرتے رہے، کیونکہ ہمین اس امر کا عینی اندازہ کرنا تھا کہ زندہ دلی کے خطاب کا پنجاب کہان تک مستحق ہے، مگر ہمنے ہر جگہ زندہ دلی دیکھی۔ اور سب تو سمجھتے ہونگے کہ پنجاب مین صرف تعلیم یافتہ جماعت ہی زندہ دل ہے، مگر ہمارا تجربہ اور ہے، ہم سارے پنجاب کو اس سرے سے اس سرے تک زندہ دل سمجھتے ہین۔ ہان زندہ دلی کی بہت سی قسمین ہین، تعلیم یافتہ ذرا اعتدال کے ساتھ زندہ دل ہین اور عام حد سے بڑھے ہوئے زندہ دل لیکن پنجاب کی زندہ دلی مین کوئی شک نہین۔

آثار قدیمہ کے لحاظ سے بھی پنجاب کے علاوہ خال خال اور مقامات ایسے نظر آتے ہین، جہان کی شاہی عمارتین کسی عہد کہن کی یاد دیدہ آرا کرتی ہین۔ لاہور کا شالامار باغ فی الحقیقت اپنے زمانہ عروج مین ایک عجیب سیرگاہ ہوگا، لیکن اب تو سوا حوضون کے اسمین کچھ دھرا نہین ہے۔ نور جہان کی قبر دیکھی تھی، کہ ہمین مولانا شرر کی نظم یاد آگئی۔ اگر قبر کے سامنے ہی نور جہان کی وہ دلاویز تصویر لٹکا دی جائے، جسنے جہانگیر جیسے شہنشاہ کا دل ہاتھ مین لے لیا تھا، تو کیا ہمین یقین آئیگا، کہ اس تصویر کا اصلی کالبد اس خاک کے نیچے نہایت بیکسی کے ساتھ پڑا ہوا ہے؟ ایک نور جہان کی کیا حقیقت ہے، ہزارون ایسی بے مثال صورتین، جو صرف اپنے حسن کے برتے پر شہنشاہون کو نگاہ مین نہین لاتی تھین، اسی خاک کے ڈھیر مین آخر جاکر روپوش ہوگئین۔

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

اس مختصر سے سفر مین ہمین پنجاب کی مہمان نوازی نے کچھ دنون کے لئے تاریخ عرب کے صفحات فراموش کرادیے۔ ہم ان معزز دوستون کے نہایت ممنون ہین، جنھون نے پنجاب کی خوبی اخلاق کا ہمین کافی ثبوت دیا، بالخصوص جناب حافظ عبدالرحمن صاحب سیاح ممالک اسلامیہ، اور شیخ عبدالقادر صاحب بی اے

مولنا غلام رسول صاحب سیاح ایران، اور مولوی شیر محمد صاحب اور سید حاکم شاہ صاحب کی عنایتون کے شکر گذار ہین۔

آخر مین ہم اپنے مکرم مہربان شیخ غلام محمد صاحب (منشی فاضل) ایڈیٹر و پروپرائٹر اخبار "وکیل" کا شکریہ ادا کرتے ہین، جنکی نوازشوں سے امرتسر مین ہمارے دن نہایت دلچسپی سے بسر ہوے۔

ایڈیٹر

انڈین نیشنل کانگریس

کا اجلاس امسال بمبئی مین قرار پایا ہے۔ جسکی طیاریان نہایت وسیع پیمانہ پر ابھی سے شروع ہوگئی ہین، اگا نگریس کا بتیسوان اجلاس ہے۔ اور امید کی جاتی ہے، کہ بلحاظ نتائج کے یہ اجلاس پچھلے اور سب جلسون پر فوقیت لیجائے گا۔ اس اجلاس کے چیرمین مسٹر فیروزشاہ مہتہ انتخاب کیئے گئے ہین جو مشہور عالی دماغ اور کانگریس کے قدیم نامی ہین۔ اگر ہماری یاد غلطی نہین کرتی، تو غالبًا کانگریس کے دوسرے جلسہ کی کرسی صدارت کو بھی انھین سے رونق دی گئی تھی بمبئی کے مشہور قومی فیاض مسٹر ٹاٹا سے بھی ہمدردی کی توقع کی جاتی ہے۔ جنکی اصلاحی خیالات اور قومی محبت کانگریس کے مقاصد سے کبھی مخالفت نہین کرسکتی۔

ندوۃ العلماء

کے متعلق بھی خیال کیا جاتا ہے، کہ اسکا جلسہ بمبئی مین ہوگا۔ شاہ سلیمان صاحب جب پچھلے اجلاس کانفرنس کی تقریب پر بمبئی تشریف لیگئے تھے۔ تو انھون نے بمبئی مین اسکی تحریک شروع کردی تھی۔

ہماری تعلیمی کانفرنس

کا آئندہ جلسہ تو پٹنہ مین قرار پاچکا ہے رامپور کانفرنس سے پیشتر پٹنہ ہی مین جلسہ کا اہتمام ہورہا تھا، لیکن طاعون کے وجہ سے رامپور مین منتقل ہوگیا۔ مسٹر شرف الدین بیرسٹر اور شمس العلماء مولنا امداد امام جیسے پرجوش حضرات سے امید ہے کہ وہ اس اجلاس کو پرشوکت بنانے مین کمی نہین کرینگے۔

ایشیا

(بیسوین صدی مین)

اور ہندوستان وجاپان کے تعلقات

[ہمارے باخبر ناظرین غالباً مسٹر ایس ۔ ایم ۔ شفیع صاحب سے واقف ہونگے، جو صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاپان تشریف لیگئے تھے، اور پچھلے دنون وہان سے فائز المرام ہو کر مع الخیر تشریف لائے ہیں۔ انکے عزم واستقلال اور عالی ہمتی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ مسٹر موصوف وہ پہلے مسلمان ہین، جنھون نے صنعتی تعلیم کی ضرورت محسوس کر کے جاپان جانے کا ارادہ کیا، اسسے پیشتر مسلمانون مین کوئی مثال جاپانی تعلیم پر متوجہ ہونے کی نہین ملسکتی۔ پیسہ اخبار مین انکے اکثر مضامین شائع ہوتے رہے ہین جن مین انھون نے جاپان کی تعلیمی حالت بیان کی ہے۔ سفر جاپان مین منجملہ اُن صاحبون کے جنکا ہمپر شکریہ ادا کرنا فرض ہے ایک مسٹر موصوف بھی ہین، جنھون نے یہ مفید مضمون جسمین ایک نئے ڈھنگ سے ہندوستان کی ترقی کے اسباب بتلائے گئے ہین، لسان الصدق کے لئے عنایت فرمایا ہے جسکا پہلا نمبر شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے] ایڈیٹر

اگر آج ہم کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھکر ایشیا پر سرسری نظر دوڑاوین تو سویز سے لیکر ناگاساکی تک سوائے نکبت افلاس گداگری اور غلامی کے کچھ اور دکھائی نہین دیگا۔ تمام ایشیا پر جہالت اور ادبار کی کالی کالی گھٹائین چھائی ہوئی ہین۔ تمام ایشیا کے باشندے اپنی جہالت غربت اور غلاظت مین خوش نظر آتے ہین۔ وہ مصر جو کبھی تہذیب اور شائستگی کا منبع تھا۔ وہ عرب جو کبھی علوم وفنون کا معدن تھا وہ عرب جسکے فرزندون نے شمشیر وقلم سے دنیا پر اپنا سکہ جمایا تھا۔ وہ ایران جو کبھی نادر شاہ اور احمد شاہ

ابدالی پر فخر کرتا تھا۔ وہ ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا اور جسکے ہیرون اور جواہرات کی چمک نے دنیا کی آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا تھا۔ وہ چین جسکی دستکاری اور دولت کا چاردانگ عالم مین شہرہ تھا آج اُن ہی مہذب شائستہ بہادر صناع اقوام کے بچے جاہل اور وحشی کہلاتے ہین اور طوق غلامی پہنے ہوے ہین۔

آج تمام ایشیا یورپ کی خودغرضی کا شکار بن رہا ہے۔ کہین روس ایران چین اور ہندوستان پر اژدہا کی طرح دہان طمع کھولے ہوے نگلنے کو گھات مین لگا بیٹھا ہے کہین یورپین طاقتین چین کے حصے بخرے کر کے خود مسلط ہونے کا منصوبہ باندھ رہی ہین۔ وہ دیکھو مسیح کا پیرو اور تہذیب کا مدعی یورپ ٹرکی کو کیسی خونخوار نظرون سے گھور رہا ہے کہین کھلے طور پر کہین ٹرکی کی آڑ مین مفسدون اور فتنہ پردازون کو رشوت دیکر کبھی مدد کا وعدہ کر کے کبھی مذہب کا نام لیکر بھڑکا رہا ہے جس سے ٹرکی کا ناک مین دم ہے۔ جو حال ڈچ لوگون نے جاوا کے مسلمانون کے ساتھ کیا اور جس مکروفریب ظلم و تعدی سے جاوا کے مسلمانون کو مطیع کیا وہ اسلامی دنیا کبھی بھول نہین سکتی۔ ہندوستان کی حالت پر اگر توجہ کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ غریب ملک بھی روز بروز غریب اور مفلس ہوتا جاتا ہے۔ ذرائع معاش محدود اور مسدود ہو گئے ہین جو سلوک اسوقت جنوبی افریقہ مین چینیون اور ہندوستانیون کے ساتھ ہو رہا ہے اُسکو سواے اُن لوگون کے جنکی قدر و منزلت کتون سے بھی بدتر ہے اور کوئی نہین جان سکتا جسطرح آسٹریلیا نے یکایک ہندوستانیون پر دروازہ رزق بند کیا ہے وہ کون نہین جانتا۔ او بدقسمت ایشیا! او غریب اور غلام ایشیا!

کہان سے یہ جگرخراش۔ ونے کی آواز آرہی ہے جو محب وطن کے نازک دل کو چیر رہی ہے! یہ ہندوستان ہے جو رو رہا ہے۔ نہین تمام آجکل ایشیا آہ و فغان مین مشغول ہے۔ کون ایشیا کی مصیبتون کا اندازہ کر سکتا ہے! اسکو کہین امن نہین کوئی تسلی دینے والا نہین۔

جسوقت ہم ایشیا کی پولیٹکل اخلاقی تمدنی تعلیمی صنعتی مالی حالت پر نظر ڈالتے ہین تو تمام سرزمین ایک گورستان معلوم ہوتی ہے ہمارا دل بیٹھ جاتا ہے اور ٹھنڈی آہین نکل جاتی ہین۔ ناامید بین کے [illegible]

اور فیاض دل کے لوگ بہت کم نکلینگے جو یہ کہینگے "دنیا میرا وطن ہے اور نیکی کرنا میرا مذہب" وہ لوگ جو ایشیا بھر کو اپنا وطن خیال کرتے ہین وہ بیشک مردہ ایشیا کی قبر پر اپنی محبت کا چڑھاوا چڑھائینگے اور ہمدردی کے آنسو ٹپکائینگے یا کم از کم ہر ایک ملک کا باشندہ جسکے سینہ مین حب قومی اور حب وطنی کی آگ بھڑک رہی ہے وہ اپنے ملک کی رحمناک حالت پر آٹھ آٹھ آنسو بہائیگا۔ اور جسکے دل کو لگی ہے وہ اپنے ملک کی خدمت کرنے کو کمربستہ ہوجاویگا۔

یورپ! تونے کتنی بیگناہ قومون کا خون کیا کتنے بیکسون کو تیغ بیدریغ کیا کتنی قومون نے سسک سسک کر تیری نظرون کے سامنے جان دی اور کتنی قومین اسوقت جانکنی کی حالت مین بستر مرگ پر آنکھین کھولے پڑی ہین۔

یورپ! کیا تجھے ان کی حالت زار پر ذرا بھی ترس نہین آتا؟

مشرق کی طرف افق پر ہمین روشنی دکھائی دینے لگی ہے اور وہ روشنی ہر لحظے بڑھ رہی ہے مشرق اقصے مین تہذیب کا سمندر امڈا ہے اور وہان سے شائستگی کی نورانی لہرین اٹھ اٹھ کر چین، سیام کے کنارون سے ٹکر کھاکر ہندوستان تک پہونچ گئی ہین۔ اگر یہ سمندر اسیطرح تیزی پر رہا تو وہ دن دور نہین ہے جبکہ چین، سیام، اور ہندوستان کی سرزمینون کو سرسبز اور سیراب کردیگا۔ وہ دیکھو! امیدون کا آفتاب مشرق سے طلوع ہوچکا ہے اور اُسکی روشنی ایشیائی دنیا کی سطح پر پھیل رہی ہے۔

فلاسفرون کی یہ رائے ہے کہ تہذیب مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے اور جیسا کہ ہمنے صدیون کے تجربہ سے دیکھا ہے بالکل درست ہے۔ تہذیب مصر سے یونان مین یونان سے روم۔ روم سے فرانس۔ فرانس سے کل یورپ مین پھیلی۔ پھر یورپ سے مغرب کو یعنے امریکہ پونہچی۔ امریکہ سے جاپان جاپان کا مغرب چین چین کا مغرب ہندوستان اور ہندوستان کا مغرب مصر ہے جب تک کہ چین ترقی نہ کریگا۔ ہندوستان کبھی مادی ترقی نہین کرسکتا۔ تواریخ مین جابجا "قومون کی ترقی اور تنزل" یا "جذر و مد" کا ذکر آتا ہے یا صاف الفاظ مین یون کہین کہ "قومون کی ترقی اور تنزل کے اسباب

اور واقعات کا نام تواریخ ہے - اس سائکل یعنی پہیے کا چکر ابھی تک پورا نہیں ہوا - مصر سے چلا تھا اور مصر پر ہی جا کر اس پہیے کا چکر ختم ہوگا -

میرا خیال ہے کہ کوئی قوم خود بخود ترقی نہیں کرسکتی اُسکو باہر سے کوئی نہ کوئی تحریک کسی نہ کسی صورت مین ملتی ہے جسطرح کہ ایک آدمی کی زندہ مثال دوسرے پر عمدہ اور مفید اثر ڈالنے والی ہوتی ہے اسیطرح ایک قوم کی ترقی کی زندہ مثال دوسری ہمسایہ قوم کے لئے ترقی کا زینہ بن جاتی ہے جسطرح کہ صحبت کا اثر مسلم ہے اسیطرح ایک ملک کا دوسرے ملک کو دیکھکر اُسی رنگ مین رنگے جانے کی کوشش کرنا بھی قابل تسلیم ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ترقی کے معراج پر جلد صعود کرتا ہے -

یورپ اور امریکہ کی سیکڑون برس کی ترقی اور خوشحالی ایشیائی قلوب سے ہیجان نہ کرسکی مگر جاپان کی تیئیس سالہ ترقی نے ایشیائی قلوب کو پگھلا دیا ہے جسکا بدیہی ثبوت ہندوستان چین اور سیام کی موجودہ حالت ہے - ہر ایک دل جاپان کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہے - اگر یورپ کی ترقی اور تہذیب ہمارے دلون کو ترقی کی طرف مائل نہ کرسکی تو اسکے اسباب یہ ہین - ایشیائی معاد کا فکر کرتا ہے اور یورپین معاش کا - یورپین اپنے آپ پر بھروسا کرتا ہے اور ایشیائی ہر ایک بات کو "خدا کی مرضی" سے تعبیر کرتا ہے - ایشیائی دنیا کو مثل حباب یا خواب سمجھتا ہے اور جہانتک ہوسکتا ہے دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا ہے یا تو گوشہ نشین بن جاتا ہے یا پہاڑ وان مین اپنے آپکو چھپاتا ہے یہ گوشہ نشینی اور دنیا سے علحدگی محض خود غرضی ہے - یہ گویا صرف اپنی نجات کے لئے راستے ڈھونڈھتا ہے - مگر اپنے دوسرے بھائیون کے لئے سوائے اسکے کہ اُنکو بھی گوشہ نشینی یا بالفاظ دیگر خود غرضی کا سبق پڑھاوے اور کچھ نہین کرتا اور یورپین ظاہرداری شان وشوکت روپے کمانے کی سرتوڑ کوششون اور عیش و آرام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - یورپین دنیا کو جنت سمجھتا ہے اور جہان جاتا ہے اپنے لئے جنت بناتا ہے - ہمارے اور انکے عادات رسوم خیالات اور طرز معاشرت مین زمین و آسمان کا فرق

ہے: جس بات کو ہم پسند کرتے ہین وہ ناپسند کرتے ہین۔ جس بات کو وہ اچھا سمجھتے ہین ہم بُرا سمجھتے ہین یورپ کا انجام مادی ترقی ہے اور ایشیائی کا انجام روحانی ترقی اصولاً ان دونون کو ملجانا چاہیئے مگر یہان یہ اصول غلط ثابت ہوتا ہے لہذا ایشیائی اور یورپین متوازی خطوط ہین۔ جو کبھی آپسمین نہین مل سکتے

(باقی دارد)

تاریخی معلومات

(قومون کی قدامت)

اگرچہ تاریخ حیثیت سے اس امر کا فیصلہ ہوگیا ہے، کہ سب سے قدیم قومین دنیا مین کون کون آباد ہوئین؛ مگر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہین ہے کہ قدیم اقوام مین ہر قوم اس امر کی مدعی نظر آتی ہے کہ دنیا مین ہماری قوم بہت ہی قدیم ہے۔ اسی سے فلسفہ تاریخ کے ماہر یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اپنی قدامت کے مبالغہ سے انھین طبعی دلچسپی ہوتی تھی، اور اور جہان تک ممکن ہوتا تھا وہ شمار و اعداد کے سلسلہ کو وسیع کرکے اپنی قدامت کا حساب لگاتے تھے۔ سب سے زیادہ مافوق العادت مبالغہ قدامت مین برہمنون نے کیا ہے، جو قدیم ہندوستان کے واقعہ نویس ہین۔ وہ زمانہ ہندوؤن کی سلطنت کا تھا؛ قصہ گو اور برہمن اس زمانہ کی واقعہ نویس تھے، جو اپنے رنگ آمیزیون سے تاریخ کو قصہ بنادیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج باوجود بے شمار آثار قدیمہ تلاش و تفحص اور تاریخی ترقی کے قدیم ہندوستان کی تاریخ بہت کچھ تاریکی مین ہے۔ انھین ہندوستان کے قدیم مورخون کا قول ہے کہ ہمارے اسلاف کی عمرین اتنے سال کی ہوتی تھین کہ اگر تین برس تک تمام روے زمین پر برسات ہو تو اسکے تمام قطرے اسکے برابر ہون۔ !!!

اسی طرح چینی اور بابلی، یونان، عراق بھی اپنی قدامت کے مدعی ہین۔ مگر تاریخ نے تسلیم کرلیا ہے کہ ہندوؤن سے بڑھکر کسی نے اپنی قدامت کے مبالغہ مین کوشش نہین کی۔

تاریخ کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ کسی قوم کی تاریخ صحیح دو ہزار، آٹھ سو برس سے آگے نہین معلوم ہوسکتی۔

اصلاح معاشرت

حقوق نسوان

اور اسکے متعلق ایک بڑی غلط فہمی کی اصلاح

تعلیم نسوان کا مسئلہ اب ایسا مسئلہ نہین رہا۔ جسمین کچھ اور بحث و تحریر کی گنجائش باقی ہو۔ کانفرنس مین اس مسئلہ کی تائید مین متعدد رزولیوشن پیش ہوے، اور اکثر لوگون نے اسکی تائید مین معقول تقریرین کی۔ ہندوستان کے اکثر اخبارون رسالون مین بیسیون مبسوط تحریرین اسکی ضرورت ثابت کر چکی ہین۔ اور یہ اب ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ لیکن منجملہ اور خرابیون کے جو تعلیم نسوان کے نہونے سے پیدا ہو رہی ہین ایک بہت بڑی خرابی اصلاح معاشرت کے متعلق ہے مولٰنا شبلی عصر جدید کے قابل ایڈیٹر کو لکھتے ہین کہ:۔ "سب سے عمدہ ذریعہ بیجا اصراف کے روکنے کا عورتون کو تعلیم دینی ہے" فی الحقیقت مولٰنا کی راے بالکل صحیح ہے۔ اور واقعات اسکی شہادت دے رہے ہین۔ اگر ہم معاشرت کے بیجا پہلوؤن کی اصلاح کرنی چاہتے ہین تو ہمین سب سے پہلے تعلیم نسوان پر توجہ کرنی چاہیے۔ اسی ضروری امر کے متعلق جناب سید محمد سعید صاحب بلگرامی مندرجہ بالا عنوان سے یہ مضمون ارسال فرماتے ہین، جسمین انھون نے حقوق نسوان پر بحث کر کے دکھلایا ہے، کہ تعلیم نسوان کا نہونا کتنی خرابیون کی بنیاد ہے۔

ایڈیٹر

زمانہ کو آنکھ کھولکر نہ دیکھنے والے لکیر کے نفیر تو یہ سمجھتے ہین کہ عورتون کے حقوق اونکو عمدہ عمدہ سونے چاندی کے جڑاؤ زیور پہنانے ۔ اعلے سے اعلے کمخواب ۔ کامدانی ۔ اطلس ۔ گلبدن ۔ ساٹن ۔ مشروع وغیرہ ریشمی اور زری کے کام والے کپڑے پہنانے ۔ پاندان کا خرچ پورا کرنے عید ۔ بقرعید ۔ شبرات کے موقعون پر اونکے بیجا مصارف کو روا رکھنے ۔ چھوٹے بچون کی معمولی تقریبات پر کشادہ پیشانی کے ساتھ لاحاصل خرچ کرنے سے بڑھکر جنکو کہ شب و روز ایک فرض واجبی سمجھکر ادا ہی کرتے ہین دوسرے اب کون سے حقوق ہین ! مگر افسوس کہ عورتون کا ایک سب سے بڑا حق جو پامال کیا جارہا ہے اور جسکی جوابدہی کا بھاری بار مردون کی گردن پر ہے ۔ وہ اوس سے ناواقف ہین ۔ مذہبی پہلو سے بھی دیکھو تو ہرگز عورتون کے حقوق ایسے بیجا مصارف کو ترقی دینا نہین ہین جنکو کہ ہم لوگ اپنے خیال ناقص مین اونکے حقوق سے سبکدوش ہونا سمجھے ہوئے ہین ۔ بلکہ یہی اسباب ہین جو ہمکو ترقی کے زینے سے گرائے دیتے ہین اور ہماری حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے ۔ کیونکہ ایسے فضول مصارف سے قرض کا ہونا ضرور ہے ۔ اور جب قرض ہوا تو اوسکے لئے یہ لازمی نتیجے بھی ضروری ہین ۔

قرضداروں کے ڈر سے باہر کا نکلنا موقوف

خانگی کاروبار بند ۔

مہاجنون کی نالشین ہوئین ۔

جائدادین نیلام پر چڑھین ۔

یہان تک کہ لوگون کے دست نگر ہوگئے اور سب کی نظرون مین ذلیل و خوار ۔

غرض دنیا مین یون رسوائی ہوئی اور دین مین خداے پاک کے حکم (ان اللہ لا یحب المسرفین) کی خلاف ورزی اوسکے دائرہ رحمت و مہربانی کے آگے علیحدہ زرد رو ۔ مگر اسپر بھی کان پہ جون تک نہ رینگی اور ایسے واقعات دیکھکر کاسۂ دماغ نے یہ بھی محسوس نہ کیا کہ آخر اس تنزل کے کیا اسباب ہین جس سے پوچھیے وہ فوراً اسکا الزام بیچاری عورتون کے سر تھوپ

دیتا ہے۔

ہم سچ کہتے ہین کہ اس مین جتنا قصور ہے وہ سب مردون کا ہے۔ اگر مردون کے اصول خصائل اچھے ہوتے تو وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنیکے عمدہ عمدہ طریقے اوسکے نفع و ضرر کے ساتھ واقعات و مشاہدات کے ذریعہ اپنی عورتون کے ذہن نشین کرتے اور اپنے اچھے عادات و اطوار مین اپنا ہم خیال بناتے۔ کیونکہ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ہندی مثل ہے کہ "صحبت ہی گن او بے صحبت ہی گن جاوے" اور جسکا نتیجہ ضرور یہ ہوتا کہ عورتین اپنے مردون کی ہم خیال ہوکر کبھی اصول سے باہر قدم نہ رکھتین اور یہ روز سیاہ آج دیکھنا نصیب نہوتا جسکا خصوصاً مسلمانون مین رونا پڑا ہے۔ مگر مردون کے دماغ جب ایسی باتون ہی سے خالی ہون اور اونکی آنکھون پر جہالت کی وجہہ سے غفلت کے پردے پڑے ہون تو بیچاری عورتون کا کیا قصور ہے۔ جو اپنی بیجا آرائشون کے خیالات (جسمین کہ اونھون نے پرورش پائی ہے) ارمان اور حوصلہ نکالنے کے لفظون مین اپنے غیر تعلیم یافتہ والدین ہی کے گھر سے لیکر آتی ہین اور یہان اپنے شوہرون کو ہم خیال پاکر گھر پھونک تماشہ دیکھ خوب حوصلے اور ارمان نکالتی ہین۔ جسکا انجام کار نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ہم اوپر ذکر کرآئے ہین۔ اور غضب تو یہ ہے کہ ایسے اسراف کی تحریک کے باعث زیادہ تر وہی مرد دیکھے جاتے ہین جو پڑھے لکھے ہوتے اور اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہین۔

پس اب اگر ہم اون سے یکایک کہدین کہ **یہ سب عورتون کو تعلیم نہ دینے کے نتیجے ہین** تو غالباً مخالفین تو سنتے ہی کانون پر ہاتھ دھرلینگے۔ مگر چونکہ یہ کچھ ضرور نہین کہ مخالف کا موافق ہونا ممکن ہی نہو۔ اسلئے واقعاتی حیثیت سے تمثیلی صورت مین ہم اونکو دکھلاتے ہین کہ

اگر ایسے دو گھرون کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جاوے جسمین ایک گھر کا مالک خواندہ اور مالکہ آن پڑھ ہوا۔ اور دوسرے مین برعکس یا دونون تعلیم یافتہ۔ تو ہر عقلمند جیسا کہ مشہور ہے

کہ "اچھی عورت کا گھر بہشت کا نمونہ ہوتا ہے" سمجھ سکتا

ہے کہ اس مقولہ کا کونسا گھر مصداق ہے۔ اسوقت واقعات ہی اس امر کی شہادت دینگے

کہ اول الذکر ہرگز اپنی زندگی اوس خوشی کے ساتھ نہین بسر کر سکتا جیسا کہ آخر الذکر اپنی

آسایش کی زندگی بسر کرنیکے علاوہ آیندہ نسل اور قوم کے لئے بھی ہمت۔ ارادہ۔ اور استقلال مین کامیابی

کا نمونہ بن سکتا ہے۔

تعلیم یافتہ زن و شو کے سچے حقوق اونکے تعلقات اور آپس کے برتاو بھی تھوڑے سے

ہم یہان بیان کئے دیتے ہین جن مین قرابت کی مواصلت سے قطع نظر کر کے اپنے خیال کو

عام وسعت دو گے تو معلوم ہوگا کہ گو ان مین عموماً کوئی رشتۂ خون نہین ہوتا مگر رفتہ رفتہ

تھوڑے ہی زمانہ مین اپنے حفظ ناموس کے خیال کے ساتھ ہی ساتھ بہت سے ایسے اوصاف

اون مین مستحکم ہو جاتے ہین جنکی محکم جڑین کئی پشت تک ہلائے نہین ہلتین۔ اور جن کی

خوش سلیقگی کی مثال ڈھونڈھے سے بھی نہین ملتی جیسا کہ

(۱) آپس مین ایک دوسرے کو اپنا ہمدرد اور ذریعہ آسائش سمجھنا۔

(۲) خلق و اطاعت کے دائرے مین قدم رکھکر کمال عنایت و محبت کے ساتھ سچے دل سے ایک دوسرے کو اپنا خادم و مخدوم ثابت کرنا

(۳) دکھ۔ درد۔ مصیبت۔ و خوشی مین ایک دوسرے کا شریک حال رہنا۔

(۴) حاضر و غائب ایک دوسرے کی بہی خواہی۔ دلجوئی۔ و خیر خواہی مین رہنا۔

(۵) آپس مین ایک دوسرے کو ہمراز سمجھنا۔

(۶) ایک کو دوسرے پر اپنی جان و مال کی آرام و آسائش مین پورا بھروسا رکھنا۔

(۷) اپنے نفع و ضرر پر صفائی قلب کے ساتھ ایک دوسرے کو ہدایت کر کے اوس پر عامل ہونا۔

(۸) بعض خاص حالتون کے موقعون پر ایک دوسرے کی سخت کلامیون کو شربت کے گھونٹ کی طرح پی کر آپس ہی مین تصفیہ کر لینا۔

(۹) ایک دوسرے کے عزیز واقارب اور ہمسایوں کے ساتھ سچی محبت وخوش خلقی کا برتاؤ برتنے کے علاوہ بوقت ضرورت اپنی حیثیت کے موافق حسن سلوک سے پیش آنا۔

(۱۰) اپنی اپنی خلقی غیرت وشرم کو محفوظ رکھکر ایک دوسرے کی محبت کا دلدادہ ہونا

(۱۱) رنج وراحت کی ضروریات زندگی کو حد اعتدال پر رکھکر انتظام خانہ داری ودیگر مواقع شادی وغمی وغیرہ مین بیجا مصارف کو روک کر آئندہ زندگی کی بسر اوقات مین کسی کا دست نگر نہونا۔ جو سب سے زیادہ بے غیرتی اور بے عزتی سے بچنے کی تدبیر اور چوٹی کی صفت ہے۔

اب اس کو پڑھکر کون شخص اپنے گھر کی طرز معاشرت کو ایسا بنانا نہ چاہتا ہوگا جیسے گھر بہشت کا نمونہ دکھلاتے ہین۔ دیکھو! یہ سب علم ہی کی روشنی کا ظہور اور رجانبین کے تعلیم یافتہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ غرض ہمارے سارے بیان کا ماحصل یہی ہے کہ جیسے مردون کا تعلیم یافتہ ہونا اولےٰ سمجھا جاتا ہے ویسے ہی عورتون کی تعلیم کو اولیٰ تر بلکہ اوس سے بڑھکر واجب اور فرض کی حد تک سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ عورتون ہی کی تعلیم ایک ایسا سہل راستہ ہے جس سے قوم مین آسانی کے ساتھ تعلیم یافتہ افراد کے ترقی کی امید ہوسکتی ہے۔ اس لئے عورتون کا سب سے بڑا حق جس کا بھاری بار مردون کی گردن پر ہے اونکو تعلیم دینے اور تربیت یافتہ بنانے کی کوشش کرنا ہے۔

کہان ہین مخالفین تعلیم نسوان وہ ہماری اس تحریر کو نظر انصاف سے دیکھین اور اپنے قیدیون پر رحم کرین کہ جن کی مثال بالکل اوس آٹے کے چراغ کی سی ہے کہ " باہر رکھین تو کوے کھائین اور اندر رکھنے پر چوہے نہ چھوڑین "۔ ہماری مانو۔ تو اپنی پیاری خاتونون کو تعلیم دو!! اونکو زیور علم سے آراستہ کرو۔ اور تربیت کی اعلےٰ پوشاک پہناؤ۔ کیونکہ چاندی۔ سونے۔ جواہرات۔ کپڑے وغیرہ کی دولت علم کی دولت کے سامنے کچھ قیمت نہین۔ وہ خرچ کرنے سے کم ہوجاتی ہے اور یہ جتنی خرچ کی جاے اور کام مین

لائی جاے اوتنی ہی زیادہ ہوتی اور بڑھتی جاتی ہے۔

عورتون کے تعلیم یافتہ نہونے سے اور جو جو نقصانات عظیم ناقابل برداشت اوٹھانے پڑتے ہین اونکی کوئی حد ہی نہین اور جس کا ہم انشاء اللہ آئندہ ذکر کرینگے۔

(سیّد محمدؐ سعید بلگرامی)

سادہ لوحی

خلیل بن احمد فراہدی جو علم عروض کے واضع، اور علم نحو کے مسلم امام تھے، انکی خدمت مین ایک شخص حاضر ہوا، جو حد کا بعید الفہم اور غبی تھا، لیکن ساتھ ہی شوق بھی کچھ کم نہ تھا۔ مدتون پڑھتا رہا، لیکن کچھ نہ سیکھا۔ یہ حال دیکھکر خلیل بھی عاجز آگئے، اور چاہا کہ کسی غیر محسوس طریقہ سے اسے یہ جتادیا جاے کہ جب خدا نے تجھے ایسا کم ذہن پیدا کیا ہے، اور تیری طبیعت ان علوم کے مناسب نہین ہے۔ تو اسپر وقت ضائع کرنا فضول ہے کسی اور فن پر متوجہ ہو۔ خلیل کہتے ہین، کہ ایک دن اسی خیال سے مین نے اُسے یہ شعر دیا کہ اسکی تقطیع کرو!

اِذا لم تستطع شیئًا فدعہُ　　وَجاوِزہ الی ما تستطیع

ترجمہ جس چیز کے حاصل کرنے کی قدرت نہو اسے ترک کردے اور جس پر قدرت ہو اُسی تک رسائی حاصل کر۔

اسکی سادہ لوحی یہان بھی رنگ لائی، اپنی سادگی سے نہایت کوشش کرنے لگا کہ اسکی تقطیع کرکے اپنی قابلیت کے جوہر دکھلائے۔ اسکی اس حالت پر سخت افسوس ہوا کہ اسکی سادہ لوحی کہان تک ترقی کر گئی بجاے اسکے کہ میرا مطلب سمجھکر اُس پر عمل کرتا میرے مطلب کے مین خلاف اور کوشش کر رہا ہے۔ (ابو الظفر آہ دہلوی)

اپنے ملک کو تم اپنا مندر سمجھو! جسکی چوٹی پر خدا، اور بنیاد مین اُن لوگون کی قوم ہے جو آپس مین برابر ہین۔

(جوزف منیزینی)

"احسن" اس نام سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے جسکے ایڈیٹر منشی احمد علی صاحب "جودت" کاکوروی ہین اور مقام اشاعت "کاکوری ضلع لکھنؤ ہے۔ ابھی اس کا صرف پہلا نمبر بابت ماہ اپریل ہمارے پیش نظر موجود ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رسالہ کی ترقی پر ایڈیٹر کی توجہ رہی تو آگے چل کر ملک کے اچھے رسالون مین اس کا بھی شمار ہوگا۔ فی الحال اسکی ضخامت ایک جز ہے۔ اور قیمت سالانہ عہ۔ ایک دو نمبر شائع ہولین تو اس پر مفصل ریویو کیا جاے گا۔

زمانہ بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی!
مرا بر آرزو ہای تمنائی خندہ می آید!!

فی الحقیقت ہمارا یہی حال ہی؛ زمانہ مخالف ہو رہا ہی، دنیا دشمنی پر تُلی ہوئی ہے! قوم بالکل مستغنی، جو کچھ ہو رہا ہی، اسکی خبر نہین، اور جو کچھ کیا جا رہا ہی اسکی اسے پروا نہین۔ دلدار کے استغنا سے، تو صرف تمنائی فریاد کر رہا ہی، مگر قوم کے استغنا سے اک دنیا آہ و فغان مین مصروف ہے۔ اغیار دیکھ رہے ہین، اور ہماری آرزوؤن پر ہنس رہے ہین۔

مرا بر آرزوے سید احمد خندہ می آید!!

ایک عرصہ سے اور محمڈن یونیورسٹی کا مسئلہ در پیش ہے؛ تمام ملک کی اہل الرائے جماعت نے متفقہ لفظون مین تسلیم کر لیا ہی، کہ "محمڈن یونیورسٹی مسلمانون کی قسمت کا فیصلہ ہے، انکی ترقی و تنزل صرف اسکے وجود پر منحصر ہے"۔ یورپین لکھا ہون نے بھی اسی تحریک کو مسلمانون کی آیندہ علمی ترقی کا پیش خیمہ خیال کیا ہی، اور جن دلائل پر اسکی ضرورت تسلیم کی گئی ہے، وہ ایسے بین ہین کہ اُنسے کوئی اہل بصیرت انکار نہین کر سکتا۔ مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہی کہ مسلمانون کی بد قسمتی سے خود مسلمانون مین ہی ایسے نیم اندیش حضرات پیدا ہو گئے ہین جو یونیورسٹی کی تحریک کو ایک خبط، اور اسکے وجود کو مضر قرار دے کر قوم کی ترقی مین رکاوٹ پیدا کر رہے ہین۔ سخت مصیبت ہے! دنیا اغیار کے جور و جفا سے نالان ہے؛ ہم ہین، کہ خود یارون کے ظلم و ستم کی فریاد کر رہے ہین۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

اس سال بنگال کی پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا، جسکی کرسی صدارت

کو ہمارے محترم دوست جناب مولوی شمس الہدیٰ صاحب سے رونق دی گئی تھی۔ ابتدا میں اس کانفرنس کو ہم اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہمیں امید تھی کہ اس کانفرنس کی بدولت مسلمانان بنگال کی تعلیمی حالت سنبھل جائے گی مگر جب ہم نے گذشتہ اجلاس کی کارروائی دیکھی، اور قابل پریسیڈنٹ کا ایڈریس پڑھا تو ہماری امیدوں پر پانی پھر گیا، اور ہم سمجھ گئے کہ ان خیالات کے ساتھ تو مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی صحیح وسلامت پار ہوتی نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کے تعلیمی تنزل کا جو اصلی معا ہے، جسے حل کرتے ہی۔ تمام مشکلات رفع ہو سکتی ہیں، اس سے ہمارے قابل دوست ابھی بہت دور پڑے ہیں۔ یہ سچ ہے! کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، وہ بالکل نیک نیتی پر مبنی ہے، اور اُنکی راے میں، مسلمانوں کی ترقی کا وہی اصول ہے، جسے وہ پیش کر رہے ہیں، مگر بقول سرسید مرحوم "اگرچہ ایسی کارروائیوں کا منشا بُرا نہیں ہوتا، مگر انسے نتیجہ وہی نکلتا ہے، جو اُس مذموم منشا سے نکل سکتا ہے۔"

وہ اپنے ایڈریس میں مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کو ایک غیر ممکن اور فضول خیال بتاتے ہیں، اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں اختلاف ونفاق بڑھنے کا اُسے بہت بڑا سبب قرار دیتے ہیں۔ ہمیں نہایت تعجب ہے کہ قابل پریسیڈنٹ جیسے روشن دماغ اور اہل الرائے شخص نے کیونکر ایسی مسلم ضرورت کو نہ صرف فضول بلکہ مضر قرار دیا! غالباً انھوں نے اُن طول طویل تحریروں پر توجہ نہیں کی ہے، جو یونیورسٹی کے متعلق آج سات برس سے مختلف اخباروں اور رسالوں میں لکھی گئیں، اور لکھی جا رہی ہیں۔ ہم انھیں توجہ دلاتے ہیں کہ لاہور کانفرنس ۱۹۰۰ء کی وہ روئداد ملاحظہ فرمائیں، جسمیں محمڈن یونیورسٹی کا رزولیوشن پیش کیا گیا تھا، اور کئی جلسوں کی گفتگو کے بعد منظور ہوا تھا۔ اسمیں اُن تقریروں کے سوا ہندوستان کے اور اہل الراے بزرگوں کی تحریریں اسکی ضرورت اور اسکی تائید میں درج کی گئی ہیں۔ جس سے

اس یونیورسٹی کی اصلی حالت آئینہ ہو سکتی ہے۔ اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ یہ کیسی اہم تجویز ہے، اور قوم کی ترقی کا کہان تک اسپر انحصار ہے؟

عالیجناب نواب محسن الملک بہادر بالقابہ نے اسکے متعلق ایک نہایت پر زور اور مدلل تحریر لکھی ہے جسے ہم یہان درج کرتے ہین۔ چونکہ ایسی تحریر کا تعلق بنگال سے ہے، اور لسان الصدق کا ایک اہم مقصد مسلمانان بنگالہ کی علمی ترقی ہے؛ اسلیئے مناسب ہے کہ اس پرچہ کے ذریعہ یہ ضروری تحریر مسلمانان بنگال کی نظرون تک پہنچائی جائے، اور وہ محمڈن یونیورسٹی کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ کرسکین۔

پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بنگال

اور

مسئلہ محمڈن یونیورسٹی

مسلمانون کی تعلیم کا مسئلہ مسلمانون کی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس کا حل ہونا، عقدۂ تقدیر کا کھل جانا ہے؛ اس کی تکمیل مسلمانون کی دینی و دنیوی فلاح کی تدبیر ہے، اس لئے جس قدر کوشش اس کے لئے کی جاے تھوڑی ہے۔ کسی خاص ضلع یا صوبہ پر موقوف نہین، مسلمانون کی تعلیمی حالت سب جگہ خراب ہے، یہ قومی مصیبت ہندوستان مین عالمگیر ہے؛ ہان فرق کمیت کا ہے، کہین حالت زیادہ خراب ہے، کہین کم۔ ہماری ہمیشہ کوشش ترقی و اصلاح تعلیم کے موافق و مؤید بلکہ محرک بھی رہی ہے۔ ہم نے خواہ کسی مقام کی ذاتی اور اصلی کوشش کی بدولت اور خواہ آل انڈیا کانفرنس کی کوششون کی بدولت، اور غالبًا یہ زیادہ صحیح ہے گو ناحق پسند اس کے معترف و قائل نہون، جہان کہین ترقی تعلیم کے لئے مستعدی سنی ہے، بہت خوشی کے ساتھ داد دی ہے؛ اور بہت خوشی کے ساتھ اس مستعدی کو تقویت دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔ ہم بنگال کے مسلمانون کی تعلیمی حالت سے بے خبر نہ تھے اور نہ ہین؛ حال ہی مین ہم ایک لیڈنگ آرٹیکل مین اس کا

کچھ چھٹا کھولکر دکھا چکے ہین۔ بنگال کے مسلمانون کی تعلیمی حالت کا لحاظ کرکے ناممکن تھا کہ ہم کسی ایسی کوشش کو سنکر خوش نہوتے جس کا مقصد ان کی تعلیم کی ترقی ہو، چنانچہ ہم کسی گذشتہ پرچہ مین پراونشل کانفرنس بنگال کے اجلاسون کا مختصر سا نوٹس لے چکے ہین اور اپنی خوشی کا اظہار کرچکے ہین آج ہم پراونشل کانفرنس کے متعلق خصوصاً پریسیڈنشل ایڈریس کے متعلق، مفصل بحث کرتے ہین، اور بہت صاف صاف اپنی راے ظاہر کرتے ہین۔ ہمین یقین ہے کہ مسلمانان بنگال اسپر مناسب توجہ کرینگے، خصوصاً وہ حضرات جن کے ہاتھ مین عام خیال کی باگ ہے، اور جن کا اثر مقتدر رہے۔

ہم ابتدا مین یہ کہدینا چاہتے ہین کہ ترقی تعلیم اصلی غرض ومنشا ان تمام کانفرنسون کا ہے، اور گو ذرائع ترقی کی شکل ہماری پسند اور مرضی کے خلاف ہو، اور خواہ ہم یہ بھی سمجھتے ہون کہ جو وسائل اختیار کئے گئے ہین وہ مناسب اور ضروری ترقی پیدا نہین کرسکتے، تاہم ترقی کے ساتھ ہماری دلچسپی اور ہمدردی ہے۔

پہلی بات جو پراونشل کانفرنس کی کارروائی کے متعلق ہمین قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہی کہ کوئی ذکر اور کوئی تحریک آل انڈیا کانفرنس کے ساتھ تعلق کی نہین دکھائی دیتی۔ آل انڈیا کانفرنس کے ساتھ تعلق ہم ایک ضروری چیز سمجھتے ہین اور کئی وجوہات سے۔ اول تو یہ کہ آل انڈیا اور پراونشل کانفرنس دونون کی کوشش اور غرض ترقی واصلاح تعلیم ہے، اور آل انڈیا کانفرنس، چونکہ اس کی وسعت کوشش ہر صوبہ پر محیط ہے، اس لئے اس کا پراونشل کانفرنس پر حاوی یا متعلق ہونا ضروری ہے۔ کیا مسلمانان بنگال کلکتہ کی کانفرنس کو کسی اور معنی اور کسی اور نظر سے دیکھ سکتے ہین! دوسرے یہ کہ آل انڈیا کانفرنس ایک مدت سے ہندوستان کے مختلف مقامات مین کوشش کررہی ہے، ایک مدت کا تجربہ ضرور اس قابل ہے کہ پراونشل کانفرنس اپنے فائدہ کی ضرورت سے سبق اور ہدایت کے لئے پیش نظر رکھے، بلکہ آل انڈیا کانفرنس سے صلاح اور مشورہ لے، اور کیون اُسے بھی اپنی ہی کانفرنس نہ سمجھے،

اور کیون آسے جدا سمجھے بہت سی باتین کامیابی کے لئے ضروری ہین، اور محض مشارکت اور
یگانگت کی وجہ سے حاصل ہوسکتی ہین، اس لئے مشارکت اور یگانگت کا تعلق پیدا کرے۔
تیسرے یہ کہ باہمی پسندیدہ تعلقات نہونے کی وجہ سے مسلمانون کی توجہ اور کوشش مین
ایک مضر تفرقہ، تقسیم، اور اسلیئے اختلاط پیدا ہوجائیگا۔ کوشش کی سب جگہ ایک شکل
قایم نہین رہیگی، مقاصد و ذرایع تعلیم مین اختلاف پیدا ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیمی
نتایج ایک قومی جوش اور ایک قومی زندگی کی صورت مین نظر نہین آئینگے، اور جس طرح مختلف
مذاہب اور فرقے اسلام کے پیدا ہوگئے ہین، اور مختلف اعتقادات اصولی باتون مین بھی نظر
آتے ہین، اسی طرح غیر مانوس اور مختلف علمی اعتقادات کے فرقے پیدا ہوجائینگے۔ ایک قومی زندگی، جو بالفعل ہماری
انتہا آرزو ہے، ایک جوش، ایک خیال ناممکن ہوجائیگا، مختلف صوبون کے مسلمان قومی زندگی کے مختلف معیار
مقرر کرلینگے یہ نتایج گو اس وقت برے اور مکروہ نہ معلوم ہوتے ہون مگر جب مسلمانون کی اُس آیندہ
حالت کے نقشہ سے اُن کو ملایا جاتا ہے، جو ہندوستان کے روشن خیال مسلمانون نے اپنے
لئے بالاتفاق پسند کیا ہے، تو بہت تفاوت اور مضر حالت نظر آتی ہے۔ ہم بہت خوش ہوتے
اگر مسلمانان بنگال آل انڈیا کانفرنس کو بھی اپنا سمجھکر اپنی پراونشل کانفرنس کو اس کے
ساتھ متعلق قرار دیتے۔ مگر ممکن ہے کہ ہم غلطی پر ہون اور مسلمانان بنگال آل انڈیا کانفرنس
کو بجاے غیر کے اپنی پراونشل کانفرنس کا مدد و معاون اور سرپرست سمجھتے ہون۔ بہرحال
اس معاملہ کا راز رہنا اس علاقہ کے بہت سے بہی خواہان مسلمانان بنگال کو تکلیف مین ڈالیگا،
بہت اچھا ہو اگر عنقریب انکشاف حقیقت ہوجائے۔

اب ہم پراونشل کانفرنس کے قابل پریسیڈنٹ کی ایڈریس پر بحث کرتے ہین۔ پریسیڈنٹ
مسلمانان بنگال کی افسوسناک حالت کا ذکر کرنے کے بعد اس حالت کی یہ وجہ بیان کرتے
ہین کہ سرکاری ملازمت کے لئے یکایک انگریزی زبان سے واقفیت کی ضرورت نے بجاے
عربی اور فارسی کے انگریزی تعلیم کی ضرورت پیدا کردی، مسلمان اس کے لئے تیار نہ تھے،

فارسی اور عربی کا علم علاوہ مذہبی ضرورت کے، مسلمانون کی تمدنی ضرورت بھی تھا، اس لیے فورًا انقلاب ہو جانا سہل نہ تھا۔ برخلاف مسلمانون کے ہندو پیشتر سے غیر زبان سیکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ ان کو فارسی زبان چھوڑکر انگریزی زبان مین توغل حاصل کرنا سہل ہوا۔ انگریزی تعلیم سے مسلمانون کو نفرت اور غفلت نے سخت نقصان پہنچایا، اور وہ ہندوؤن سے بہت پیچھے رہگئے۔ اب زمانہ کی ضرورتون نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا تو مسلمانون مین افلاس اس قدر بڑھ گیا کہ انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا مشکل ہوگیا۔ مسلمانون مین ایک اور نقص بھی پیدا ہوگیا، یعنی کثرت ازدواج اور لونڈیون باندیون کو گھرون مین ڈال لینا۔ اس عام طریقہ نے مسلمانان بنگال کو رہا سہا بھی کھودیا۔ سوکناپا، سوتیلے بھائی بہنون مین جھگڑے، خانہ جنگیان، مقدمہ بازیان، آپس مین نفرت اور دشمنی، ان ذلیل باتون کی وجہ سے تمدن مین الگ خرابیان واقع ہوئین، اخلاق الگ خراب ہوئے، اور جائداد اور دولت الگ برباد ہوئی۔ غرض یہ کہ ایسے بگڑے کہ سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ پریسیڈنٹ نے تعلیم نسوان پر بھی بہت زور دیا، خصوصًا عورتون کو مذہبی تعلیم کی ضرورت زیادہ بتائی۔ عورتین قدرتًا زیادہ نرم دل اور خدا ترس ہوتی ہیں؛ اور اُن کے لیے مذہبی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم نہین ہوسکتی پردہ کے متعلق اپنی راے بہت صاف ظاہر کی اور کہا کہ پردہ بالکل اٹھا دینے کے مین خلاف ہون۔ لفٹننٹ گورنر صاحب بنگال کے قول کی تائید کی کہ سب سے بڑا پردہ اٹھانا جہالت کا پردہ اٹھانا ہے۔

ان آمد سخن باتون کے علاوہ اصل مطلب اور بحث پر یعنی مسلمانون کی تعلیم کے متعلق مدلل اور مفصل بحث کی ہے۔ یہ بحث بہت زیادہ توجہ اور غور کے لائق ہے، اور ہمین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پریسیڈنٹ صاحب کے خیالات کے ساتھ ہمکو صرف ہمدردی ہی نہین ہے بلکہ ہم بالکل اُن کی راے کے خلاف ہین۔ انھون نے مسلمانون کی تعلیم کے مسئلہ کو دو سوالون کی شکل مین دکھایا ہے (۱) ہماری تعلیم کس قسم کی ہونی چاہیئے؟ (۲) اس کی

اشاعت کے لیے کیا تدابیر اور وسائل عمل مین لانے چاہئین؟ ان سوالون کے جواب مین انھون
نے محمدن یونیورسٹی کے مسئلہ پر بحث کی ہے، اور اس خیال کو خبط، محمدن یونیورسٹی کی ضرورت
کو لغو، اور اس کے نتیجہ کو مضر بتایا ہے۔ محمدن یونیورسٹی کے متعلق اُن کے تمام خیالات کو ہم بیان
کرینگے۔ وہ فرماتے ہین کہ " مین کئی سال سے علی گڈھ مین مجوزہ محمدن یونیورسٹی قایم کرنے
کے متعلق سن رہا ہون، مگر مین وہان کے مسلمان لیڈرون کی راے سے متفق نہین۔ اول
تو یہ کہ اگر مجوزہ یونیورسٹی موجودہ سرکاری یونیورسٹیون کا سا اعلی تعلیم کا درجہ اور معیار قایم
نہین رکھ سکتی تو اُس کا قایم کرنا مضر ہے۔ کوئی بات جو موجودہ درجہ تعلیم کو گھٹاوے سخت
لعنت کے قابل ہے، اور مجھے یقین ہے کہ مسلمان ہرگز ہرگز موجودہ یونیورسٹیون کے ہم پایہ
یونیورسٹی نہین بنا سکتے۔ میرا سوال ہے کہ اسقدر روپیہ کہان سے آئے گا کہ ایک اعلی درجہ
کی یونیورسٹی مسلمان بنا سکینگے؟ محمدن یونیورسٹی بنانے کا شوق اچھا شوق ہے مگر یہ شوق
پورا ہونے کے قابل نہین ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر اعلی درجہ کی یونیورسٹی نہین بن سکیگی
تو یونیورسٹی بنانا فضول ہے۔ بالفرض علیگڈہ مین ایک محمدن یونیورسٹی قایم ہوگئی تو یہ
خیال فضول ہے کہ ملک کے ہر حصہ سے وہان طلبا آجائینگے۔ اگر وہان طلبا گئے بھی تو
اُن کی تعداد اتنی نہین ہوسکتی جس سے ایک زاید اور علحدہ یونیورسٹی قایم کرنے کا مجاز اور حق حاصل
ہوسکے، خصوصاً یونیورسٹیز ایکٹ منظور ہونے کے بعد، جس کی رو سے گورنمنٹ یونیورسٹیون
پر زیادہ اختیار اور اقتدار قایم کرنا چاہتی ہے۔ ان سب باتون سے بڑھکر مجھے ڈی نامینیشنل
یونیورسٹی پر سخت اعتراض ہے۔ مین نہین سمجھتا کہ اُس مین مسلمانون کو اُس قومی اور مفید مقابلہ
سے واسطہ پڑے گا جو بالفعل ممکن ہے۔ مجھے یہ دیکھکر افسوس کرنا پڑیگا کہ ہندوستان کے
مسلمان اُن مواقع سے فائدہ نہین اٹھائینگے، جو اُن کو دیگر اقوام سے دماغی ہمسری کا
دعویدار بنا سکتے ہین، اور جو مواقع ان کو اب حاصل ہین۔ مین اس لحاظ سے بھی ڈی نامینیشنل
یونیورسٹی کا مخالف ہون کہ وہ ہندوؤن اور مسلمانون مین اُن محبت اور اخلاص کے تعلقات

کی ترقی کی مانع و مزاحم ہوگی جواب تعلیم یافتہ لوگون مین بڑھتے جاتے ہین، اور جن کا بیج سکول اور کالجون مین بویا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان طلبا کا علحدہ ہوجانا، اس سے وہ ناہموار متعصبانہ خیالات پیدا ہونگے جو سخت نفرت کے قابل ہین، اور جن کے لیے ہم سب کا فرض ہے کہ پیدا نہ ہونے دین۔ ہم سب کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ ہندو اور مسلمان سب ایک ہی سرزمین کے باشندے ہین، اور بجز نادر الوقوع صورتون کے دونون کے اغراض ایک ہی ہین۔

ہمارے دل مین ان خیالات کی مطلق وقعت نہین، ہم ان اعتراضون کو مہمل اور غلط سمجھتے ہین۔ محمڈن یونیورسٹی پر اتنا کچھ کہا جا چکا ہے اور اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب شاید استدلال کی گنجایش نہین رہی ہے۔ خاص اس مسئلہ پر خاصہ معقول لٹریچر جمع ہوگیا ہے۔ یہ بھی ہم جتا دینا چاہتے ہین، کہ اب یہ مسئلہ شک اور تذبذب کے میدان سے نکل گیا ہے، اور تجربہ اور عمل کی سرحد مین ہے۔ اس لئے اس پر شک اور قیل و قال کا موقع نہین رہا۔ اب تو ہاتھ مین ہاتھ ڈالکر اور دل سے دل ملاکر بسم اللہ مجریہا، کہنے کا وقت ہے۔ اگر سرعت فہم و ادراک مسلمانون کے اس عالمگیر جوش و حقیقت کا مقابلہ اور ساتھ نہین دے سکتی ہے، اگر کہین شبہہ باقی ہے، تو بیسیون رسالے اور مضامین، تقریرین اور تحریرین رہبری کرسکتی ہین۔ مدد چاہیئے اور مدد دیجیے۔ بہرحال ہمارا فرض ہے کہ ہم پریسیڈنٹ صاحب کی غلطیون کو بتائین اور دکھائین۔ پریسیڈنٹ صاحب کا یہ قول کہ اگر مجوزہ یونیورسٹی موجودہ یونیورسٹیون کا درجہ و معیار تعلیم قایم نہ رکھ سکے تو وہ مضر ہوگی، گو کسی قدر اختلاف اور نئے جواب کے قابل ہے، تاہم ہم اُن کے قول پر آمنا اور صدقنا کہتے ہین۔ مگر ہمارے دو سوال ہین کہ ،، اگر ،، کا شبہہ کیونکر پیدا ہوا، اُن کو کیونکر معلوم ہوا کہ مجوزہ یونیورسٹی موجودہ معیار تعلیم قائم نہین رکھ سکیگی! اگر مجوزہ یونیورسٹی تعلیم کا بہتر اور اعلیٰ تر معیار قایم کردے تو کیا عذر پیش کیا جائیگا! دوسرا سوال یہ ہے کہ موجودہ یونیورسٹیان کیا درجہ و معیار تعلیم قایم کرتی ہین! کیا وہ یونیورسٹیان دارالعلوم کے بڑے نامون کی مستحق ہین! اُن کی تعلیم کس مصرف کی ہے! پریسیڈنٹ صاحب کو آخر

دو سال کے تعلیمی مباحثون سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ موجودہ یونیورسٹیان کلرکون کی کان اور ڈگری کے ڈپلوما کی دوکان ہین، حقیقی علم کا عالم عنقا ہے۔ معلمون کا کام مجبوراً طلبار کے حافظہ کو تقویت دینا اور طلبار کا کام قوت حافظہ مین تقویت حاصل کرکے عقل کو اور ذہانت کو متاع دست گردان بنانا ہے۔ ۵

گر ہمین مکتب و ہمین ملاست
درس طفلان تمام خواہد شد

کیا انہین مدارس اور یونیورسٹیون کو نظیر بنایا جاتا ہے! اگر انہی یونیورسٹیون کے درجہ معیار تعلیم کو مجوزہ یونیورسٹی کا درجہ معیار تعلیم بنانا ہے تو ہم بخلاف پریسیڈنٹ صاحب اپنی یونیورسٹی کی تجویز کو ہمیشہ کے لئے جزدان کر دینگے۔ ہم پریسیڈنٹ صاحب کو یقین دلانا چاہتے ہین کہ ہماری یونیورسٹی عام معیار تعلیم مین موجودہ یونیورسٹیون ہی سے نہ صرف بہتر ہوگی، بلکہ مسلمانون کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی، اور عام تعلیم کا ایسا درجہ قایم کریگی جو علیگڈھ کالج بورڈنگ ہوس کی طرح مثال بن جائے گا۔ رہا پریسیڈنٹ صاحب کا یہ سوال کہ مسلمان کہان سے اسقدر روپیہ لائینگے کہ ایسی یونیورسٹی قایم کرسکین، اور اس انکار بشکل شک کی بنا پر یونیورسٹی قایم ہونا ناممکن بتانا، اس کا جواب صاف اسقدر ہے کہ ہمت اور حوصلہ کی بات ہے مسلمان ہی ملکر اس کام کو انجام دینگے۔ فلسفہ تاریخ کا ہاتف کہتا ہے کہ بہت سے بزرگان حقیقت جن کا اور جن پر عمل دنیا کی قومون کے لیے آج سرمایہ ناز ہی ابتدار مین اطفال خیال تھے، نشو ونما پاتے پاتے، اور ہاتھ پاؤن مارتے مارتے، اس سن وریش کو پہونچے ہین۔ رفتہ رفتہ مسلمان اسقدر روپیہ بھر دینگے اور جمع کر دینگے کہ اسلام کی نجات ہندوستان مین ممکن ہوجائیگی، کوشش کفیل کامیابی ہوتی ہی، اگر شک وشبہہ استقلال اور ہمت کا دامن چھوڑا دے، تو مایوسی ظاہر ہے۔ پریسیڈنٹ صاحب کو یقین کر لینا چاہیئے کہ مسلمان ہمت نہ ہارین اور اپنی دھن کے پکے بنے رہین تو کیا مشکل ہے۔ سر سید نے جب علیگڈھ کالج قایم کرنا چاہا اور ایک بڑے پیمانہ پر اُس کا نقشہ تجویز

کیا، اُسوقت بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ اس کے لئے روپیہ کہان سے آویگا۔ بلکہ سرسید کے دوست اور ہم خیال بھی ایسے مایوس تھے کہ اُن کی تجویزون کو جنون اور دیوانگی سمجھتے تھے۔

یہ اعتراض کہ اگر محمڈن یونیورسٹی قائم ہو گئی تو ہندوستان کے مختلف حصون سے مسلمان طلبار کا آکر شامل ہونا خیال باطل ہی، خود خیال باطل ہو۔ جب ہندوستان کے مختلف حصون کے مسلمان اپنی قومی فلاح اور عزت کے لئے روپیہ دینگے، تو یہ بھی کرینگے کہ اُس روپیہ سے فایدہ اٹھائین یعنی اپنے بچون کو تعلیم کے لئے بھیجین۔ یہ ناممکن ہے کہ یونیورسٹی کی امداد منظور ہو اور یونیورسٹی مین تعلیم حاصل کرنی نامنظور۔ علیگڈھ کالج جسکی ترقی ہندوستان کے مختلف حصون کی امداد کی وجہ سے ہوئی ہے، شاہد ہے کہ مختلف حصون کے مسلمان طلبار کثرت سے یہان موجود ہین اسی طرح علیگڈھ کالج یونیورسٹی کے اعلےٰ درجہ کو پہونچ جائیگا اور اسی طرح مختلف حصون کے طلبار بڑھتے جائینگے۔ اس وقت ہندوستان کا کوئی صوبہ نہین جہان کے طلبار موجود نہون۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک کے بھی طلبا موجود ہین۔ صرف ایران کے ۱۶ طلبا ہین۔ ہمارا کالج اور ہماری یونیورسٹی صرف مسلمانان ہند کا دار العلوم نہین ہوگا بلکہ وہ ایک ایسا دار العلوم ہوگا جہان کا علم وفضل دیگر اسلامی ممالک کے لوگون کو بھی کشان کشان کھینچ لائیگا۔ یہ دار العلوم تمام اسلامی دنیا کا دار العلوم ہوگا۔ اسی شاخ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مختلف حصون سے طلبار بھی آئے، تو اُن کی تعداد اس قدر نہین ہوگی کہ یونیورسٹی کی ضرورت پیدا کردے اور یونیورسٹی بنانے کا حق حاصل ہو جائے۔ جواب مین ہمارا کہنا یہ ہے کہ یونیورسٹی ساحر کی چھو سے تو بن نہین سکتی، رفتہ رفتہ بنیگی، اور رفتہ رفتہ علیگڈھ کالج کے طلبار کی تعداد بڑھتی جائیگی۔ تا وقتیکہ تعداد کافی نہو ہم گورنمنٹ سے یونیورسٹی کے لئے چارٹر نہین مانگ سکتے۔ مگر ہمین کامل یقین ہے کہ طلبار کی تعداد کافی سے زیادہ ہو جائیگی، اور یقین کی وجہ ہماری یونیورسٹی کا مسلمانون کے لئے مخصوص اور بہترین تعلیم گاہ ہونا ہے۔

ابتک توجو اعتراض کئے گئے تھے وہ زیادہ وقعت کے قابل نہ تھے ہمین تعجب ہے کہ لایق پریسیڈنٹ نے ایسے اعتراض اور شکوک کیون پیش کیئے، جن کے جواب وہ خود ذرا سے غور اور تحقیق کے بعد دے سکتے تھے۔ آخری اعتراض البتہ قابل غور ہے۔ اور وہ اس لئے کہ تھوڑے عرصہ سے ہمارے بعض نادان ہندو دوست قیاسی دھوکہ مین گرفتار ہوکر اس قسم کے شکوک بیان کرتے ہین، کہ جو اگر حقیقتاً صحیح ثابت ہوئے تو یقیناً سخت افسوسناک بات ہوگی۔ بعض مسلمان حضرات نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یا اپنی جودت طبع کو کام مین لاکر وہی شکوک بیان کئے ہین، مگر ہم اپنی نیت اور اصل حقیقت کو بتا کر یقین دلانا چاہتے ہین کہ وہ شکوک بے بنیاد ہین اب ہم اس اعتراض پر ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کی نسبت بحث کرتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے ہندو اور مسلمانون مین بجاے محبت و یگانگت کے اور اتحاد پیدا ہونے کے، باہمی منافقشات اور قومی تعصبات کو ترقی ہوگی۔ خاص قومی اغراض کے حصول کی کوشش مین صرف مسلمانون کا خیال کیا جائے گا، یعنی صرف مسلمانون کے لئے یونیورسٹی قایم کی جائیگی۔ جب تعلیم مین خصوصیت آگئی تو کوئی موقعہ مسلمان اور ہندوؤن مین ربط ضبط کا نہین رہا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بے تعلقی کے ساتھ باہمی تعصبات بڑھ جائینگے نہ یہ ہماری خواہش ہے نہ ہم اس نتیجہ کو چاہتے ہین۔ ہماری ہمیشہ سے آرزو اور کوشش ہے کہ ہندو اور مسلمان، صرف اس لئے کہ دو پولیٹیکل اور مذہبی فرقے ہین، آپس مین تعصب اور بیگانگی نہ رکھین۔ سرود اخلاص ناقوس و صداے "اللہ اکبر" دونون کے ملکر گونجنے سے پیدا ہوسکتا ہے۔ دو مختلف اعتقادات کی کیا، متضاد اعتقادات کی پولیٹیکل پارٹیان بھی پولیٹیکل اکھاڑے کے باہر بھائی چارا برتتی ہین، پھر کوئی وجہ نہین کہ ہندو اور مسلمان کا چولی دامن کا ساتھ نہو اور یہ دلیل کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی مسلمانون کے لئے ہوگی اس لئے ہندوؤن اور مسلمانون مین کوئی ربط ضبط اور اتحاد کی صورت نہین رہیگی، ہمین سراسر غلط معلوم ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ ہماری ڈی نامینیشنل یونیورسٹی ہمارے ڈی نامینیشنل کالج یعنی علیگڈھ

کالج کی ترقی یافتہ شکل ہوگی، اور اگر علیگڈہ کالج پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ ڈی نامینیشنل ہونے کی وجہ سے ہندو اور مسلمانون مین بیگانگی اور دشمنی پیدا کر دی ہتی تو ہماری مجوزہ یونیورسٹی پر بھی یہ الزام لگایا جاسکتا ہے۔ مگر تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ علیگڈہ کالج پر کبھی تعصب اور دشمنی پیدا کرنے کا الزام عائد نہین ہوا۔ خود مسز ایبی سینٹ اس کی گواہ ہین۔ اور ہم کیون کسی کو گواہ قرار دین ہمارے سکول اور کالج مین جس قدر ہندوؤن نے تعلیم پائی اور جتنے ہندو پاس ہوے وہ خود ہی شاہد ہین۔ دوسری بات یہ کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی سے مراد محض مذہبی یونیورسٹی نہین ہے جیسا کہ بعض ہمارے نادان دوست سمجھتے ہین۔ ہماری مجوزہ یونیورسٹی مین اُس قسم کی اعلی درجہ کی تعلیم دی جائیگی جس کو ہم خصوصیت کے ساتھ مسلمانون کی دینی و دنیوی فلاح کا مفید ترین ذریعہ سمجھتے ہین۔ مسلمانون کی خاص تعلیمی ضروریات کا، جن کو تجربہ نے ثابت کیا ہے اور جس کے ایک حد تک خود پریسیڈنٹ صاحب مقر ہین کہ موجودہ یونیورسٹیان سرانجام نہین دے سکتین، لحاظ بیشک کیا جائیگا، مگر اس سے مراد یہ نہین ہے کہ دنیاوی تعلیم کسی طرح موجودہ یونیورسٹیون کی تعلیم کے درجہ سے گری ہوئی ہوگی۔ دنیاوی تعلیم کا حتی الامکان بہت عمدہ انتظام کیا جائیگا۔ ایسی تعلیم کیونکر ہندو اور مسلمانون مین دشمنی پیدا کر سکتی ہے۔ جو علم آج عمدہ سے عمدہ کالجون مین پڑھایا جا رہا ہے اور جس عمدہ طرح سے پڑھایا جا رہا ہے، وہی علم اور وہی عمدہ طریقہ حتی الامکان ہمارے ہان بھی ہوگا، اس لئے اگر وہ عمدہ کالج ہندو اور مسلمانون مین دشمنی بڑھاتے ہین تو ہمارے کالج یا یونیورسٹی بھی بڑھائینگی۔ مگر معترضین کا تو قول ہے کہ وہ کالج نہین بڑھاتے، اس لئے معترضین کا اعتراض ساقط ہے۔ علم جہان کہین ہوگا وہ دل و دماغ کو روشن و منور کریگا، نہ کہ تیرہ و تاریک بنائیگا اور اُن مین اُن بیہودہ تعصبات کو بسائیگا جن سے نفرت کرنی ہر ذی شعور کا فرض ہے۔ وہی اعلی تعلیم ہوگی صرف فرق اسقدر ہوگا کہ اسلامی تاریخ و فلسفہ و دینیات کی تعلیم بطریق جدید کا اضافہ ہوگا، اور انصاف پسند ہرگز نہین کہہ سکتے کہ اس قسم کی تعلیم ہندوؤن سے دشمنی پیدا کر دیگی۔ اگر ہندو ہمَّت

سے دشمنی پیدا کی تو اس کے معنی یہ ہین کہ اسلامی تاریخ و فلسفہ و دینیات تعصب پیدا کرتا ہے اور ہندوؤن کے ساتھ خاص دشمنی رکھتا ہے۔ کیا کوئی محقق مگر انصاف پسند محقق اسلامی تعلیم پر ایسا الزام عاید کر سکتا ہے۔ ہمارا سوال ہے کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کی تعلیم اگر تعصب اور دشمنی پیدا کرنے والی تعلیم ہے، تو صرف ہندوؤن سے کیا خصوصیت ہے، سب سے تعصب اور دشمنی پیدا کریگی، اور سب سے زیادہ تو انگریزون کو خائف ہونا چاہیئے اس لئے کہ اُن کے ساتھ غیر ملکی ہونے کی خصوصیت زیادہ ہے۔ مگر جن انگریزون نے ہمارا پروگرام اور ہمارا مسوّدہ دیکھا ہے اُنہون نے کبھی تعصب اور دشمنی پیدا کرنے کا الزام عاید نہین کیا، بخلاف اس کے کامل ہمدردی ظاہر کی ہے۔ پھر کیا ہمارے مذہب کو ہندوؤن ہی سے کچھ خصومت ہے۔ اور ہماری مجوزہ یونیورسٹی ہندوؤن ہی سے دشمنی پیدا کریگی؟ اس لغو خیال کا زمانہ گذر گیا، اور ہمنے اور ہمارے اکثر اہل الرائے نے اس لغو خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ تیسری بات یہ کہ ہم ایسی یونیورسٹی نہین بنانی چاہتے جس مین غیر مذاہب کے طلبا تعلیم نہ پا سکین، ہمارے دار العلوم کا دروازہ ہر قوم و ملت کے لئے کھلا رہیگا، ہمارا سلوک ہمارے معزز بزرگون کا سا ہوگا جنہون نے قرطبہ کے دار العلوم کے دروازے یوروپ کے لئے کھولدیئے تھے، اور چشمۂ فیض عام جاری کر دیا تھا۔ ہندو طلبا کو ہم اپنے سر اور آنکھون پر بٹھائینگے ہندو طلبا کو اپنی تعلیم مین شریک کرنے مین ہمین کوئی عذر نہو گا بلکہ ہمین خوشی ہوگی۔ ہمارا علیگڈھ کالج اس وقت ہماری پالیسی اور عمل کی مثال موجود ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ یہ اور بات ہے کہ ہندو صاحبان ہمارے دار العلوم سے نفرت کرین، ورنہ ہندو طلبا کا شریک رہنا کافی ثبوت ہے کہ جس تعصب کا اندیشہ ہے وہ شکی طبیعت کا خواب پریشان ہے۔ پریسیڈنٹ صاحب کو اس خاص معاملہ سے پورے طور پر مطمئن ہونا چاہیئے، اور ہندو مسلمانون کی علحدہ علحدہ تعلیم کے خیال کی بنا پر جو اندیشہ تعصب و بیگانگی ظاہر کیا گیا ہے اسکو دور کر دینا چاہیئے۔ کیا اُن کا مطلب اس طرح پورا نہین ہو جائیگا!

کیا اُن کی بڑی خواہش ہندو اور مسلمان طلبا ساتھ اور ایک جگہ تعلیم پائین پوری نہین ہوگی؟

اس کے ساتھ ہم دو باتین اور اضافہ کر دیتے ہین اور اس کے بعد ہم کو اس یقین کی وجہ میسر ہو جائیگی کہ پریسیڈنٹ صاحب یا اُن کے ہم خیال حضرات کے تمام شکوک کا ہم نے مفصل اور پورا جواب دیدیا۔ پہلی بات جس کو ہم گوش گذار کرنا چاہتے ہین یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کو قومی تعصبات کا گہوارہ سمجھنا غلطی ہے تعصبات ہمیشہ ادھوری اور بیہودہ تعلیم کا نتیجہ ہوتے ہین۔ اعلیٰ اور حقیقی تعلیم ہرگز ان تعصبات کو پیدا نہین کرسکتی، اعلیٰ اور حقیقی تعلیم بخلاف وہ بلند نظری، وسعت خیال، عالی حوصلہ، مردانگی و اور اتحاد بین الاقوام پیدا کرتی ہے جس سے متفرق و منقسم ذرات ملکر قرص نور بن جاتے ہین، اور اپنی روشنی سے رات کو دن بنا دیتے ہین۔ موجودہ تعصبات، جنکی کثرت اور شدت روزافزون معلوم ہوتی ہے آخر کس وجہ سے ہین؟ کونسی ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کی تعلیم کا یہ اثر اور نتیجہ ہے؟ کیا وجہ ہے کہ باوجود تمام ہندوستان مین ایک ہی مدارس ہندو اور مسلمانون کے لئے موجود ہونے کے، اور اُن مین دونون قومون کے طلبا کے ساتھ ساتھ اور ملکر تعلیم پانے کے، تعصبات مین کوئی کمی نہین بلکہ اور زیادتی اور روزافزون زیادتی ہے؟ اگر یہ دلیل صحیح ہے کہ ہندو اور مسلمانون کے ساتھ ساتھ اور ملکر تعلیم پانے سے تعصبات کم بلکہ بالکل محو ہو جاوینگے، اور محبت اور یگانگت زیادہ پیدا ہو جاویگی، تو کیون نتایج برخلاف اور دلیل کو جھوٹا ثابت کرتے ہین؟ کیا جو مخصوص قومی مدارس ہین اُن ہی مین تعصب ہے عام مدارس مین نہین ہے؟ معترضین ہمکو اس کا جواب دین ورنہ اپنے اعتراض کو مہمل سمجھین۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈی نامینیشنل یا بے ڈی نامینیشنل، جس انسٹی ٹیوشن مین ناقص اور ادھوری تعلیم ہوگی وہان یہی حال ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ تعصبات کی وجہ ناقص تعلیم ہے۔ اب ذرا ہمارے پروگرام اور ہماری تجاویز پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ہماری یونیورسٹی ناقص تعلیم نہین

دیگی، اور ہماری کوشش ہوگی بلکہ یون کہا جاے کہ ہماری ایک بڑی غرض علحدہ یونیورسٹی قایم کرنے سے یہ ہے کہ موجودہ تعلیم کے نقائص اور عیوب سے ہماری یونیورسٹی بری ہو اور علیگڈہ اصلی اور حقیقی تعلیم کی جگہ ہو۔ اگر ہماری امیدین اور کوششین پوری ہوئین، تو معترضین کو ثابت ہو جاے گا کہ ہماری مجوزہ یونیورسٹی بجاے تعصبات اور مناقشات کو بڑھانے کے، محو کرنے کا ذریعہ ہوگی، ہماری یونیورسٹی معترضین کی آرزو ہوگی، اور گویا ہم معترضین ہی کی آرزو پوری کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہین اس لئے مناسب ہے اور وقت آگیا ہے کہ اعتراض گلدستہ طاق نسیان بنایا جاے اور دم درم قدم اور قلم سے مدد کی جاے۔

دوسری بات جو خاص توجہ اور لحاظ کے قابل ہے وہ یہ کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی دنیا کی اصلی اور بڑی ضرورت ہے، اور ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کا نہونا ہمارے نزدیک عجائبات روزگار مین سے ہوگا۔ تعلیم کا منشا انسان کے قوا دینی و عقلی کو نشو و نما دینا اور وہ صورت اور سیرت پیدا کرنی ہے جو انسان اور آدمی، اور آدمی اور حیوان، مین مابین الامتیاز ہے۔ قوا عقلی کی ترقی مین انسان کی اخلاقی اور تمدنی ضروریات کا لحاظ ضروری ہے، ورنہ ترقی کی ترتیب ایک منتشر اور مہمل نتیجہ پیدا کریگی، جس کی ظاہری شکل وہ تیسری خلقت ہے جس کو ہم نے آدمی کہا ہے۔ اخلاقی اور تمدنی ضروریات مذہبی خیال اور مذہبی تعلیم کی ضرورت پیدا کرتے ہین انسان اگر خدا کا قایل اور کسی مذہب کا پابند نہین ہے، تو خدا کا کوئی نقصان نہین، مگر انسان کا سخت نقصان ہے۔ کوئی چیز دنیا مین اس کو خوشی اور رنج، راحت اور مصیبت مین تقویت نہین دے سکتی مگر خدا کا اعتقاد۔ سوسائٹی کی ترکیب مہمل ہو جاے، انسان کے تمدن مین لاکھون دشواریان پیدا ہو جائین بلکہ تمدن ناممکن ہو جاے، اخلاقی زندگی شرمندہ معنی نہ رہے۔ اگر سوسائٹی خدا کی قایل اور کسی مذہب کی پابند نہو۔ اور مذہبی پابندی مذہبی تعلیم کی ضرورت پیدا کرتی ہے تاکہ قوا عقلی کی ترقی مین ترکیب مناسب ہو، عقل کی آزادی کسی چیز کی پابند ہو۔ اس لئے ہم عام تعلیم مین مذہبی تعلیم کو ایک مفید اور ضروری جز و سمجھتے ہین۔ ہم کیا سمجھتے ہین دنیا اسی پر کاربند ہے۔ یورپ کی

یونیورسٹیوں مین مذہبی تعلیم کا التزام و انتظام ہے۔ ہر قوم اپنے دار العلوموں مین مذہبی تعلیم کو ضروری سمجھکر شامل کرتی ہی۔ چنانچہ اُس نفیس معجون مرکب کا نتیجہ قوائے عقلی کی صحت او، قومی ملکی نفضل سے ظاہر ہی، مذہبی تعلیم کے ساتھہ ہر قوم اپنے دار العلوموں مین اپنی خاص خاص قومی ضروریات کا بھی انتظام کرتی ہی۔ اس انتظام اور التزام کا موجود ہونا، اسکے معنی ہی یہ ہین کہ ہر جگہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹیان ہین۔ کوئی ملک ایسا نہین ہے جس مین ڈی نامینیشنل اور صرف ڈی نیشنل یونیورسٹیان نہون۔ واضح رہے کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی سے مراد وہ دار العلوم ہی جہان قومی ضروریات کا لحاظ مخصوص ہو۔ کیا آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیان ڈی نامینیشنل یونیورسٹیان نہین ہین؟ کیا ان مین انگریزون کی خاص ضروریات کا لحاظ نہین ہے؟ کیا ان مین مذہبی تعلیم کی شرط انگریز طلبا کے لئے نہین ہے؟ اور کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ مسلمان یا ہندو یا یہودی اُسی قدر وہان کی اعلیٰ اور بے نظیر تعلیم سے مستفید ہو سکتا ہے جس قدر ایک انگریز طالب علم ہو سکتا ہی؟ پھر کیون کہا جاتا کہ ہم دنیا سے انوکھی بات کرتے ہین؟ ہم کیا ظلم کرتے ہین اگر اپنی قومی ضروریات کے لحاظ سے قومی دار العلوم بناتے ہین؟ با این ہمہ آکسفورڈ اور کیمبرج مین ہندو اور مسلمان سبھی جاکر پڑھتے ہین اور سبھی کے لئے وہان کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اسی طرح ہماری یونیورسٹی کا دروازہ بھی ہر قوم کے لئے کھلا ہوا ہوگا۔ ہم سمجھتے ہین کہ ہم نے کافی طور سے ثابت کر دیا کہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹی دنیا کی ہر قوم کی بڑی اور اصلی ضرورت ہے، اصلی تعلیم بغیر ڈی نامینیشنل یونیورسٹی کے ممکن نہین، اور سب جگہ ڈی نامینیشنل یونیورسٹیان ہین۔ شاید ہندوستان ہی وہ بدنصیب ملک ہے جہان باوجودیکہ سب سے زیادہ ضرورت ہے، مگر کوئی ڈی نامینیشنل یونیورسٹی نہین۔ اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہی۔ ہمارے ہان جو تعلیم کی ذلیل حالت ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ ابھی ہم ثابت کر چکے ہین کہ مذہبی تعلیم تعلیم کا ایک ضروری جزو لاینفک ہے، اور بغیر مذہبی تعلیم کے عام تعلیم کا نتیجہ ہماری سوسائٹی کے تمدن و اخلاق کی ترقی کے لیئے مضر ہی۔ اب دیکھا جائے کہ ہندوستان کی موجودہ یونیورسٹیان کہان تک اور کس درجہ تک مذہبی تعلیم دیتی ہین، افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہی کہ بالکل نہین دیتین اور مجبور ہین نہین دیتین۔ موجودہ یونیورسٹیان بیسیون مذاہب اور فرقون کی مذہبی تعلیم کا کیونکر انتظام کر سکتی ہین؟ اب اگر ہمین اپنی تعلیم اعلیٰ تعلیم کے درجہ پر پہونچانی ہے تو ہم مذہبی اور قومی تعلیم کا انتظام اپنے آپ کرین مگر کیونکر کرین

ضمیمہ (مئی ۱۹۰۴ء) لسان الصدق

معاشرانہ زندگی

(سر جان لبک کی کتاب "دی یوس آف لائف" کے ایک باب کا ترجمہ)

"سر جان لبک" موجودہ زمانہ کا ایک علمی محسن ہے، جس نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ حسن اخلاق کے متعلق دنیا کے مشہور مصنفوں کی سو تصنیفیں (جن میں الہامی تصانیف بھی شامل ہیں) انتخاب کرکے شائع کیں۔ انہیں منتخب کتابوں میں ایک قابلِ قدر کتاب "لارڈ ایوزبری" کی "یوس آف لائف" ہے، جس میں انسانی زندگی کے اخلاقی پہلو پر نہایت جامعیت اور بسط سے بحث کرکے مفید نتائج پیدا کیے ہیں۔ یہ کتاب اس قابل تھی کہ اردوے معلی کے علمی خزانہ میں اس سے بیش بہا اضافہ کیا جاتا، ملک کو جناب مولانا محمد یوسف صاحب جعفری کا (جو علی گڑھ کالج کے نامور تعلیم یافتہ اور بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ کے "چیف مولوی" ہیں) نہایت ممنون ہونا چاہیے، جنھوں نے اس بیش بہا کتاب کو اردو کا ایسا خوشنما جامہ پہنایا کہ اس نے ترجمہ کے دائرے سے قدم بڑھا کر اوریجنل تحریر کی صورت اختیار کرلی ہے؛ باوجود اس کے طرزِ عبارت، اور اصلی زور کے قائم رکھنے کی بھی کوشش کی گئی ہے، جسمیں مولانا بہت کچھ کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔ اس ترجمہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اصل کتاب میں جا بجا مصنف نے بعض نظمیں بھی درج کی تھیں، ممکن تھا کہ ان کا عام تراجم کی طرح نثر میں ترجمہ کردیا جاتا یا بالکل نظر انداز کردی جاتیں۔ لیکن مولانا کی شاعرانہ قابلیت نے اس کے ترجمہ میں اچھا کام دیا، اور کتاب کی اصلی خوبی

قائم رہی جہاں جہاں اصل کتاب میں نظم درج کی گئی ہے، اس کا ترجمہ بھی مولنا نے نظم میں کر کے حقِ ترجمہ اس طرح ادا کیا ہے، سب سے زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ نظم کے ترجمہ میں صرف موزوں کر دینا ہی اصلی کام نہیں سمجھا گیا، بلکہ نہایت خوبی سے بعض اشعار کے ترجمے ہوئے ہیں۔ انگریزی جیسی زبان کی آزاد شاعری کا مقفی نظم میں ترجمہ کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔

مولانا موصوف نے اُس عنایت کے سلسلے میں جو ابتدا سے وہ ''لسان الصدق'' پر فرماتے رہے ہیں ہماری فرمایش سے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا تھا اور اب انھوں نے اس کا ایک حصہ اس لیے عنایت فرمایا ہے کہ وہ ''لصان الصدق'' میں ماہوار شائع کیا جائے۔ چنانچہ نہایت شکریہ کے ساتھ اس کا سلسلہ بطور ضمیمہ کے اس نمبر سے شروع کیا جاتا ہے (۸) صفحے ہر نمبر کے ساتھ شائع ہوں گے، جس سے آخر میں مکمل کتابی صورت میں خریداران لسان الصدق جمع کر سکتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ناظرین اس مفید رسالے کو دلچسپی سے ملاحظہ فرما کر لائق مترجم کی ترجمانہ کوششوں کو داد دیں گے۔

ایڈیٹر ''لسان الصدق''

ہم فخر یہ طور پر کہا کرتے ہیں کہ '' ہر ایک انگریز کا مکان اُس کا قلعہ ہے،، لیکن ہونا چاہیے اس سے بھی زیادہ؛ اُس کے مکان کو اُس کا گھر ہونا چاہیے۔ ملکی قانون نے اُس کے مکان کو اُس کا قلعہ بنا دیا ہے۔ لیکن اُس کو سچا گھر بنانا خود اس کے اختیار میں ہے۔ گھر کو گھر کیا چیز بناتی ہے؛ محبت، ہمدردی، اور اعتماد۔ لڑکپن کی باتوں کی یاد، والدین کی شفقت، جوانی کی خوشنما امیدیں، بہنوں کا ناز، بھائیوں کی ہمدردی اور مدد، ایک کا دوسرے پر اعتماد، متحدہ اُمیدیں اور اغراض اور رنج، یہ چیزیں ہیں جو گھر بناتی اور اُس کو باعظمت کرتی ہیں۔

ایک مکان، جس میں محبت نہیں، ممکن ہے کہ قلعہ ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک محل ہو، لیکن نہیں

ہو سکتا ہے تو گھر۔ جس گھر میں محبت نہیں، اُس پر گھر کا اطلاق اسی طرح نہیں ہو سکتا جس طرح ایک جسدِ بے روح پر انسان کا۔

ہو جس کے دل کو رنج و غم و فکر سے نجات
ہر روز اُس کو عید ہے، ہر شب شبِ برات

ہوں پاس چار پیسے، مگر خوفِ رب کے ساتھ
کیا فائدہ خزانہ ہو رنج و تعب کے ساتھ؛

نعمت ہے نانِ جو بھی جو باہم ہو اتفاق
ہے شیر مال ہیچ جب آپس میں ہو نفاق

بہتر ہے خشک لقمہ بھی چین اور خوشی کے ساتھ
اُس قورمہ پلاؤ سے رنج آئے جس سے ہاتھ

پس گھر کی قدر ہم اس لیے نہیں کرتے ہیں، کہ وہ بادشاہ یا سلطنت کے پنجۂ ظلم سے پناہ ڈھونڈھنے کے لیے ایک قلعہ ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ وہ قلعہ ہے، جہاں ہم زندگی کے تردداتِ تفکرات سے پناہ پاتے ہیں، اور یہ وہ جنت النعیم ہے، جہاں ہم اُن آندھیوں اور طوفانوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ جن کا ہمیں اپنی دنیاوی سیر و سیاحت میں سامنا کرنا یقینی ہے۔

نہایت کامران اور بامُراد دوران زندگی میں بھی ایسے واقعات پیش آ ہی جاتے ہیں، اور صرف مرفہ الحالی کسی طرح چین اور خوشی کا بیڑا نہیں اُٹھا سکتی۔

جنتِ عدن میں بھی آدم تنہا زندگی بسر کرنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے تھے۔ بنارڈن ڈی سینٹ پیئر کہتا ہے "خود جنت میں ایک اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے؟" اُس کے دل کو گھر میں رہنا چاہیے۔ مگر مناسب یہ ہے کہ وہ کام باہر کیا کرے۔ ہماری پیدائش سے نہ تو یہی مقصود ہے کہ ہمیشہ سوسائٹی ہی میں رہا کریں اور نہ یہی کہ ہر وقت عزلت گزیں رہیں۔ دونوں ہی مفید ہیں، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ضروری ہیں۔

بہلتا ہے مرا دل جس چمن میں
نہ آبادی میں ہے وہ اور نہ بن میں

نہیں ہے شہر سے گو قرب بالکل
سُنے جاتے ہیں واں کے شور اور غُل

کبھی آتی ہے آوازِ دف و نے
صدا ماتم کی آ جاتی کبھی ہے

ہوا جب چلنے لگتی ہے زنازن
سُنی جاتی ہے گھنٹوں کی ٹناٹن

قدرت کی بہاریں ہمیشہ کے لیے فرحت بخش ہوتی ہیں، لیکن جب تک دل میں روشنی نہ ہو، آسمان کی روشنی بیکار ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ گھر والوں کے ساتھ اُلفت و محبت رکھیں اور اُن کا ادب و لحاظ کریں یہی تہذیب کی اصل اور بنیاد ہے، تمام خوبیاں اسی درس گاہ سے حاصل ہوتی ہیں، اس سے ہمارے دلوں میں شریفانہ جذبات اور عالی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ فرشتے بھی اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ دوسروں کو خوش کریں؟

ممکن ہے کہ تمہارا گھر غریبانہ، بد اسلوب، ناموزوں ہو، حتیٰ کہ گھر والے تمہارے ساتھ ناسازگاری اور سرد مہری سے پیش آتے ہوں، لیکن تمہیں تو رہنا اُسی گھر میں ہے، اور اپنے فرائض کو اُسی میں انجام دینا ہے۔ اور تمہیں یہ معلوم ہے کہ جتنی زیادہ دِقتیں پیش آتی ہیں، اُتنا ہی زیادہ اُس کا صلہ ملتا ہے۔

لوگوں کے ظلم و ستم کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لینا سب مشکل کاموں سے زیادہ مشکل ہے یہ ایک زندہ قربانی ہے، جو زر، وقت، اور محنت کی تضیع سے بھی بڑھ کر ہے۔

چند ہی آدمی ایسے ہوں گے جو حقیقت میں دوسروں کو ناخوش کرنے کی خواہش رکھتے ہوں اور وہ چند بھی غالباً میری کتاب کے پڑھنے والے نہ ہوں گے۔ لیکن یہ امر قرینِ قیاس ہے، کہ بحالت مجموعی، بے محبتی سے زیادہ بے پروائی اور بے سلیقگی کی وجہ سے ناراضیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ہر ایک شخص سے خندہ پیشانی، مہربانی کے الفاظ، اور خوشدلی کے ساتھ ملو۔ جو ہمارے عزیز یا پیارے ہیں، اُن سے صرف محبت رکھنا کافی نہیں ہے۔ ہمیں اُن پر اس بات کا اظہار کرنا چاہیے کہ ہم اُن سے محبت رکھتے ہیں۔ ہم میں سے بہتیرے اشخاص ایسے ہیں، کہ نادانی، بے توجہی یا نافہمی سے اُنھیں کے دل کو دُکھا دیتے ہیں۔ جنھیں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں، اور جن کی مدد کے لیے سب سے زیادہ آمادہ رہتے ہیں۔

ہم سب لوگوں کو یہ خوب معلوم ہے، کہ ہمت افزائی کے چند ہی الفاظ سے ہمارے دل کو

کس قدر قوت اور توانائی حاصل ہو جاتی ہے۔

لارڈ چسٹر فیلڈ کہتے ہیں، "میں نے اکثر خیال کیا ہے، اور اب بھی خیال کرتا ہوں، کہ اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ایسی چیز ہوگی جس سے لوگ بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں، یعنی یہ کہ محبت کیونکر کریں اور نفرت کیوں کر کریں۔ وہ اُن لوگوں کو، جن سے وہ اُلفت رکھتے ہیں، بیجا چشم پوشی اور اندھا دُھند محبت سے نہیں نہیں، بلکہ لبسا اوقات اُن کے قصوروں کی پچ کر کے، نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور نفرت کرنے کی صورت میں بے موقع جوش اور غصے سے اپنے دل کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔"

دوستوں کے درمیان رہنے کی حالت میں بھی ہماری زندگی عزلت گزینی کی طرف مائل ہوتی ہے؛ "ہم ایک دوسرے کے اعتبار سے گویا مختلف جزیروں میں مقیم ہیں، ہڈیوں کے کٹہروں میں مقید ہیں، اور چمڑے کے پردے درمیان میں پڑے ہوئے ہیں۔"

ہم اپنے دوستوں بلکہ قرابتمندوں تک سے بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد اکثر عملی طور پر منفردانہ زندگی بسر کرتے ہیں؛ اُن کے دلوں کی حرکت گویا متوازی خطوط میں ہوتی ہے، جو کبھی آپس میں نہیں ملتے؛ حقیقت میں ایک کو دوسرے سے مس تک نہیں ہوتا۔

کیوں میں ہنستا ہوں دل میں خوش ہو کر آہیں بھرتا ہوں ہو کے کیوں مغموم!
کوئی کیسا ہی دوست ہو میرا حالِ دل میرا اُس کو کیا معلوم

ہم آپس میں موسم اور فصل کی حالت کا تذکرہ کرتے ہیں، سب سے بعد کو جو ناول شائع ہوا ہے اُس پر رائے زنی کرتے ہیں، پولٹیکل امور پر بحث کرتے ہیں۔ اپنے ہمسایوں کی صحت اور خرابیوں پر گفتگو کرتے ہیں؛ غرض ہر ایک ایسی چیز کو معرضِ بحث میں لاتے ہیں، جس کو سچی اور اندرونی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقتِ امر یہ ہے، کہ جو امر جس قدر زیادہ لایعنی اور غیر ضروری ہوتا ہے، اُسی قدر زیادہ اُس پر بحث و گفتگو کی جاتی ہے؛ اور وہی لوگ زیادہ بکتے

ہیں، جن کے پاس فی الحقیقت بہت ہی کم باتیں کہنے کے لیے ہوتی ہیں۔

بہت ہی کم اشخاص اس بات کی حقیقت سے واقف ہیں کہ گفتگو بھی ایک بڑا ہنر ہے۔ ایک گھر والوں کے آپس میں سچا اتحاد اور سچی ہمدردی پیدا کرنے کے لیے صرف محبت اور خیر خواہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خیالات کے اظہار اور حصول کے ہنر اور قوت کی۔ اگر دوسرے تمھیں خوش نہ کریں، تو تم انھیں خوش کرنے کی کوشش کرو۔

"زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز"

اکثر اشخاص فخریہ بیان کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے دل میں آتی ہے اُس کو ہم کہہ ڈالتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہر شخص کو سچا اور صاف دل ہونا چاہیے؛ لیکن گفتگو کی مثال بھی دوسری چیزوں کی سی ہے؛ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی گفتگو کو دلچسپ بنائیں، تو ہمیں اس کے لیے کسی قدر کوشش درکار ہے۔

اگر ہم سب کے سب کوشش کریں، تو گھر میں بہت کچھ خوشی اور شادمانی قائم کر سکتے ہیں۔

بلا سے ہیں قسمت سے مجبور ہم — لٹانے سے زر کے ہیں معذور ہم
نہیں ہے، نہ ہو اپنے پلّے ٹکا — کریں جس سے ہم دوسروں کا بھلا
جو دولت نہیں ہے، تو غم اس کا کیا! — خدا نے تو کی ہے محبت عطا
نہیں جس میں مطلق ریا کی ہے بو — خوشامد کی جس میں نہیں آرزو
محبّت ہے اک دولت لازوال — نہیں اس کے پاسنگ قاروں کا مال
محبت سے لازم ہے ہم کام لیں — دلِ خلق کو اس سے آرام دیں

جب تمھارا قصور ثابت کیا جائے تو تم خفا نہ ہو جاؤ، اور جب تم خفا ہو تو قصور ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک بدمزاج شخص دوسروں سے زیادہ خود اپنی سزا کرتا ہے۔

دوسروں کو رنج دے کر خود بھی رہتا ہے ملول ناخوشی ہی کو سمجھتا ہے خوشی مردِ جہول

اور چوں کہ وہ ہمیشہ ناراض رہتا ہے، اس لیے کبھی خوش نہیں رہتا۔ لیکن بلاشبہ وہ دوسروں کو بھی بہت کچھ رنج و مصیبت میں ڈالتا ہے۔ اپنے ہمنشینوں کو خوش کرنے کے لیے کچھ بہت ذاتی نقصان کی ضرورت نہیں ہے، لیکن صرف نیک ارادوں سے بھی کام نہیں نکلتا۔ اس کے لیے تدبیرد ہوشیاری، غور و خوض، اور عادت درکار ہے۔ اگر تم کسی کام کو، خواہ اچھا ہو خواہ بُرا، حُسن و خوبی کے ساتھ کرنا چاہتے ہو، تو اُس کی عادت ڈالو۔

تلطف آمیز اور ہمدردانہ سلوک جادو اور سحر کا کام کرتا ہے۔ انگریزی میں ایک قدیم مثل ہے، کہ اخلاق انسان کو انسان بناتے ہیں؛ اور اس امر کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کہ بہت سے آدمی اخلاق حسنہ کی بدولت آدمی بن گئے، اور بہتیرے اپنی بدخلقی کے باعث تباہ و برباد ہوگئے ایک وزیرِ اعظم بھی جب اپنی مجلسِ شوریٰ کے لیے اراکین منتخب کرتا ہے، تو وہ عقلمندی، فصاحت و بلاغت، قابلیت و فضیلت ہی کا خیال نہیں کرتا، بلکہ اخلاق کا بھی۔ یعنی وہ ایسے اشخاص منتخب کرتا ہے جو دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکیں۔

دُکھائی دل کی قوت کو نہیں کہتے، سچ پوچھو تو یہ کمزوری کا برقعہ ہے۔ شیکسپیر بروٹس کی نسبت مارک انٹونی کی زبان سے یوں کہلاتا ہے۔

وہ تھا ایسا مجموعہ اوصاف کا
"کہ ملک بھی پکار اُٹھے "وہ مرد تھا!"

سُریلے پن اور بے سُرے پن کو علم موسیقی کے ساتھ تعلق ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ دونوں لفظ اس سے بھی بلیغ تر معنیٰ رکھتے ہیں، یعنی، دو دلوں کا ملا ہوا یا جدا ہونا۔

اور اگر کسی شخص کا قصور ثابت کرنے کی ضرورت بھی ہو، تو اتنا تو ضرور کرو کہ اُس سے شیریں کلامی سے بولو، بالخصوص چھوٹے لڑکوں سے، اِس لیے کہ "ایک بچے کا گہوارہ ایک مرد کے ستاروں سے بھرے ہوئے آسمان کی نسبت زیادہ آسانی سے تاریک ہو جا سکتا ہے"، دین کی نسبت

لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک ذرا سی مار سے ایک ہنستے لڑکے کو روتا لڑکا بنا دیتا تھا۔ ایسا تو ہم سب لوگ کر سکتے ہیں۔ نہیں، اس کی بھی ضرورت نہیں؛ صرف ایک لفظ ہی کافی ہے۔۔ بہر حال

بولنے میں تجھ کو لازم ہے کہ ہو شیریں کلام
سخت گوئی، بدزبانی سے زبان کو اپنی تھام
گرچہ ہے شیریں زبانی اک محض ادنیٰ سی چیز
لیکن اس کے فائدے بے انتہا ہیں اے عزیز!
جب کہ یہ منھ سے نکل کر دل میں داخل ہو گئی
کچھ نہ پوچھو سامعین کو ہوتی ہے کیسی خوشی!

مستحسن امر یہ ہے، کہ تخلیے میں الزام لگایا جائے اور برملا تعریف کی جائے۔ جو بات تخلیے میں کہی جاتی ہے، دل اُس کو قبول کر لیتا ہے؛ سننے والا خیال کرتا ہے کہ یہ بات نیک نیتی سے کہی گئی ہے، اور حقیقت میں اُسی کا زیادہ اثر بھی ہوتا ہے؛ اور برملا تعریف کرنے سے انسان کا دل بڑھتا ہے، اور وہ اس کو اپنے کام کا ایک عمدہ صلہ خیال کرتا ہے۔

سب سے مقدّم یہ امر ہے، کہ اگر تمھیں کسی کے قصور ثابت کرنے کی ضرورت ہے، تو متانت سنجیدگی، اور تاسّف کے ساتھ اس بات کا اظہار کرو، حتی الامکان غصّہ یا خفگی نہ ظاہر کرو۔ آرکیٹس نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے کہا تھا، "اگر میں خفا نہ ہوتا، تو تجھے ضرور سزا دیتا"؛ اگر تم خفا ہو، تو کم از کم اتنا تو ضرور کرو کہ ذرا ٹھہر جاؤ اور بولنے کے قبل سوچ لو۔ میتھیو آرنلڈ اعلیٰ تعلیم یافتگی کی اس طرح تعریف کرتا ہے، "اُس کی انتھک چشم پوشی، اُس کا مواقع اور صورتِ حال کا لحاظ اس کی سختی کے ساتھ کاموں کی تجویز، اور ساتھ ہی لوگوں کے ساتھ رحیمانہ فیصلہ"؛ ہر ایک شخص کے ساتھ عذر پذیری کرو۔ اگر تم ملزم کی تمام صورتِ حال کو معلوم کر لو، تو تمھارا الزام اکثر ترحّم سے بدل جایا کرے۔

لِسانُ الصّدق

دار السلطنت کلکتہ کا ایک ماہوار علمی رسالہ

نمبر ۶ و ۷ | بابت ماہ جون و جولائی سنہ ۱۹۰۴ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ضمیمہ

شکریہ

ہم اپنے مکرم دوست جناب مولوی محمد سعید صاحب بلگرامی (جن کے سوشل مضامین لسان الصدق مین شائع ہو رہے ہین) شکریہ ادا کئے بغیر نہین رہ سکتے جو قلمی امداد کے سوا رسالہ کی اشاعت مین بھی برابر کوشش کر رہے ہین۔

ہمین امید ہے کہ ہمارے اور احباب بھی اسی طرح اپنے ذکر خیر سے اس کالم کو مزین کرنے کا ہمین موقع دین گے - ایسی حالت مین کہ ہم آیندہ سال سے رسالے کی ترتیب و حسن مضامین مین معقول اضافہ کرنے پر آمادہ ہین -

ایڈیٹر

مسلمانان بنگال کی پنجسالہ تعلیمی رپورٹ

نمبر ۱

ہمارے ایک مکرم دوست جو خاص بنگال یونیورسٹی کے سند یافتہ ایم ۔ اے ہین اور تعلیمی معاملات سے نہایت دلچسپی رکھتے ہین ۔ مسلمانان بنگال کی پہلی تعلیمی رپورٹ کے متعلق یہ مضمون عنایت فرماتے ہین جو امسال مین ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بنگال نے شایع کی ہے ۔ ان کا منشا یہ ہے کہ پراونشل کانفرس کو اگر واقعی مسلمانان بنگال کی تعلیمی ترقی مقصود ہے ۔ تو اس رپورٹ پر توجہ کرکے ان اسباب کو دریافت کرے ۔ جن سے مسلمان بجائے ترقی کرنے کے روز بروز تنزل کی جانب جھکے جاتے ہین ۔ ہمین امید ہے ۔ کہ ہمارے وہ کرم فرما ۔ جو بنگال کانفرس کے حامیون مین سے ہین اس تحریر کو توجہ سے ملاحظہ فرمائین گے ۔ ایڈیٹر

پچھلے نمبر مین جو پر زور تحریر ۔ جناب نواب محسن الملک بہادر بالقابہ کی شایع ہوئی ہے اسکا یہ پہلا جملہ بلا کسی رد و کد کے تسلیم کرنے کے قابل ہے ۔ کہ " مسلمانون کی تعلیم کا مسئلہ تقدیر کا لاینحل راز ہے ۔ جس کے حل ہوتے ہی ہماری تمام مشکلین رفع ہو سکتی ہین ،، مگر مشکل تو یہ ہے کہ اس کا حل ہونا کچھ آسان نہین ہے ۔ آج چالیس سال سے ہماری تمام کوششون کا منشا صرف تعلیمی اشکال کا رفع کرنا ہے ۔ مگر جب ہم غائر نگاہ سے اپنی کوششون کی جانچ کرتے ہین ۔ تو اس وقت ہمین معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ہم اپنی کوششون مین کہان تک کامیاب ہوئے ہین ؟ اور آیندہ کے لئے ہم کیسی امیدین کر سکتے ہین ؟ ہم دیکھتے ہین کہ ہم اپنی کوششون مین دسوان حصہ بھی کامیاب نہین ہوئے ۔ اور ہماری تمام امیدون مین سے ایک امید بھی بارآور ثابت نہین ہوئی دور کیون جائین ؟ بنگال ہمارا وطن ہے ۔ بنگال ہی مین ہم نے تعلیم پائی ہے ۔ اور ہماری

ضرورتین بھی بہت کچھ بنگال ہی کی تعلیم سے وابستہ ہین - دار السلطنت بنگال کے ایک علمی
رسالہ مین ہمارا آرٹکل شایع ہو رہا ہے - ایسی حالت مین ہمارا فرض سب سے اول یہ ہے کہ مسلمانان
بنگال ہی کی تعلیمی حالت کو سبجکٹ قرار دین - اور کسی عمدہ ذریعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرین
کہ ہماری تعلیم کا کیا حال ہے ؟ ہم نے بہ نسبت پہلے زمانے کے ترقی کی ہے یا روز بروز رو بہ تنزل
ہین ؟ اور قومون سے جو ہماری طرح ہماری ہی سرزمین کے رہنے والے ہین ہمین تعلیم
مین کیا نسبت ہے ؟ ان کی ترقی سے ہماری ترقی تشبیہ کا کون سا درجہ اختیار کر سکتی ہے ؟ یہی ہمارا
سبجکٹ ہے - اور اسی پر ہم بحث کرنی چاہتے ہین -

سب سے پیشتر ہمین یہ دیکھنا ہے - کہ وہ کونسا عمدہ اور صحیح ذریعہ ہے - جس سے ہم اپنی
تعلیمی حالت کا ٹھیک اندازہ کر سکین ؟ جہانتک غور کرتے ہین اس پنجسالہ تعلیمی رپورٹ سے بڑھکر
ہمین اور کوئی ایسا صحیح ذریعہ نظر نہین آتا - جو حال مین سررشتہ بنگال کے ڈائرکٹر نے مرتب کر کے
شایع کی ہے - یہ ایک تعلیمی سرگذشت ہے جسمین سنہ ۱۸۹۷ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک کی تعلیمی حالت ہم
دیکھ سکتے ہین - یہی ایک ایسا صاف آئینہ اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے جس مین ہم کو اپنی
صورت کے تمام تعلیمی خال وخط صاف صاف نظر آسکتے ہین -

بحث کرنے سے پیشتر اس امر پر بھی توجہ کرنی ضروری ہے ، کہ بنگال ایک ایسا ملک ہے جو بہ نسبت
ور حصص ملک کے انگریزی اثر مین مدت سے آیا ہوا ہے - اور انگریزی تعلیم پر یہان کے لوگ
ابتدا سے متوجہ ہین - کلکتہ یونیورسٹی کی بنا سے پیشتر متعدد مدارس اور پرائیوٹ اسکول کلکتہ و بنگال
کے بعض اور مقامات مین ایسے موجود تھے جہان خاص خاص طریقون - اور مختلف کورسون
کی تعلیم دی جاتی تھی بہت سے ریفارمر اور بہت سے روشن خیال شخص بنگالیون مین ایسے پیدا
ہو گئے تھے - جو انگریزی تعلیم اور انگریزی علوم و فنون کے حامی تھے - اور مختلف ذرائع
سے اس کی اشاعت مین کوشش کرتے تھے - چنانچہ ان مین سے راجہ رام موہن رائے کا نام
خصوصیت کے ساتھ لینے کے قابل ہے - جس نے زمانہ غدر سے تقریباً نصف صدی سے پیشتر جبکہ

ہندوستان مین یورپین علوم والسنہ سے کامل تعصب برتا جاتا تھا - اوراس کی ضرورت کا کسی کو خیال تک نہین گذرا تھا - خود ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالف تھی) انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی - اور ہندوستان کی ترقی کا اصلی راز انگریزی تعلیم کو قرار دیا - اسی طرح کے اور بہت سے مصلح بنگال مین جدید تعلیم کے حامی پیدا ہو گئے تھے - جس سے ثابت ہوتا ہے - کہ جس زمانے مین پنجاب اور ممالک متحدہ وغیرہ مین تمام تاریکی پھیلی ہوئی تھی - اس وقت بنگال مین روشنی کی شعاعین ہر سرزمین کو منور کرنے کی کوشش کر رہی تھین - اور اُن ممالک پر جب کچھ روشنی نمودار ہونی شروع ہوئی تھی - تو یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بنگال مین اچھی طرح تعلیمی روشنی پھیل چکی تھی - اور بہت سے بنگالی اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ - اور عالی دماغ - تعلیم کے عمدہ نتائج موجود تھے - کیونکہ ظاہر ہے کہ ہندوستان مین انگریزی تعلیم پر توجہ سرسید احمد کی تحریک نے زیادہ تر پیدا کی ہے - جسکا زمانہ ۱۸۶۰ء کے بعد سے شروع ہوتا ہے - برخلاف بنگال کے جہان ۱۸۳۰ء سے پیشتر نہ صرف تحریک ہی شروع ہو گئی تھی - بلکہ تعلیم نے لوگون کے دلون مین اچھی طرح گھر پیدا کر لیا تھا - اور لوگ عموماً تعلیم پر متوجہ ہو گئے تھے - ایسے ایسے فاضل - اور مصنف انگریزی مین موجود تھے جن کی قابلیت کو یورپ نے تسلیم کر لیا تھا - ایسی حالت مین اگر مسلمانان بنگال کی حالت ہمین نسبت اور مقامات کے پست نظر آئے - یا برابر ہی نظر آئے - تو ہم سمجھ لین گے کہ مسلمانون نے کیسی محکوس ترقی کی ہے - اور جہالت و غفلت مین وہ کیسے بڑھے ہوئے ہین ؟ جب کہ باوجود اس خاص امتیاز کے جو بنگال کو جدید تعلیم مین حاصل ہے - ان کی تعلیم کی یہ حالت ہے -

ہماری تعلیم کا کیا حال ہے ؟ سب سے پہلے مضمون ہمارا یہ ہے کہ ہماری تعلیم کا کیا حال ہے ؟ یعنی اس صحیح ذریعہ سے ہمین اپنی تعلیم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے ؟ سنو اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۲ء سے ۱۸۹۶ء تک کی تعلیمی رپورٹ تمام پبلک اور پرائیوٹ مدارس مین مسلمان طالبعلمون کی مجموعی تعداد (۷۴۸۸۴۴۱) پیش کرتی ہے

ابتدائی درسگاہین

اس تعداد مین آخری سال تک (۲۰۱۷۲) مسلمان طلبہ کا اضافہ ہوا - گویا ۱۸۹۶ء مین تمام
سرکاری غیر سرکاری اور پرائیوٹ مدارس و مکاتب مین مسلمان طلبہ کی تعداد (۴۰۷۷۰۱۹)
تک پہونچ گئی - اس سے ظاہر ہے کہ ان چہ سالون مین مسلمان طلبہ کی تعداد ترقی پر رہی -
گو یہ ترقی نسبتاً کیسی ہی کیون نہو مگر یہ ثابت ہے - کہ تعداد مین اضافہ ضرور رہا - لیکن اس کے بعد
گذشتہ پنجسالہ زمانے مین جب ہم دیکھتے ہین (جس کی رپورٹ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے) تو ہمین تعجب انگیز
ناک افسوس ہوتا ہے - کہ یہی مسلمان اور اسی سرزمین کے مسلمان بجائے اپنی سابقہ ترقی کے
اس زمانے مین تعدادی تنزل کرتے رہے - اور ان پانچ سالون مین - طلبہ کی تعداد مین سخت
کمی ہوئی - چنانچہ رپورٹ سے ظاہر ہے کہ ۱۹۰۲ء مین مسلمان طلبہ کی کل تعداد گذشتہ تعداد
کی جگہ (۴۲۶۷۴) رہگئی - یعنی (۱۴۳۳۵) گھٹ گئی - اب گذشتہ پنجسالہ ترقی اور اس
تنزل کا مقابلہ کیجئے ! اُن پانچ سالون مین ۱۸۹۱ء سے ۹۶ء تک (۲۰۱۷۲) کی زیادتی
ہوئی تھی - یا دوسرے لفظون مین - ترقی - اور ان پانچ سالون مین (۱۴۳۳۵) کی کمی
ہوئی - یا یون سمجھئے کہ تنزل - گویا یہ ترقی اور تنزل ملا کر پورے دس سالون مین صرف
(۵۸۳۷) کی زیادتی یا ترقی مسلمانون نے کی !! کیا دس سال کے اندر صرف تیرہ ہزار آٹھ
سو چھبیس کا اضافہ مسلمانون کی ایک قابل شرم حالت نہین ہے ؟ بالخصوص ایسی حالت
مین جب کہ ان کا ہندوستان مین اور قومون کی ترقی کے ساتھ موازنہ کیا جائے - اور نیز اس لحاظ
سے دیکھا جائے - کہ صوبہ کی مسلمان آبادی زمانہ کی روز افزون اصلاح اور ترقی کے ساتھ
کس قدر اضافہ کی مقتضی ہے ؟ ترقی کے معنی یہ نہین ہین کہ دس بارہ سالون کی تعداد کی میزان
لگا کر حساباً کچھ تعداد بڑھ جائے - بلکہ زمانہ کی ترقی کے لحاظ سے جس قدر راستہ ہمین طے کرنا چاہئے
اور روز بروز جو چستی و چالاکی مین افزونی ہوتی ہے - اس کی نسبت جس قدر راستہ طے کرنے
مین بڑھتے رہنا چاہئے - ہم دیکھیں کہ واقعی ہم نے ان امور کے لحاظ سے اُس قدر راستہ طے
کیا ہے یا نہین ؟ کل - کہ نہ ہم مین اس قدر طاقت تھی - اس قدر چستی تھی - اور نہ ہم اس راہ

کے فوائد سے اس قدر واقف تھے ہم نے پانچ کوس راستہ طے کیا تھا - آج کے دن کہ ہماری قوت اور چستی مین ترقی ہونی چاہئے - اور راستہ کے فائدون کو ہماری طبیعت مین آمادگی بڑھانی چاہئے - کیا واقعی ہم نے زیادہ راستہ طے کیا ہے ؟ اور اگر ہم دیکھین کہ ابھی تو ہم اپنی کل کی منزل سے صرف پانچ قدم آگے نظر آتے ہین - اور وہ بھی اس طرح کہ کسی وقت دو قدم چلتے تھے - اور کبھی ایک قدم پیچھے ہٹتے تھے - تو کیا ہم اس کی جرأت کر سکتے ہین - کہ ترقی کا دعوی کرین؟ اور اُن جماعتون کو جو ہم سے اسقدر آگے بڑھ گئی ہین کہ کوئی ان کی دھندلی سی صورتین بھی نظر نہین آتین دیکھکر متاسف نہون ؟ یہ سچ ہے کہ ہم دن بھر کے سفر کا اندازہ کرتے ہین تو کل کی منزل سے پانچ قدم آگے نظر آتے ہین - مگر کیا فائدہ اس سے جبکہ ہماری دن بھر یہ حالت رہی ہو کہ دو قدم بڑھکر پھر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے - اور ہمارے ساتھی ہم سے کوسون آگے نکل گئے !!

ہمین روز بروز ترقی کرنی ہے - اس لئے اگر ہماری تعداد کسی زمانے مین بڑھ گئی - تو قابل فخر نہین ہو سکتی کیونکہ ہمارا کام ہی آگے بڑھنا ہے - ہان اگر جس قدر ہمارا بڑھنا لازمی اور ضروری ہے اور جہان تک پہونچے ہوئے ہمارے ساتھی نظر آتے ہین - اگر ان سے ہم آگے نکل جاتے تو بیشک ہماری ترقی قابل فخر - اور ہماری تیز رفتار قابل شرف ہوتی - لیکن اگر ہماری تعداد مین برخلاف ترقی کے کبھی سکون نظر آئے تو وہ ہمارے لئے قابل شرم اور لایق ہزار افسوس ہے - چہ جائے کہ ہم اپنی گذشتہ تعداد سے اور گھٹے ہوئے نظر آئین - اور لازمی ترقی کی جگہ معکوس ترقی کی طرف بڑھتے جائین -

فی الحقیقت ہماری پنجاب رپورٹ ہماری افسوس ناک حالت کا ایک آئینہ ہے - جس مین ہم اپنی بد قطع صورت دیکھکر سخت شرمسار ہین - اور پھر سر اٹھا کر نظر جانے کی جرأت نہین کر سکتے !!!

ہماری تعلیمی حالت مردم شماری کے لحاظ سے

اب ہم اپنی تعلیمی حالت پر دوسرے

پہلو سے نظر ڈالتے ہین - جس سے یہ بات صاف معلوم ہو جائے گی کہ اگر اوسط کے لحاظ سے دیکھا جائے - تو بہ نسبت سابق کے تعلیم کی طرف سے ہماری بے توجہی ثابت ہوتی ہے - جو نہایت افسوس ناک امر ہے سنہ ۱۸۹۶ء مین فیصدی چودہ بچون کی تعلیم پاتے کا اوسط تھا - مگر سنہ ۱۹۰۲ء مین بارہ فی صدی کا اوسط رہگیا - یعنے سو بچون مین سابق کی نسبت دو بچے انگریزی تعلیم سے رک گئے یا سو آدمیون مین سے دو آدمیون نے انگریزی تعلیم اپنی اولاد کو دلانی پسند نہین کی -

اس اجمالی بحث کے بعد اب ہم اس رپورٹ سے ایک تفصیلی حالت سرکاری اور پرائیوٹ اور ہر جماعت کے مسلمان طلبہ کی دکھلاتے ہین - ان سے آپ یہ معلوم کر سکین گے - کہ یہ تنزل بخصوص مقامات تعلیم سے تعلق نہین رکھتا بلکہ تقریباً کل مقامون مین مسلمانون کا تنزل تقسیم ہو کر عام تنزل کی صورت پیش کرتا ہے - !

سنہ ۱۸۹۶ء مین تمام پرائیوٹ مدرسون مین مسلمانون کی تعداد (۷۹۴۶۵) تھی سنہ ۱۹۰۲ء مین یہ تعداد کم ہو کر صرف (۷۴۸۳۵) رہگئی - یعنے (۴۶۳۰) طالبعلم گھٹ گئے - اسی طرح تمام پبلک مدرسون مین سنہ ۹۷ء مین طلبہ کی تعداد (۳۹۷۵۴) تھی - سنہ ۱۹۰۲ء مین صرف (۳۸۷۲۹) رہگئی - یعنے (۹۷۲۵) کی کمی ہوئی - گویا ان پانچ سالون مین پبلک اور پرائیوٹ مدارس کی کمی ملا کر کل تنزل مسلمانون کا (۱۴۳۵۵) ثابت ہوا - ! !

اس بحث کو چھوڑ کر جب ہم اور پہلوؤن سے نگاہ ڈالتے ہین - تو معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی تنزل سے ہم یہ نتیجہ نہین نکال سکتے کہ خاص خاص جماعتون اور درجون مین یہ تنزل کسی خاص باعث سے ہوا ہو گا - بلکہ ہر درجہ، ہر جماعت مین مسلمانون کا تنزل ترقی پر نظر آتا ہے - اور اسکی کوئی وجہ سوائے تعلیمی ضرورتون سے بیخبری کے نہین نظر آتی - بیشک! ہمارے تنزل اور نکبت کی اصلی غایت یہ ہے - کہ تعلیمی ضرورتون سے

روز بروز چشم پوشی کرتے جاتے ہین - اور بجائے اس کے کہ ہم تعلیم کے فوائد اور ضرورتون سے واقف ہوکر قانون قدرت کے مطابق روز بروز ترقی پر نظر آئین - اور غفلت و جہالت مین گرفتار دکھائی دیتے ہین !

سنہ ۹۷ء مین تمام سکنڈری اسکولون مین طلبہ کی تعداد (۴۱۲۲۶) تھی - یہی تعداد گھٹ کر سنہ ۱۹۰۲ء مین (۳۰۸۳۱) رہگئی - پرائمری اسکولون مین (۲۶۲۳۲۹) مسلمان طلبہ تھے - مگر سنہ ۱۹۰۲ء مین صرف (۲۴۴۶۷۶۴) نظر آتے ہین - صرف پانچ سال مین یہ تنزل کس قدر ہمارے دلون کو صدمہ پہونچانے والا ہے ؟

پراونشل کانفرس اگر واقعی بنگال کے مسلمانون کی ترقی چاہتی ہے - تو کیا اسکا پہلا فرض یہ نہین ہے کہ وہ اس منحوس کمی اور تنزل پر توجہ کرے ؟ اور اس کے دفع کرنے کی کوشش کرے ؟ کیا پراونشل کانفرس کا فرض صرف یہی ہے کہ محمڈن یونیورسٹی کے مبارک وجود پر جس کی ضرورت کو تمام انڈیا کے دوراندیش اور افاضل نے متفقہ لفظون مین تسلیم کر لیا ہے) لمبی لمبی اسپیچین دے کر اس کی متفقہ ضرورت سے انکار کرے - اور اس کے وجود کو فضول اور مضر قرار دے ؟

مدارج کی ترقی کے لحاظ سے بھی اس پنجسالہ رپورٹ سے مسلمان طلبہ کی حالت بہت افسوس ناک معلوم ہوتی ہے - سنہ ۱۹۰۲ء مین پرائمری اسکولون کے طلبہ کی تعداد (۲۴۴۶۷۶۴) شمار کی گئی ہے - یہ تعداد سکنڈری تعلیم مین پہونچکر (۳۰۸۳۱) ہو گئی جس سے ظاہر ہے - کہ پرائمری کے درجہ سے سکنڈری تک صرف دس فیصدی طالبعلمون نے ترقی کی ہے - جب پرائمری سے سکنڈری تک ہماری ترقی کی یہ کیفیت ہے - تو اعلی تعلیم تک پہونچنے مین تو ہماری سست رفتاری اور اس سے زائد ہوگی - کیا ہماری یہ رفتار اور ترقی قابل ہزار شرم نہین ہے ؟ کیا اسی حالت پر ہم توقع کر سکتے ہین کہ کسی زمانے مین ہماری قوم اعلی درجہ کی تعلیم مین فایق نظر آئے گی ؟ اور اسی برتے پر ہم شور و غل کرتے ہین -

کہ گورنمنٹ سروس مین اور قومون کو ہم پر کیون ترجیح دی جاتی ہے؟ فی الحقیقت مسلمانان بنگال کی یہ تعلیمی رفتار سخت حیرت ناک ہے۔ اُن اسباب کے لحاظ سے جن کا ذکر ہم نے تمہید مین کیا ہے ہم متوقع تھے۔ کہ اور مقامات کی تعلیمی ترقی کے مقابلہ مین بنگال کے مسلمان امتیازی درجہ رکھتے ہونگے مگر مسلمانون کی یہ حالت ہماری امیدون کو کس قدر مایوس کرنے والی۔ اور ہمارے ارادون کو پست کرنے والی ہے؟

چنانچہ جب کالج تک ترقی پانے والے طلبہ کے شمار پر توجہ کرتے ہین تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرائمری سے سکینڈری تعلیم تک ہم جس قدر سست رفتار ثابت ہوئے ہین ویسے ہی کالجون کی اعلیٰ تعلیم کے میدان مین بھی ہماری سُستی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء مین مسلمان طلبہ کی تعداد تمام کالجون مین صرف (۴۰۱) تھی۔ یعنی پرائمری تعلیم کے (۲۴۴۶۷۴) طلبہ مین سے کالج تک صرف (۴۰۱) ترقی کرسکے!!! گویا سو طالبعلمون مین صرف دو طالبعلم کالج کی تعلیم مین شامل ہوے[1] ہم اپنے دوسرے سوال کے جواب مین بتائینگے۔ کہ اس تعداد کے مقابلہ مین ہندؤن کی تعداد کس قدر رپورٹ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ ہمارے لئے کس قدر خجالت اور ندامت کا باعث ہے!!

لیکن یہانتک جو کچھ ہم نے دکھلایا ہے۔ اس کا نتیجہ صرف اتنا ہے۔ کہ پرائمری۔ سکینڈری اسکولون اور کالجون مین مسلمان طلبہ کی تعداد اس پچھلے پنجسالہ زمانے مین اس قدر رہی۔ مگر سب سے زیادہ حسرتناک قصہ یہ ہے۔ کہ جب ہم یونیورسٹی کے پاس شدہ طلبہ کی تعداد کو (جس سے ہم اپنی تعلیم یافتہ جماعت کا اندازہ کرسکتے ہین) دیکھتے ہین۔ اور جسے دیکھکر ہین اپنے ہندو

---

[1] لیکن کالج تک کی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہین سمجھی جاسکتی۔ اصلی ترقی تعلیم" پروفیشنل کالجون کی تعلیم حاصل کرنی ہے۔ جہان مسلمان طلبہ کی تعداد اور اس سے زیادہ حسرتناک ہے سنہ ۱۹۰۲ء مین ان کالجون مین صرف (۹۳) طالبعلم شامل ہوے۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھکر ہم کو سوا ہائے وائے کرنے کے اور کچھ نہین آتا ہمارے تنزل کا مسئلہ کچھ آسان نہین ہے!!

ایڈیٹر

بھائیون کے آگے سر اٹھانے کی جرأت نہین ہو سکتی - کیونکہ کالج کی تعلیم مین - اگر (۴۰۹۱) طلبہ شامل ہو گئے - تو اس سے صرف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اتنی تعداد اس تعلیم کے لئے آمادہ ہو گئی - مگر درحقیقت وہ تعلیم کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوئی یا نہین ؟ اور تعلیم کے قابل بھی گئی یا نہین ؟ سو اس کا فیصلہ یونیورسٹی کے امتحان سے ہو سکتا ہے - جس سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین - ایک بڑی فاضل جماعت نے انہین معیار علم مین جانچ کر ڈگری کے قابل خیال کیا - اور انہین قابل تسلیم نہین کیا - اب دیکھئے ! کہ سنہ ۱۹۰۲ء مین مڈل کے امتحان مین کل (۵۰۵) مسلمان کامیاب ہوئے - اور انٹرنس مین (۲۰۷) اور ایف - اے کے امتحان مین (۴۷) یہ تو ایفنکنگ حال ہے - جس امتحان تک اعلیٰ تعلیم نہین سمجھی جا سکتی - اب آگے دیکھئے ! اس سنہ مین - بی - اے کے امتحان مین (۲۳) اور ایم - اے مین (۳) پاس ہوئے ! یعنی تمام بنگال مین ۲۶ گریجویٹ ہوئے لیکن اس امتحان مین کامیاب طلبہ کی کمی اس قدر ہم کو افسوس ناک حیرت مین مبتلا نہین کرتی - جس قدر یہ بات کہ ایف - اے - اور بی - اے - کے سوا مڈل اور انٹرنس کے امتحان مین مسلمان بجائے ترقی کے تعدادی تنزل کرتے رہے - سنہ ۱۸۹۶ء مین مڈل اور انٹرنس مین (۵۹۸) اور (۲۴۱) پاس ہوئے تھے - ترقی کی کیا امید کیجائے جب کہ سنہ ۱۹۰۲ء مین گھٹ کر - صرف (۵۰۵) اور (۲۰۷) کامیاب ہوئے !! ایف - اے اور بی - اے کے امتحان مین (۲۲) اور (۹) مسلمان طلبہ بہ نسبت سنہ ۱۸۹۶ء کے زیادہ نظر آتے ہین - مگر کیا تمام صوبہ بنگال مین یہ ترقی قابل افسوس نہین ہے - ؟ (باقی آئندہ)

بنگال یونیورسٹی کا ایک ایم - اے -

ہندوستان کی اقوام جرائم پیشہ

ہندوستان کی جرائم پیشہ اقوام "کی اصلاح کا ضروری سبجکٹ ایک عرصہ سے
خیرخواہان ملک کا بحث ہو رہا ہے کی اسی سبجکٹ کے متعلق ہمارے دلی دوست
مولوی سید شاہ حسین صاحب امروہوی یہ دلچسپ مضمون ارسال فرماتے ہین
جسمین انھون نے اس دشمن تمدن فرقہ کے مختلف حالات پیش کرکے اس
امر پر بحث کی ہے کہ وہ کون کون سے وسائل ہین جنکے اختیار کرنے سے ہم ان کی
اصلاح مین کامیاب ہو سکتے ہین۔ ایڈیٹر

ہندوستان کی مختلف نسلون کے باشندون مین سے محققان علم الرجال کے لئے شاید ہی کسی قوم کے حالات اس قدر دلچسپی کا باعث ہونگے جس قدر کہ ان اقوام کے جو خانہ بدوش اور جرائم پیشہ ہین۔ اس ملک مین ایسے بھی بہت سے فرقے ہین جو خانہ بدوش تو ہین۔ لیکن جرائم کا ارتکاب نہین کرتے مثلاً نٹ۔ بنجارے۔ اور کرناٹکی۔ نیز ایک وہ قوم ہین جو خانہ بدوش تو نہین لیکن اوقات مقررہ مین چوری اور لوٹ مار کی غرض سے سفر کیا کرتے ہین۔ پر وہ لوگ جن مین مذکورہ بالا باتون مین سے دونون خواص یعنی خانہ بدوشی وارتکاب جرائم موجود ہین مثلاً اضلاع متحدہ کے سانسئے اور ہبوڑے وعلی ہذا القیاس گونڈہ کے بروے۔ مظفرنگر کے بیرٹے اور دکن کے گونڈ بھیل اس وقت ہمارے زیر نظر ہین۔ امید ہے کہ ان کے حالات ناظرین کیلئے خالی از دلچسپی نہونگے۔

تواریخ ہند کے ماہرون سے یہ بات مخفی نہین ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندے وہی ہین جو آجکل پہاڑون کے دامنوں اور جنگلون مین خانہ بدوش رہتے ہین۔ اور جنھین قوم آریہ کے فاتحون نے (جو پنجاب کی طرف سے ہندوستان مین آئے تھے) ملک دکن کی طرف چلے جانے یا جنگلون مین گمنامی کی حالت مین خانہ بدوش رہنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بیچارے اس وقت

سے کچھ ایسے ننانوے کے پھیر مین آئے ہوئے ہین کہ باوجودیکہ آجکل ہماری مہربان گورنمنٹ نے ہر طرف تعلیم کی روشنی پھیلا دی ہے ہر قوم مذہب ملت کے لوگ اس سے مستفید ہوئے اور ہو رہے ہین۔ لیکن یہ اپنی قدیمی جہالت کے تاریک گڑھے مین پڑے ہین۔ اور جہالت سے جو نتائج مترتب ہوتے ہین ان کی یہ اقوام زندہ مثالین ہین۔ چونکہ یہ آوارہ گرد لوگ شہرون مین نہین بستے اس لئے اکثر شہری لوگ ان سے ناواقف ہوتے ہین لہذا ان کی واقفیت کے لئے ان کی کچھ عادات وخصائل بیان کئے جائین۔

یہ لوگ ہر ضلع کے افسران پولس وغیرہ کے لئے عقدہ لاینحل ثابت ہوئے ہین۔ زیادہ حیران کرنے والی یہ بات ہے کہ گورنمنٹ نے جس قدر کوششین وقتاً فوقتاً ان کے انسان بنانے اور ان سے بری عادات چھڑانے کے لئے کین وہ اکثر وبیشتر بے سود ثابت ہوئین۔ بلکہ نتیجہ برعکس ثابت ہوا۔ یعنی ان کے خصائل ذمیمہ مین بجائے انسداد کے اضافہ ہوگیا۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی	مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی

لیکن گورنمنٹ نظام نے باتباع گورنمنٹ جو طریقہ اس بارہ مین اختیار کیا وہ موثر ثابت ہوا ہے۔ بھیل لوگ (جو دکن کی جرائم پیشہ قوم ہین) کسی قدر انسانیت اختیار کر چلے ہین۔ گورنمنٹ مذکورہ کے حکام واحکام کی بھی وقعت ان کے دلون مین جاگزین ہوتی جاتی ہے۔ اور اپنے بچون کو تاکید حکام پولس گانون کے مدرسون مین بغرض حصول تعلیم بھیجدیتے ہین۔ ان لوگون کو دیہات مین دوامی گھر بنا کر رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اور دیہاتی چوکیدارون مین بھی بھرتی کئے جاتے ہین۔ جو فی نفسہ ایک عمدہ ترکیب ہے۔ پولس انھین سے ان کے جرائم پیشہ بھائیون اور ہم قومون کی گرفتاری مین مدد لیتی ہے۔ مگر قباحت ہے تو اتنی کہ ان کی تنخواہین ماہوار تقسیم نہین کی جاتین۔ بلکہ تین تین چار چار ماہ کے بعد دیجاتی ہین۔

اب رہین وہ اقوام جو برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ آباد ہین۔ گورنمنٹ نے اپنے مقدور بھر ان کی تکالیف سے اپنی رعایا کو بچانے کی کوشش کی اور کر رہی ہے۔ مگر ان کی روش مین ایسا

مین فرق آج تک نہین معلوم ہوا جو اس کوشش کا نتیجہ سمجھا جائے۔ بجائے اسکے کہ وہ اپنے قبیح طریقہ کسب معاش کو ترک کر دیتے اس مین ترقی کر رہے ہین۔ پہلے تو ہتھوڑے بیریے یا بھنوم معمولی چور یا اچکے ہی تھے۔ لیکن اب یہ لوگ جماعتون کی صورت مین دیہاتی آبادی کو سخت دھمکیان دینے لگے ہین۔

یہ لوگ کھلے میدانون مین رہتے ہین۔ لیکن ایسے مقام کو ترجیح دیتے ہین جہان جنگل اور جھاڑی بھی قریب ہی ہو۔ یہ سخت سے سخت تکلیف کی یا آسایش کی پروا نہین کرتے اور گذشتہ چند سال سے تو قانون ملکی کے خلاف ورزی کرنے کی ان کو بہت جرأت ہو گئی ہے۔ قبل اس سے کہ پولس کو نالایقی کا الزام دیا جائے۔ بہتر ہو گا کہ یکن نیا ٹ کہ ایک تھانہ دار اور اُس کے معدودہ آدمیون سے ان آوارہ گردون کے بھون ن ..شلہ کے حل کرنے کی کہانتک امید ہو سکتی ہے۔ ان بیچارون کو جن دقتون کا سامنا ہوتا ہے وہ کچھ کم نہین اور آسانی سے سمجھ مین آجاتی ہین۔ بیشتر اشخاص کو ہرگز تعجب نہ ہوگا اگر اہل پولس ایسے موقع پر ڈاگبیری کے اس عاقلانہ نصیحت پر عمل کرین جو اس نے اپنے رفیقون سے چورون کے بارہ مین کی تھی کہ اُسے چلا جانے دو اُس کی طرف دھیان نکرو اور پہرہ والون کو جمع کرلو اور خدا کا شکر کرو کہ تم ایک بدمعاش سے بچ گئے؛؛

ان لوگون کی گرفتاری یا انہین جرائم سے باز رکھنے مین جو جو صعوبتین پیش آتی ہین اُن کی یون اچھی طرح تشریح ہو جائیگی کہ ہم ایک بیریون کے جتھے کا بطور امتحان کے تعاقب کرین اور اس وقت دیکھین کہ یہ لوگ اپنی نا معقول طرح معاش کو مداخلت سے اور خود کو گرفتاری سے کس طرح بچا لیتے ہین۔

الفاظ ہتھوڑہ اور بیریا اور بیرسانسئے اور بھنٹو مترادف الفاظ ہین۔ لیکن ان قومون کے اطوار اور عادات مین کسی قدر فرق ضرور ہے۔ بیریا عموماً ایک تیرون سے بھرا ہوا ترکش ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھتا ہے۔ اس قوم کا ہر فرد قادر انداز ی مین کمال رکھتا ہے۔ اور

اور اگر بھاگتے پر مجبور ہو جائے تو ایسا تیز بھاگتا ہے کہ کوئی پیدل شخص اس تک نہین پہونچ سکتا۔ اگر کسی مقام پر یہ مقیم ہوان اور پولس والے بذات خود ان کو بے خبر سمجھکر پکڑنا چاہین تو ممکن نہین۔ کیونکہ انکا محکمۂ جاسوسی وخبر رسانی ایسا مکمل ہوتا ہے۔ کہ جب اہل پولس ان کے مقام پر پہونچتے ہین تو عورتون کے سوا مردون سے کسی کو نہین پاتے ہین۔ کیونکہ پولس کے ارادے سے وہ پہلے سے مطلع ہو جاتے ہین۔

کاشتکارون کی جو تباہی ہبوڑون اور بیریون کے جتھون کے ہاتھون ہوتی ہے۔ اس کا زمیندار موثر طور پر انسداد کر سکتے ہین بدینطور کہ انہین اتنا دق کرین کہ وہ کسی دوسرے حصہ ملک مین چلے جاوین۔ لیکن دوآب وسطی مین اکثر راجپوت زمیندار بیریون کے فرقۂ اناث سے (جو ملیح لیکن بداطوار ہوتی ہین) تعلقات ناجائز رکھتے ہین۔ اس کے معاوضے مین وہ عورتین زمیندارون سے اپنے مردِ رشتہ دارون کی حفاظت کراتی ہین۔ اور بیریے اس حفاظت کے صلہ مین اس زمیندار کے اناج کی کوٹھیان اُس کی رعیت کے یا بدقسمت پڑوسیون کے کھلیانون کے غلہ سے پُر رکھتے ہین۔

چاہے تھانہ دارون کے پاس ان بدمعاشون کے جتھون کے گرفتار کرنے کے لئے کافی طاقت بھی ہو۔ تاہم یہ ایک بڑا دشوار امر ہے کہ وہ ان کی فرودگاہ پر جاکر انہین بے خبری مین پکڑلین۔ عموماً گرفتار ہونے والے کی سمجھ گرفتار کرنے والے سے تیز اور باصواب ہوا کرتی ہے۔ اور خصوصاً یہ کمبخت تو اس غضب کے لوگ ہوتے ہین۔ کہ ادھر ذرا خطرے کا کھٹکا ہوا اور غائب۔ ان کی جھونپڑیان جو سرپاٹے گھاس کی بنی ہوئی ہوتی ہین کھلے میدانون مین گنجان جنگلون کے قریب نصب کی جاتی ہین۔ میدان مین اجنبی آدمی کو دیکھتے ہی یہ ہوشیار ہو جاتے ہین۔ اور کتون کی آواز تو ان کے لئے بیکن لائٹ (یعنی دشمن کی آمد سے مطلع کرنے والی روشنی) کا کام دیتی ہے۔ ضلع ایٹہ کے قصبہ نوح گڑھ کے قریب دو میل تک پھیلا ہوا ایک بڑا چٹیل میدان ہے۔ جہان موسم بارش مین ہبوڑے اور بیریے

اپنے فریقی تنازعات و دیگر امور کی یکسوئی کے لئے جمع ہوتے ہین - ایسے موقع پر انہین گرفتار کرنے کے لئے ایک پورے رسالے اور نہایت مخفی و صائب تدبیر کی ضرورت ہے - اس وقت یہ ناخدا ترس جماعت (کیونکہ ان مین سے دونون کے لئے یہ لقب موزون ہے) کئی سو آدمی کی ہو جاتی ہے - یہ لوگ وہان الگ الگ فرودگاہون مین ایک پختہ کنوئین کے اطراف مین اترتے ہین - اس کنوئے کی نسبت وہ فخریہ بیان کرتے ہین کہ چالیس سال گذرے جب توع کھیڑا ضلع متھرا مین شامل تھا اس وقت مین ایک مسلمان پولس انسپکٹر نے اسے تعمیر کرایا تھا - فی الحقیقت افسر مذکور نے یہ مہربانی ایک دلکش بیرنی کے دام محبت مین پھنسکر کی تھی - اس جگہ ان ہوشیار مجرمون کی فرودگاہ پر حملہ کرنے کی دقت کی ایک تمثیل دی جاتی ہے - جو اخبار پایونیر مین ایک ایسے افسر نے جو اس موقع پر موجود تھے شایع کرائی ہے - چند سال گذرے کہ توع کھیڑہ کے مجمع کے متفرق ہو جانے کے بعد چند بیریون نے اس اطراف کے لوگون کو بہت دق کرنا شروع کیا - افسران پولس نے ان کے پکڑنے کی تدبیر کی اخفا مین بہت احتیاط سے کام لیا اور آدھی رات گذر جانے تک اُن کی فرودگاہ کی طرف نہ روانہ ہوئے - اس کے بعد بھی روانہ ہو کر اس مقام مین جہان ان کے موجود ہونے کی خبر ملی تھی - ایک میل کے فاصلہ پر پہونچکر ٹھہر گئے - اور صبح کاذب سے ذرا پہلے ان کے موقع کی طرف روانہ ہوئے - سرکاری سوارون پیادون اور راجہ صاحب آوا کے ملازمون کے ہونے کے باوجود اور باوصف اس کے کہ بیرئے اپنے ان دشمنون کی آمد سے اس وقت تک بالکل آگاہ نہوئے تھے - جب تک کہ اس جماعت مین اور ان کی قیامگاہ مین سو گز کا تفاوت رہا - تاہم بیس مردون مین سے صرف سات ہی پکڑے گئے اور باقی سب قریب کے جنگل مین حیرت انگیز چستی سے بھاگ گئے - جن لوگون نے اطراف مین بھاگنے کی کوشش کی لیکن سوارون نے انہین روک دیا - وہ اس تیزی سے درختون پر چڑھ گئے کہ کوئی شخص اُن کی برابری کی امید نہین کر سکتا جب گرفتار شدہ جمع کئے گئے - اور اُن کے جھونپڑون کی تلاشی کی اس وقت ایک ہوشیار

کانسٹبل نے ایک جوان بیرئے کو جو عورتون کا بھیس بدلکر عورتون کے زمرہ مین شامل ہوگیا تھا پکڑ لیا۔ وجہ شناخت یہ ہوئی کہ اس بیرئے کی ایک بے خودی کی حرکت سے اُس کے چہرے کا حصۂ زیرین کھل گیا۔ جس کی اس کو تو خبر نہ ہوئی۔ لیکن کانسٹبل نے دیکھ پایا۔

پولس کو اتنا موقع مل جانے پر بھی جب نتیجہ ایسا خراب ہو تو کچھ عجب نہین اگر سال بھر کے گرفتار شدہ جتھون کی تعداد بہت ہی کم ہو۔ ایک اور تصفیہ طلب امر یہ ہے کہ کونسی تدبیرین ہین جنکے ذریعہ سے ان لوگون کی یہ عادتین ترک کرائی جائین؟ ان لوگون کو اصلاح طلب نوآبادی کی صورت مین رکھکر امتحان کیا گیا۔ لیکن بے سود ثابت ہوا۔ جیلخانہ بھی ایسے لوگون پر بہت کم اثر کرتا ہے۔ جو جائز طریقون سے اوقات بسر کرنے کو ذلت کی نگاہ سے دیکھین اور جنھون نے مفت کے مال سے پرورش پانا اپنا اہم فرض بلکہ مقصد حیات سمجھ لیا ہو۔ قید سے رہا ہوتے ہی بیریا فوراً نگرانی کی حد سے باہر ہوجاتا ہے۔ اس کا پتہ تو اسی ضلع کا رہتا ہے جہان وہ گرفتار ہوا تھا۔ لیکن محبس سے نکلتے ہی وہ اُس مقام کے قریب ترین جتھے مین شامل ہوجاتا ہے۔ اور پھر ایک خانہ بدوش مجرم کا جامہ پہن لیتا ہے۔ یہ لوگ نہ تو کسی خاص حصۂ ملک مین اپنی شرارتین محدود رکھتے ہین اور نہ اپنے ان صوبہ جات کو چھوڑ کر دور کے میدانون میں غارت کا بازار گرم کرتے ہیں۔ اب چند سال سے مذکورہ بالا چارون فرقے صلح پسند عوام کے پہلے کی نسبت بہت خوفناک دشمن ہو گئے ہین اُنھون نے غلہ اور دوسرے پیداوارون کے چرانے کا معمولی جرم ترک کر دیا ہے۔ اور ڈکیتی اور قطاع الطریقی کی چاٹ پر لگ گئے ہین۔ شریر خانہ بدوشون سے بدلکر وہ رہزن اور ڈکیت ہو چلے ہین۔ اب ان کے استیصال کا مسئلہ فوری توجہ کا محتاج ہے۔

یہ بات بھی تبلانا ضروری ہے۔ کہ کچھ بھورئے اور سانسئے کبھی کبھی دوامی طور پر بھی دیہات مین سکونت پذیر ہو جاتے ہین۔ اور اہل پولس ایسے قرب جوار کے جرمون کا جن کے

مجرمون کا پتہ نہین لگتا ان کو مجرم بنا لیتے ہین ۔ لیکن واقعات ثابت کرتے ہین کہ ایسے گانون مین اکثر بسنے والے زیادہ تر اپنے ان خصائل ذمیمہ کو چھوڑ دیتے ہین ۔ گذشتہ سال ہی سہارنپور کے ایک مشنری صاحب نے اپنے مریدون کے زمرہ مین ضلع مذکور کے جنوبی حصہ کے چند سانسیون کو داخل کر کے خوب لطف اٹھائے ۔ امید ہے کہ ہمدردان ملک ان جرائم پیشہ اقوام کی اصلاح کی کوئی معقول تدبیر بتلا کر گورنمنٹ اور اہل ملک دونون کو ممنون کرینگے ۔

سید شاہد حسین اثیم امروہوی

قدیم فن عمارت کے دنیا مین پانچ دور

پہلا دور سنہ ۱۵۲۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور سنہ ۱۲۳۳ قبل مسیح کو ختم ہوتا ہے یہ زمانہ شام ۔ بابل ۔ کالڈیا کا تاریخی زمانہ ہے اس دور مین مصر کی مشہور عمارتین ۔ اور بابل کالڈیا کے عجیب غریب محل اور باغ تیار ہوئے ۔

دوسرا دور سنہ ۱۲۹۰ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۵۳۰ ق م کو ختم ہوتا ہے ۔ یہی وہ تاریخی سال ہے جبکہ سیرس شاہ ایران نے بابل کو تباہ کیا ۔ اور بابل کا دور ختم ہوا ۔ یونان ۔ ایران ۔ چین وغیرہ مین عمارات کا سلسلہ شروع ہوا ۔

تیسرا دور سنہ ۵۳۰ ق م سے سنہ ۳۳۳ ق م تک شمار ہوتا ہے ۔ فارس کے عروج اور اسکندر کے خروج کا یہی زمانہ ہے ۔

چوتھا دور سنہ ۳۳۳ ق م سے سنہ ۳۲۸ عیسوی تک قائم رہا ۔ یہ زمانہ یونان اور روم کی ترقی کا تھا ۔ روم مین عالیشان قصر تیار ہوئے ۔ تمام یونان اور روم مین عمارات کا سلسلہ پھیل گیا ۔

پانچوان دور سنہ ۳۲۸ء سے اسلام تک تسلیم کیا گیا ہے ۔ جو تمام سلطنتون کے تنزل کا زمانہ تھا ۔

ان پانچ دورون کے بعد ایک دور عربون کی ترقی کا زمانہ ہے ۔ جس مین فن عمارت نے بے مثل عروج پایا تھا ۔

السعادۃ والعلم

ترجمہ از عربی

کون سے علوم انسان کی زیادہ شادمانی کا باعث ہوتے ہین ؟

یہی ایک ایسا سوال ہے جو لوگون کو چاہیئے کہ ہر زمانے مین اور ہر جگہ کیا کرین۔ اس لئے کہ اس دنیاوی زندگی مین انسان کے لئے شادمانی سے بڑھکر اور کون سا فائدہ ہے جو اُس کو تحصیل علم سے حاصل ہو سکتا ہے ؟ اگر علم، باوجود اُن زحمتون اور صعوبتون کے، جو انسان شب و روز اُس کے حاصل کرنے مین برداشت کرتا ہے، اُس کی راحت و اطمینان اور بہبود و شادمانی کا موجب نہ ہو؛ تو لوگون کو لازم ہے کہ اُس کو خیرباد کہین اور کبھی اُس کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھین، بلکہ اپنی غایت تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ ڈھونڈھ نکالین۔

جب دنیاوی لذت اور شادمانی کا انحصار جہلا اور مجانین پر ہو، تو ایسی جہالت کے صدقے جایئے اور ایسے جنون کے قربان ہو جیئے! اگر عالم کے جد و جہد، زحمتون اور تکلیفون کی برداشت، شبہاے دراز کی بیداری، اور اپنی زندگی عسرت اور کلفت کے ساتھ بسر کرنے کا یہی نتیجہ ہو کہ جاہلون کے آرام اور مالدارون کی شادمانی مین زیادتی ہو؛ تو لوگون کو اس کے سوا کوئی چارہ نہین، کہ تمام علوم و فنون سے دست بردار ہو کر ابو فراس کے ہمزبان ہو کر یہ شعر پڑھنے لگین۔

جب ہم دنیا سے چلتے دم پانی کی اک بوند کو ترسے
ابر تر سے جاکر کہدو پھر وہ کبھی دنیا مین برسے

زندگی کی مثال میدان کارزار اور موقع جنگ و پیکار کی ہے؟ اس مین اپنے

مدعا کو وہی پہونچتا ہے جو بہادر اور شجاع ہو، اور ایسے زرہ اور بکتر پہنے ہوئے ہو، جو اُسے صدمون سے بچائین، دشمنون کے داؤن سے محفوظ رکھین اور اُس کے لئے ظفرمندی اور کامرانی کا راستہ صاف کردین: پوری شادمانی اسی مین ہے، نہ کہ میدان جنگ سے منہ پھیر کر خائب و نامراد واپس آنے مین۔ اور اس زندگی کے میدان مین ایک عاقل نبرد آزما کا ہتھیار ایسے علم کا جاننا ہے جو اُس کو ہر موقع اور ہر حالت مین نفع پہونچائے، نہ کہ بق بق زق زق اور ذرا سی بات مین تو تو۔ مین مین کرنے، اور اِس کے قول کی تائید اور اُس کے کلام کی تردید کرنے مین وقت عزیز کا برباد کر دینا۔

ہم سے پہلے اہل مغرب نے یہ حقیقت دریافت کی، اور ایسے علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، جو انسان کو دلیر اور بیباک طبیعت کی فوجون کے مقابلے کے لئے آمادہ کر سکین؛ اور بہتیرے مواقع پر انھون نے اُن پر فتح پائی اور انھین برباد و پامال کیا، سمندرون مین جہازرانی کی، بخار (اسٹیم) کو اپنے قبضے مین کر لیا، بیابان اور بڑے میدان بات کی بات مین طے کر ڈالے، معادن سے خزانے نکالے اور اُن کو اپنی بہبود مین صرف کیا اپنی زندگی کی ہر ایک راہ مین علم کو راہبر قرار دیا، تمام عالم کو لوگون کے سامنے ایک کتاب کی طرح کھول کر رکھدیا، کہ وہ اُسے پڑھین، اُس کے پوشیدہ رموز سے واقف اور اُس کے معانی سمجھنے پر قادر ہون؛ چیچک، ہیضہ، طاعون وغیرہ صعب اور وبائی امراض کی لوٹ مار سے علم کو بچالیا؛ مہلک بیماریون کو جنھون نے بہتیرے زمانون مین لوگون سے مقابلہ کر کے اُن کی گردنین نیچی کر دی تھین، نیچا دکھایا اور اُن کی جماعتون کو کم کر دیا؛ قحط کے اسباب کا قلع قمع کر ڈالا، پانی کو اُس کے چشمے سے لے جا کر اُن جگہون تک پہنچایا جہان لوگ اُس سے منتفع ہو سکین؛ اور اِس طور سے بزرگی اور فضیلت کے فلک ہفتم تک ترقی کر گئے۔ یہ سب کیونکر ہوا؟

اسی علم نافع کی بدولت جس پر آدمی کی زندگانی اور اُس کی شادمانی کا مدار ہے۔ یہ باتین لسانیون اور چرب زبانیون سے حاصل نہین ہوتین، جن مین ہماری عمرین ضائع ہو جائین، ہمارے قوی خراب ہو جائین؛ اور ہم تیلی کے بیل کی طرح پھر کر منزل مقصود تک پہونچے بغیر اُسی جگہ آموجود ہون جہان سے پہلے چلے تھے۔

ہم پہلے کہ چکے ہین کہ ارسطو نے انسان کی زندگی مین اُس کی شادمانی کا سب سے بڑا ذریعہ صحت بدن اور اعتدال مزاج کو بتایا ہے؛ یہ ایک ایسی رائے ہے جس پر کسی کو اعتراض نہین ہو سکتا۔ اس بات کو وضاحت کے ساتھ ذہن نشین کرانے کے لئے، کہ شادمانی صحت جسمانی کے ساتھ مربوط ہے، نہ مال وجاہ کے ساتھ؛ ہمین چاہئے کہ ایک مثال بیان کرین۔ اگر تم کسی مریض کو کہو کہ "چلو ہم تمھین ایسی جگہ لے چلتے ہین، جہان دسترخوان پر ایسے ایسے الوان نعمت چنے ہوئے ہین جو باشاہون کو بھی نصیب نہین" تو وہ یہی کہیگا، کہ "مین تو بیمار ہون؛ مجھے میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے، مجھے نہ کسی کھانے مین مزہ ملتا ہے نہ کسی شربت مین لذت؛ میری طبیعت ان چیزون مین سے کسی کی طرف بھی راغب نہین"

جب ہو کسی مریض کا ذائقۂ دہن خراب
خاک خوش آئیگی اُسے گرچہ ہو خلد کی شراب

اگر تم اُسے کہو کہ "چلو، سیر گلزار سے جی بہلائین، سبزہ زار کی لہلہاہٹ اور چشمون کی روانی سے آنکھون کو تازگی بخشین، پری جمالون کا نظارہ کرین، اور قدرت کی بہار دیکھین" تو وہ یہی جواب دیگا۔ کہ "بس، مجھے ان باتون سے معاف رکھو، مجھے کوئی چیز نہین بھاتی، اور سیر و تماشا سے میرا دل نہین بہلتا" اور اگر تم اُسے کہو۔ کہ چلو، مین تمھین دولت وحشمت سے مالا مال کرون، اور زر و جواہر کے ڈھیر کا تمھین مالک بنادون" تو اُس کے جواب مین وہ یہی کہیگا، کہ "مجھے ان چیزون

سے کیا نفع اور کیا فائدہ ہوگا؟ مین تو بیمار ہون"۔ حتی کہ اگر تم اُس سے کہو۔ کہ "پہلو مین تمھین تخت سلطنت پر بٹھادون؛ تمام خلق اللہ تمھاری غلامی مین ہوگی، تمھاری بات کا کوئی کاٹنے والا نہ ہوگا، اور نہ کسی کی مجال ہوگی کہ تمھارے کسی حکم پر چون و چرا کر سکے"۔ تو اس کا وہ یہی جواب دیگا، کہ "مجھے چھوڑو بھی؛ مجھے تو اپنے خادم کی حالت پر رشک آتا ہے: دیکھو تو، وہ کیسا ہٹا کٹا چاق چوبند ہے، اور محنت و مشقت کے بعد کس مزے سے نغمے پر نغمے اُڑاتا ہے"۔ یہ ایسی باتین ہین، جنھین ہر ایک مریض محسوس کرتا، اور اُن کو اپنے دل سے زبان پر لاتا ہے۔ پھر ایسی چیزین، جو دنیاوی عیش و آرام کے عمدہ ترین لوازم مین سے شمار کی جاتی ہین، مریض کی نظر مین کیون پوچ اور لچر معلوم ہوتی ہین؟ اس لئے معلوم ہوتی ہین، کہ اُس کا دل ٹھکانے نہین ہے، اُس کے حواس پراگندہ ہین؛ اُس کو صحت کے بغیر کوئی چیز خوش نہین آتی؛ اُس کے نزدیک بادشاہون کے تاجون سے صحت کہین بڑھکر ہے۔

اب اس کے بعد ہمین اس بات کے کہنے کی حاجت نہین ہے، کہ دنیاوی زندگانی مین شادمانی کا عمدہ ترین ذریعہ وہی علوم ہین، جو بدن انسانی کی تقویت مین مدد دین، اور اُس کو اس لایق بنائین، کہ وہ ہجوم کرنے والی بیماریون کے لشکر سے مقابلہ کرے۔ اس خصوص مین جو کچھ مشہور انگلش فلاسفر ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب "ایجوکیشن" کی اُس فصل مین بیان کیا ہے، جس کا عنوان ہے: "کون سا علم سب علوم سے گران بہا ہے؟ اُس سے بڑھکر اب تک کسی نے نہین لکھا۔

جب کہ اُس فلاسفر کا یہی بیان اُس سوال کا جواب ہے جس کا ذکر مین نے اس رسالے کی ابتدا مین کیا ہے، تو مین سمجھتا ہون کہ اُس کا خلاصہ ناظرین کے لئے اس مادّے مین قول فیصل ہوگا۔ فلاسفر مذکور کا خیال ہے، کہ انسان

بالطبع زینت اور آراستگی کا دلدادہ ہے، اس لئے کہ وہ مفید اور نفع بخش چیزون کو توچھوڑ دیتا ہے، اور بیہودہ ملمع کاریون کی طرف جھک پڑتا ہے۔ پس جس طرح ایک وحشی زنگی اپنے جسم کو رنگ کر اور مالے اور پوت کے ہار پہننے اور اس طرح اپنے بدن کی آرایش مین مصروف رہتا ہے اور موسم گرما کی گرمی اور سرما کی سردی سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے جسم کو نہین ڈھکتا، اسی طرح ہم، باوجو مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کے، لباسون کے مفید اور کارآمد ہونے کا خیال نہین کرتے، بلکہ اُن کی خوشنمائی، باریکی، اور خوشرنگی پر نظر کرتے ہین، اور اسی طرح اپنی تربیت اور تحصیل علم مین اپنی عمرین مہمل نو چیزون کے حاصل کرنے مین، جو ہمین اُس قدر فائدہ نہین پہونچاتی ہین جتنا اور چیزین، اگر ہم اُن کی طرف توجہ کرتے تو پہنچا سکین، ضایع اور برباد کر دیتے ہین۔ پھر اُس نے لکھا ہے، کہ انسان کو علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوتے وقت لازم ہے، کہ وہ اُس ترتیب اور سلسلے کا لحاظ رکھے، جو اُس کی زندگی مین کارآمد ہوگا۔۔ اور وہ ترتیب یہ ہے:۔

(۱) وہ علوم، جو زندگی کی حفاظت کرین اور اُس کو بیماریون سے بچائین؛

(۲) وہ علوم، جو زندگی کی حفاظت کرین، اور ساتھ ہی اسباب معیشت کا سامان کرین؛

(۳) وہ علوم، جو بچون کی تربیت اور خبرگیری کے طریقے سکھائین؛

(۴) وہ علوم، جو مرد کو اس لایق بنائین، کہ وہ سوسائٹی کا ایک کارآمد عضو ہو، اور اُس کی ترقی مین ساعی ہو، اور اُس کو ایسی خوش سلیقگی کے ساتھ ترتیب دے۔ کہ وہ اپنی زندگی شادمانی کے ساتھ بسر کر سکے؛

(۵) وہ علوم، جو انسان کی بہبود و فلاح کو بڑھائین، جس سے وہ اپنی زندگی فراغت کے ساتھ گذارسکے اور اُس سے حظ وافر حاصل کر سکے۔

پس قسم اول و دوم وسوم علوم طبیعی اور اُسی قسم کے دوسرے علوم کی محتاج

ہین؛ اور ان مین علم طبیعات و کمسٹری و علم حیوانات و نباتات و علم وظائف جسمانی و قانون صحت شامل ہین - اس لئے کہ انسان کے لئے ممکن نہین ہے کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت کرے، اور اُس کو اُن بیماریون سے بچاسکے، جو حیات کو کم کرتی، اور اُس کو شادمانی سے دور رکھتی ہین؛ مگر اُسی صورت مین، کہ وہ علوم سابق الذکر سے واقفیت رکھتا ہو، یا کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ سرسری طور پر اُن کے اصول کو جانتا ہو - اور یہ بھی ممکن نہین، کہ وہ میدان حیات مین اپنے قدم جمائے رکھے، اور اسباب معیشت کی طرف اپنا ذہن منتقل کرے، اور اُس سے حظ وافر حاصل کرے؛ مگر ہان، اُس صورت مین، کہ وہ صحیح الجسم اور قوی الجثہ ہو - اور یہ بات تو ظاہر ہے، کہ عقل مدبر کے رہنے کی جگہ جسم صحیح و تندرست کے سوا اور کوئی نہین؛ اور انسان ان طریقون سے، کہ کیونکر بچون کی تربیت کرے، کیونکر اُنھین بیماریون سے محفوظ رکھے، اور اُن کی نشو و نما اور ترقی مین اُن کی کیونکر مدد کرے، بغیر علوم مذکورہ کے واقف ہو نہین سکتا؛ بلکہ اُن کے بغیر بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو زندگانی سے متمتع ہوتے ہون -

بہتیرے آدمی ایسے ہوتے ہین، جن کی زندگانی پر ابر ظلمت چھایا رہتا ہے، اور اُن کے دلون مین غبار تکدر بھرا رہتا ہے؛ جس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے؛ کہ اُنھون نے، علوم طب جیسی مبسوط شے سے جاہل مطلق رہنے کی بدولت، اپنی صحت کی حفاظت مین ایک ذراسی چوک کی تھی زمانے کے شاید ہی کوئی لمحے ایسے گذرتے ہون، جن مین انسان اصول طب مین سے کچھ ایسی چیز حاصل کرتا ہو، جو اُس کی زندگی کی حفاظت کرے، یا اُس کو ایسی لاعلاج بیماریون سے بچائے، جو اُس کو تمام زندگی کی لذتون سے محروم کر دیتی ہین؛ یا اُس کو اُس کی عزیز ترین اولاد یا احباب کی بقائے حیات سے خوش اور متمتع کرے - ہماری حالت تو بقول اسپنسر کے

ایسی ہے، کہ ہم ایک ایسے عالم مین زندگی بسر کرتے ہین، جس کا سارا دار و مدار علوم طبیعی پر ہے، جب گھر مین بیٹھے ہوتے ہین، تا کہ ہم وباؤن کے مضرات سے محفوظ رہین، یا جہازون اور ریل گاڑیون پر سوار ہو کر اطراف و اکناف عالم کی سیر کرتے پھرتے ہین، بلکہ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہین، تو اپنے لباسون، خور و نوش کی چیزون، خوابگاہون کارخانون، حتی کہ جائے ضرور مین بھی علوم طبیعی کے جلوے کی کوئی نہ کوئی جھلک ضرور پاتے ہین۔

باوجود ان باتون کے ہماری حالت یہ ہے، کہ ہم ان علوم کی طرف مطلق توجہ نہین کرتے، اور اپنے دنون اور برسون کو نکات نحوی یا عبارت مسجع کے حل کرنے، یا ایسے اسرار پر بحث کرنے مین جن کو ہماری عقل درک نہ کر سکے، اور ایسی حکمت کی باتون پر عقل لڑانے مین، جن کی تحقیق پر ہم قادر نہ ہو سکین، (مثلاً انسان مجبور پیدا کیا گیا ہے، یا آزاد و خود مختار؟) گزار دیتے ہین، گو فت اٹھاتے ہین، لیکن اس سے زندگی مین رتی برابر فائدہ نہین پاتے! اور آخر کار یہ کہنے لگتے ہین، کہ علم سے رنج و کلفت کے سوا کوئی فائدہ نہین! جو جس قدر دانائی کی باتون سے بے بہرہ ہوگا اسی قدر وہ رنج و فکر سے بری ہوگا، اور اسی قسم کی دوسری بیہودہ باتین۔

ذرا علما کی اولاد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو، تو تمھین معلوم ہوگا، کہ ان مین نوے فیصدی یا تو کمزور، لاغر، اور سست مزاج ہو گئے، اور یا شریر، پاجی، اور جاہل۔ یہ کیون ہے؟ اس لئے کہ ان کے والدین نے ان کی خبر نہ لی، اور یہ نہ سمجھا کہ ان کی تربیت کا کون سا طریقہ اختیار کرین! حتی کہ ہم لوگ بطور ضرب المثل کے کہنے لگے ہین! کہ "آگ اپنے پیچھے راکھ چھوڑ دیتی ہے"!

سبحان اللہ! طبیبون کی زندگی کس شادمانی کے ساتھ بسر ہوتی ہے! بنی نوع انسان کو ان سے کس قدر نفع پہونچتا ہے! ہر زمانے مین لوگون کی حاجتین ان

سے کس قدر وابستہ ہوتی ہے! مہندسین اور صناع لوگون کو کس قدر فائدہ پہنچاتے ہین! اور لوگ اُن کی تحقیقات اور کارروائیون کے کس قدر محتاج ہین! اور لوگون کو ایسے کلام کی کس قدر کم ضرورت ہے، جس سے کلام یعنی قیل و قال کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے!

ہان! اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے، کہ انسان کو علوم ادب کا حاصل کرنا کچھ ضرور نہین، اور وہ علوم دین وغیرہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ نہین! بلکہ اگر آدمی اُن علوم کی طرف جو اُس کی زندگی مین اُسے نفع پہنچائینگے، تھوڑی واقفیت حاصل کرلے، اور پھر اُن علوم و معارف کی تحصیل پر کلیۃً مصروف ہو جائے، جن کی طرف اُس کی طبیعت کو میلان ہو، تو اس مین اُس کا کیا نقصان ہوگا؟ اب ہم وضاحت اور صراحت کے ساتھ کہتے ہین، کہ انسان کو لازم یہ ہے، کہ تمام علوم پر ایک سرسری نظر ڈالے! لایق و فائق وہی شخص سمجھا جائیگا، جس کو ہر ایک فن مین کچھ نہ کچھ دستگاہ ضرور ہو۔

محمد یوسف جعفری رنجور

(چیف مولوی بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ)

اصلاح معاشرت

حقوق نسوان

نمبر ۲

شادی خانہ آبادی

مذہبی و ملی اصول پر ایک بسیط نظر ڈالنے سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ شادی بہت سے برے نتائج کو روکنے والی اور افعال قبیحہ سے باز رکھنے والی چیز ہے جس کے ساتھ خانہ آبادی کا مبارک لفظ بھی صادق آتا ہے۔ اور جو چند روزہ زندگی قابل عیش اور خوش گوار بنانے کے علاوہ سلسلۂ نسل کی صورت مین ایک خاندان کی یادگار نسلاً بعد نسلٍ چھوڑنے کا ذریعہ اور تمدن کا ایک ضروری جزو ہے۔ مگر افسوس کہ شادی کا مسئلہ جیسا کچھ کہ ضروری ہے ویسا ہی عملاً اوس کا مفہوم ایسا اُلٹا سمجھا گیا ہے جس کو اُس کے اصول سے بہت ہی بعد اور دوری ہو گئی ہے۔

سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ زن و شوہر کی رضامندی و پسندیدگی اُن کے والدین اور سرپرستون نے اپنی رائے پر منحصر رکھی ہے۔ جس کا خمیازہ اخیر مین وہ خود اٹھاتے ہین۔ یعنی واقعات پر نظر ڈالنے سے صدہا ایسی مثالین ملتی ہین کہ بلا رضامندی کی شادیون مین آپس کی نااتفاقیون کی بدولت خود ہی لڑکے اور لڑکیان کھلے پردے اپنے والدین کو برا کہتی ہین۔ گو گذشتہ صدی مین یہ رسم ایسی مقبول ہو کہ زن و شو ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت مین پوری ہمدردی کا ثبوت دیتے ہون مگر اب موجودہ زمانے کے لحاظ سے تو اُسی اگلی لکیر کو پیٹے جانا بالکل دور از عقل معلوم ہوتا ہے۔ میری رائے مین اس کی اصلاح اس طرح پر ہونی چاہیے کہ پہلے درپردہ دونون کی رضامندی اور استمزاج

کسی طرح اون کے ہم عمرون کے ذریعہ معلوم کر لیا جایا کرے کہ اس مین والدین بھی بری الذمہ ہوجاینگے اور یہ بھی اپنے کئے کا پاس و لحاظ رکھکر ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرین گے ۔

دوسری بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ خاص کر مسلمانون مین گویا وہ شادی ہی مبارک نہین سمجھی جاتی کہ جس مین فضول رسمون کے لئے دو چار ہزار قرض نہو۔ بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ مثل دیگر رسومات کے قرض لینا بھی رسوم مین داخل ہوگیا ہے۔ حالانکہ ہمارے پاک مذہب اسلام نے تمام اسلامی دنیا مین ہر امر کے لئے رسوم کے وہی قاعدے مقرر کئے ہین کہ جن کے اصول کفایت شعاری۔ دیانتداری۔ عجز او انکسار کے مطابق ہین۔ جس سے اہل اسلام کے کسی فرقہ کو بھی انکار نہین ہوسکتا۔ مگر برعکس بعض ناعاقبت اندیش جاہل واجبات سے بھی بڑھکر اس کو ایسا ضروری سمجھتے ہین کہ اگر کچھ پاس نہین ہے تو اپنا مکان سکونت ہی بغیر کسی قسم کی دور اندیشی کے رہن کر دیتے اور سارا روپیہ فضولیات مین اڑاکر گھر پھونک تماشا دیکھنے کے مصداق بنتے ہین۔ اور جو دولتمند اپنے نزدیک بہت غور وخوض سے اس مین کام لیتے ہین وہ بھی قابل نفرین ہین کیون کہ جب یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ اعلیٰ فرقون کی افراد کے جملہ افعال حسن و قبح کا اثر درجہ بدرجہ متوسط اور ادنے افراد پر پڑتا ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دولتمند ہی لوگ کم مایہ اور تھوڑی پونجی والون کی خرابی و بربادی کا باعث ہوتے ہین! جیسا کہ مشہور ہے کہ "خربزہ کو دیکھکر خربزہ بھی رنگ پکڑتا ہے" اور ٹھیک بھی ہے۔ کیون کہ ہر رسم کی بنیاد انسان کی اندرونی تحریک کا باعث ہوتی ہے کہ جو اُس کی طبیعت کا نیچرل (قدرتی) خاصہ ہے۔

ہم کو اُن دولتمند گروہ کی پژمردہ حالت پر نہایت افسوس اور رحم

آتا ہے۔ کہ جو منگنی کے بعد شادی کے قبل ہی سے اپنی پیاری انجان بیویون پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہین اور اصل و سود مین اپنی ساری راحت و آرام کی زندگی کو بے سود اپنے ہاتھون کھو کر بر عکس خانہ بربادی کے مصداق بنتے ہین اور یہ قسم کی بے انتہا تکلیفین اور ذلتین اُٹھا کر شادی کے بعد کیسی تلخ زندگی اپنے ناموس کے ساتھ کاٹتے ہین۔ جس کے برے نتائج جو اظہر من الشمس ہو رہے ہین کون نہین جانتا کہ جب جائداد مین بھی مہاجنون کے نذر ہو چکتی ہین تو آخر مین اساس البیت کی باری آتی ہے اور اُس کے ساتھ ہی بیچاری نیک بخت بی بی کے زیورون پر اُن کی نظر دوڑنے لگتی ہے۔ اور یہ آج ایک زیور اُس کے گلے کا اُتار لے گئے۔ کل ہاتھ کا۔ پرسون پیر سے۔ غرض کہ باری باری زیور کی طرف سے بھی اُس کی آس توڑ دی گئی اور جو کہین اس اثناء مین مستزاد کی نوبت پہونچی تو وہی کریلے والی مثل ہو جاتی ہے کہ ایک تو کڑوا اوپر سے نیم چڑھا۔

اگر خوش قسمتی سے لڑکی بھی امیر گھرانے کی ہے۔ تو اول والدین ہی اپنی قدرتی محبت کی وجہ سے اُس کی کفالت اور اُن کی دستگیری کرتے ہین۔ دوسرے اُن کو خود بھی بذات خاص خانہ دامادی کا تمغہ پہننے کے لئے کب فخر نہین ہوتا بلکہ بس چلے تو اپنی گذشتہ تکلیفون کی مطلق پروا نہ کر کے جس برتن مین کھاتے ہین۔ اُسی مین چھید کرین اور اپنے ساس سسرے پر بھی فاتحہ خیر پڑھنے کو تیار ہو جائین تاکہ بیچاری مصیبت کی ماری بیوی کی جائداد پر کسی طرح قبضہ پاتے ہی اُس کو بھی تحس نحس کر دین۔ اور جن کو ایسا موقع ہاتھ آگیا ہے۔ اُنھون نے اُس کو بھی لیپ پوت کر برابر کر دینے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ اور یہان تک نوبت پہونچی ہے کہ بال بچون کو چھوڑ کر خانہ بدوش آوارہ و سرگردان دوسرے مقامون مین مارے مارے اور دریوزہ گری کرتے پھرتے ہین۔ واقعی اُس وقت مان بھی ایک ایسی

چیز ہوتی ہے جو ہزارون تکلیفین جھیل کر اور ہر طرح کے مصائب برداشت کر کے مختلف کاروبار سلائی وغیرہ کے ذریعہ سے اپنے بے زبان معصوم بچون کو پالتی اور پرورش کرتی ہے۔ کون نہین جانتا کہ یہ کوئی سنئے واقعات نہین بلکہ وہی ہین جو شب و روز ہماری آنکھون کے سامنے پیش آتے رہتے ہین؟ مگر اُس پر بھی ہم کو عبرت نہین ہوتی۔

۶

برین عقل و دانش بباید گریست

چونکہ قدرتی طور پر زمانہ کی رفتار اپنا پورا اثر ڈالتی ہے اس لئے ہر سمجھدار شخص کو اُس کے عمدہ نتائج غور کے ساتھ اخذ کر کے زمانہ کے قدم بقدم چلنا اور اپنی سوسائٹی (برادری) کو اپنا ہم خیال بنانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر اصولاً کافی طور سے تجربہ کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہین کہ خوش قسمت وہی لوگ ہین جو آخر مین کہلاتے اور اپنے ظاہر مین استمالت پسند بھائی برادر اور عزیزون کے طعن و تشنیع کی مطلق پرواہ نہ کر کے بیجا مصارف سے ہاتھ روکتے ہین اور اپنی پیاری بیویون کے ساتھ زندگی بسر کر کے عملی طور پر شادی خانہ آبادی کی مثال قائم کرتے اور اپنے گھرون کو ان شگفتہ الفاظ کا مصداق بناتے ہین اور باوجود قدرت جائز اخراجات کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھکر اپنی وسیع الخیالی کی بدولت نیک نیتی کے ساتھ قوم کی ترقی و آبادی کا خیال ہمیشہ مدنظر رکھکر اپنی بے ریا و شایستہ اخلاق کی وجہ سے اپنے ملک کی دیسی تجارتون۔ اخبارون۔ رسالون۔ انجمنون اور دیگر قومی ضروریات کی خدمات مین حصہ لے کر اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتے ہین۔ ہم اس کے اور تمام مفید نتائج ذکر کرنے کے عوض یہان پر مجملاً صرف اسی قدر کہدینا کافی سمجھتے ہین کہ انسانی و اخلاقی خوشیان ایسے ہی گھرون کی لونڈی غلام کہلاتی ہین۔

ہم کو ایسے لوگون پر سب سے زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ جو تعلیم یافتہ کہلاتے

اور اپنی تمام غلطیون کا الزام بیچاری عورتون کے سر رکھکر الگ ہو جاتے ہین حالانکہ عورتین ہر حالت مین اُن کی محکوم ہوتی ہین۔ ہان اگر گھر کے انتظام خانہ داری کی مہار کسی بڑی بوڑھی بزرگ عورت کے ہاتھ مین ہو تو نہایت نرمی و سنجیدگی سے باد ب پہلے احکام دینی سے جن کے تمام اصول کفایت شعاری پر مبنی ہین آگاہ کرین۔ اُس کے بعد اپنے ہی خاندان کے گھرون کے تمثیلی واقعات ذکر اور پیش کر کے سمجھائین اور ایسے فضولیات سے جن سے آیندہ زندگی تکلیف سے بسر کرنے کا اندیشہ ہو رو کنے کی کوشش کرین۔ ورنہ کسی طرح بھی مرد اس الزام عظیم سے بری نہین ہو سکتے ہین۔ عورتون کے سر کھیلنا یہ سب اُن کا اپنا قصور ہے۔

سید محمد سعید بلگرامی

ایک نہایت ضروری اطلاع

چونکہ کچھ عرصہ سے ایڈیٹر لسان الصدق مولوی ابو الکلام آزاد دہلوی بمبئی مین مقیم ہین۔ اور غالباً ایک عرصہ تک مقیم رہین گے۔ لہذا۔ آیندہ سے وہ خطوط جو رسالہ کے مضامین یا کسی اور ایسے مطالب سے متعلق ہون۔ جن کا تعلق خاص ایڈیٹر سے ہے اور نیز تمام مضامین ذیل کے پتہ سے براہ راست ایڈیٹر کے نام بھیجے جائین۔ مگر درخواست خریداری اور ارسال زر بدستور منیجر دفتر لسان الصدق تارا چند دت سٹریٹ نمبر ۱۶۱ کلکتہ کے پتہ سے کرنا چاہئے کیونکہ مقام اشاعت بطور سابق کلکتہ ہے۔

ایڈیٹران اخبار و رسائل

کی خدمت مین بھی التماس ہے کہ آیندہ سے وہ مبادلہ کے اخبار و رسائل بمبئی کے پتہ سے روانہ فرمائین۔ کیونکہ ایڈیٹر کا قیام ایک عرصہ تک بمبئی ہی مین رہے گا (بمبئی۔ پوسٹ آفس بھائیکلہ۔ بلاسس روڈ نمبر ۱۳)

منیجر

انتقاد

انوار الاخلاق

اس کتاب کا یہ دسوان ایڈیشن ہے - جو رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور مین عمدہ کاغذ اور عمدہ چھپائی سے مزین ہو کر ہمارے پاس بغرض ریویو پہنچا ہے - اگرچہ اس کتاب کی قبولیت اور عمدگی کے لئے اس کے موجودہ ایڈیشن کا نمبر ہی لکھ دینا کافی ہے - لیکن ہم چاہتے ہین کہ اس کے فاضل مصنف کو اس کی ترتیب و تالیف مین جو بے نظیر کامیابی ہوئی ہے - اُسے بھی مختصر لفظون مین بیان کر دین - اس کے مولف ہمارے مکرم عنایت فرما مولوی نور احمد صاحب نور ماسٹر ایم - بی اسکول نجف گڑہ دہلی ہین - جن کا نام کانفرس کی رپورٹون مین اور مختلف علمی مجالس مین خاص طور پر دیکھا گیا ہے - اور جن کی نامئہ اردو خط و کتابت " وکیل بیوہ " وغیرہ کتابین نظم و نثر کی اس سے پیشتر شائع ہو کر ملک مین قبولیت حاصل کر چکی ہین - یہ کتاب دراصل ایک جواب مضمون کی کتاب ہے جس پر پنجاب یونیورسٹی نے ۱۸۸۲ء مین اُنھین طلائی تمغہ عطا کیا تھا - اس کتاب مین ابتدائی اردو تعلیم کے لئے مختلف علمی اور زیادہ تر اخلاقی عنوانون پر چھوٹے چھوٹے مضمون نہایت سلاست اور خوبی سے تحریر کئے ہین - جس سے مولف کی سب سے بڑی لیاقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اُس نے تالیف کرتے ہوئے کتاب کے حقیقی مخاطبین کی قابلیت کا اندازہ کر کے اُن کی حالت کے مطابق مضامین ترتیب دینے کی کوشش کی ہے - اور یہی ایک ایسی بات ہے جس کا موجودہ نصاب تعلیم مین کافی طور پر خیال نہین کیا گیا ہے - کسی کتاب کی حسن و خوبی کا اندازہ صرف اُس کے مطالب اور نفس مضمون سے

نہین ہو سکتا - بلکہ اس کی عمدگی مین طرز بیان اور خوبی بیان کو بھی بہت کچھ دخل ہے -
انوار الاخلاق اردو کی اُن کتابون مین شامل ہونے کا پورا استحقاق رکھتی ہے - جن مین
مطالب کی عمدگی کے ساتھ طرز بیان کی خوبیان بھی جمع کی گئی ہین - سبجکٹ عموماً ایسے
ہین - جن کی وسعت بیان کے مختلف پہلو لئے ہوئے ہے - اور اس کے پہلو خاص
خاص جماعت اور مخصوص قابلیت سے تعلق رکھتے ہین - مگر اس کتاب مین ان کے
وہی پہلو زیادہ صاف کر کے بتلائے گئے ہین - جنھین کتاب کے حقیقی ناظرین سے
نسبت ہے - اور فی الحقیقت یہی بات اس کتاب کے اصلی محاسن مین شمار کئے
جانے کے قابل ہے - اخلاقی مضامین کے علاوہ چند تاریخی اور علمی سبجکٹ بھی
اس کتاب مین نظر آتے ہین مثلاً "چھاپہ" "روشنی" "ریل گاڑی" "صنعت و
حرفت" مگر ان سبجکٹون مین بھی طرز بیان پر عنوان کی اہمیت کا اثر نہین ڈالا گیا
اور اسی صفائی اور آسان عبارت مین مضامین نظر آتے ہین - جس صفائی اور
آسان عبارت مین "صحت" اور "ہمدردی" پر مضامین تحریر کئے ہین - اس مین
کوئی شک نہین کہ پرائمری اور مڈل کلاس کے لئے اس کتاب سے بہتر ہم کو اور
کوئی کتاب اردو مین نظر نہین آتی - اور صرف یہ ہماری ہی رائے نہین ہے -
بلکہ ہندوستان کے نامور مصنف اور سررشتہ تعلیم کے تجربہ کار اصحاب نے بھی
اس سے زیادہ تعریف کے ساتھ یہی رائے دی ہے - جن کی تقریظین اور خطوط
کتاب کے ابتدائی اوراق مین جمع کئے گئے ہین -

ان خطوط اور تقاریظ مین - سرسید مرحوم - مسٹر امیر علی - شمس العلما مولانا حالی -
خان بہادر مولوی ذکاء اللہ - مولوی سید احمد مصنف فرہنگ آصفیہ جیسے نامور
حضرات کے سوا سررشتہ تعلیم کے مشہور افسر - کالجون کے پروفیسر - اردو -
انگریزی اخبارات کے قابل ایڈیٹر متفق لفظون مین اس کتاب کی عمدگی کا اعتراف

کرتے ہین اور تعلیم کے لئے سب سے بہتر قرار دیتے ہین۔ دیباچہ مین حضور ملکہ معظمہ آن جہانی کی چٹھی کا ترجمہ اس کتاب کی عمدگی کا بہترین سارٹیفکٹ ہے۔

مسٹر امیر علی لکھتے ہین "افسوس! مجکو یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈی سے کوئی تعلق نہین ورنہ اس کتاب کے داخل تعلیم کرانے کی کوشش کرتا۔"

خان بہادر مولوی ذکاءاللہ جیسے سررشتہ تعلیم کے تجربہ کار تحریر کرتے ہین۔ "اس کتاب مین مضامین خالص اردو زبان مین لکھے ہین۔ جن سے طلبا کو چاہیے مستفیض ہون۔"

شمس العلماء مولٰنا الطاف حسین حالی اپنی تقریظ مین تحریر فرماتے ہین "مصنف کے طرز بیان سے جو ملک کی خیرخواہی اور طالب علمون کی ہمدردی کا جوش ظاہر ہوتا ہے وہ ہر وطن دوست کو ان مضمونون کے اول سے آخر تک دیکھنے اور پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ ..... ضمناً ان مضامین سے وہ بکارآمد ہدایتین اور نصیحتین بھی حاصل ہوتی ہین۔ جن کی اس زمانے مین نہایت ضرورت ہے۔ ..... مصنف نے ہر ایک مضمون کے متعلق وہ باتین لکھی ہین۔ جو سکول کلاسون کی استعداد اور سمجھ کے لایق اور ان کی حالت کے مناسب ہین۔"

مولوی محمد یوسف صاحب جعفری چیف مولوی بورڈ آف اکزامنرس کلکتہ اپنی چٹھی مین لکھتے ہین۔ "مین اس کتاب کو از اول تا آخر پڑھ گیا اور اس کے ملاحظے سے بے انتہا حظ اٹھایا۔ الحق مین نے آج تک "ایسے" کی ایسی عمدہ کتاب اس قدر دلچسپ نہین دیکھی۔ میری رائے مین یہ ہائر اسٹنڈرڈ مین داخل ہونے کی پوری مستحق ہے۔"

لیکن افسوس ہے کہ باوجودیکہ آنریبل رور لاہور نے بھی بورڈ آف اگزامنرس کے لئے

باغ و بہار کی جگہ پر اس کتاب کا ہونا سب سے بہتر قرار دیا تھا۔ لیکن اس پر کمیٹی منتظمہ تعلیم نے کچھ توجہ نہین کی اور بجائے اس کتاب کے واقعات ہند داخل کی اور پھر اُسے بدل کر وہی پرانی باغ و بہار جاری کی۔ ہماری سمجھ مین نہین آتا باغ و بہار جیسی پرانی زبان کی کتاب مین کیا خوبی دیکھی گئی کہ پھر دوبارہ اُس کو کورس قرار دیا؟ ہمین امید ہے کہ اب بورڈ اس کتاب پر کافی توجہ کر کے اس کو داخل کرے گا ایسی حالت مین کہ اس کی عمدگی اور خوبی کو ملک نے تسلیم کر لیا ہے۔

اپریل سنہ ۱۹۰۱ء مین اس کتاب کو ٹیکسٹ بک کمیٹی بانکی پور نے بہار سرکل کے مدارس مین مڈل کے تیسرے کلاس کے لئے منتخب کیا تھا۔ لیکن ہمین سخت تعجب ہے کہ آج تک یہ کتاب تعلیم مین داخل نہین کی گئی۔ مصنف نے اس معاملہ کی تفتیش کے لئے درجنون خط لکھ ڈالے۔ مگر آج تک یہ راز نہین کھلا کہ باوجود کمیٹی کے داخل کرنے کے کیون نہین اس کی تعلیم شروع ہوتی۔؟

صاحب ڈائرکٹر بنگال کے ارشاد سے اضلاع بہار کے ڈپٹی کمشنرون کو بھی اس کی اطلاع دی گئی۔ مگر کوئی نتیجہ نہین نکلا۔ ہمین امید ہے کہ صاحب ڈائرکٹر بنگال اس معاملے مین توجہ فرما کر تحقیق کرین گے۔ کہ کیا وجہ ہے۔ جو اب تک اس کی تعلیم شروع نہین کی گئی۔ اس مفید کتاب کی جہان تک اشاعت ہو۔ اور جس قدر مدارس اپنے ہان کے کورسون مین اس کو داخل کرین۔ اس قدر ہمین مسرت اور خوشی ہوگی۔ ہماری اس مسرت مین ہندوستان کے نامی گرامی افاضل بھی شامل ہین۔ جو اس کتاب کو تعلیم کے لئے ایک اخلاقی ذریعہ تربیت اور ترقی معلومات کے لئے بہترین کتاب تسلیم کرتے ہین۔ اس کتاب کی قیمت صرف ۱۰ / رکھی گئی ہے۔ اور ہم اس کے مطالعہ کی ناظرین سے سفارش کرتے ہین۔ مصنف ممدوح الصدر سے درخواست کرنے پر مل سکتی ہے۔

ارشادات القرآن

یہ کتاب قرآن مجید کے مقدس مضامین کا اردو مین ایک مرتب مجموعہ ہے جسے جناب مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری نے دو حصون مین تقسیم کر کے شایع کیا ہے۔ پہلے حصہ مین قرآن مجید کے احکامات کے متعلق اوامر و منہیات جمع کئے ہین۔ اور دوسرے حصہ مین وہ وہ حکایتین اور انبیا سلف کے واقعات ترتیب دئے ہین جو قرآن مجید مین مختلف مقامات پر تنبیہ و تفہیم کی غرض سے بیان کئے گئے ہین۔ اس کتاب کی تعریف و توصیف مین ایک مسلمان کے لئے تو اس کا نام ہی لے دینا کافی ہے۔ کیونکہ اس کتاب مین وہ ارشادات الہامی جمع کئے گئے ہین۔ جو ہماری دینی اور دنیوی اصلاح و فلاح کے لئے ایک مکمل دستور العمل اور ایک جامع ضروریات ہے۔ ترجمہ کے لحاظ سے اگر اس کتاب کو دیکھا جائے تو درحقیقت نہایت تعریف کی مستحق ہے۔ بالخصوص اس کا دوسرا حصہ "نفائس القصص و الحکایات" جس مین اکثر قصون کو اس خوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ کہ ترجمہ کے حدود سے باہر بھی نظر نہین آتے۔ اور بیان کی خوبی بھی ہاتھ سے نہین گئی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم اور نمرود کا قصہ اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

> ایک بار حضرت ابراہیم اور ایک کافر بادشاہ مین جس کا نام نمرود تھا اور جو خدا اور اُس کی قدرتون کا منکر تھا بڑے مزے کی بحث ہوئی۔ ابراہیم نے کہا۔ خدا تو وہ ہے جو لوگون کو جلاتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے۔ مین بھی جلا سکتا ہون اور مار سکتا ہون۔ چنانچہ اس نے دو شخص بلوائے۔ جن مین سے ایک بے گناہ تھا۔ اور دوسرا مجرم مرتکب قتل۔ اس نے پہلے کو تو مروا دیا۔ اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے دل مین

کہا عجب نادان اور کوتہ فہم ہے کہ جلانے اور مارنے کے معنی بھی نہین سمجھتا
تو انھون نے کہا کہ خدا آفتاب کو تو مشرق سے نکالتا ہے۔ آپ اوس کو حکم دین
کہ مغرب سے نکلے۔ یہ سنکر کافر بکا بکا اور لاجواب ہوگیا۔

بعض لوگون کی یہ راے ہے اور ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کہ کسی الہامی کتاب کا صرف ترجمہ بلا اصل کے شایع کرنا وہی خرابیان پیدا کرتا ہے جن کا کتب مقدسہ کو سامنا ہو چکا ہے۔ مگر ہماری رائے مین قرآن شریف کو اس کلیہ سے کسی قدر مستثنیٰ کرنا چاہئے۔ اس وقت دنیا مین ہزارون سے گذر کر لاکھون کی تعداد تک قرآن کے اصل نسخے موجود ہین۔ جن کے ضایع ہونے کا احتمال نہین ہو سکتا۔ حفظ قرآن کے طریقہ نے قرآن کو تحریری صحت سے مستغنیٰ کر دیا ہے۔ ایسی حالت مین اگر عام تفہیم کی غرض سے۔ اور سہولت بیان کے خیال سے صرف اردو مین ارشادات قرآنی شایع کئے جائین۔ تو اُن اسباب کے پیدا ہونے کا ہرگز خیال نہین ہو سکتا۔ جو سابقہ کتب آسمانی کے اعتبار مین خلل انداز ہو چکے ہین۔ لیکن اس کتاب کی ترتیب کے متعلق یہ بات ہماری سمجھ مین نہین آتی۔ کہ مطالب کی ترتیب مین سورتون کی ترتیب کو کیون قائم رکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس کتاب کی اشاعت اصلی غرض مطالب قرآنی کے سمجھنے مین سہولت پیدا کرنی ہے۔ اگر مختلف احکامات کے خاص خاص سجکٹ مقرر کرکے مطالب کو منتظم طریقہ سے مرتب کیا جاتا۔ تو بیشک ارشادات قرآنی کے سمجھنے مین ایک اردو خوان شخص کو آسانی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ایک کتاب "جواہر حمدیہ" کے نام سے اس سے بہت پیشتر اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شایع ہو چکی ہے جس مین احکامات قرانی کو خاص خاص عنوانون سے مرتب کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے حصہ مین بالکل بے ترتیبی سے کام لیا گیا ہے۔

ایک ہی شخص کے متعلق جو واقعات قرآن مجید مین مختلف مقامات مین حسب ضرورت

بیان ہوئے ہین۔ انھین اسی طریقہ سے مختلف مقامات پر درج کر دیا ہے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ آدم علیہ السلام وغیرہ کے متعلق تمام آیتین جمع کر کے ایک ہی مقام پر درج کر دی جاتین۔ ہان یہ بات ضروری نہ تھی کہ ان واقعات مین تاریخی لحاظ سے کوئی سلسلہ پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ یہ کام ایک مبسوط تفسیر کا ہے۔ صرف اس قدر انتظام مفید تھا۔ کہ واقعات مختلف مقامات سے چن کر ایک مقام پر اکٹھے کر دئے جاتے۔ ہمین امید ہے کہ اگر ہماری رائے وقعت کے قابل ثابت ہوئی تو دوسرے ایڈیشن مین اس کا خیال رکھا جائے گا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ اگر اس خفیف نقص کو چھوڑ کر کتاب کی اور خوبیون پر توجہ کی جائے۔ تو اس کے ضروری اور مفید ہونے مین کلام نہین ہو سکتا۔ ایک معمولی اردو سمجھنے والا بھی قرآن شریف کے احکام اور عبرت آمیز نصائح سے اس کتاب کی بدولت مستفیض ہو سکتا ہے۔ ہماری رائے مین اس کتاب کو مسلمانون کا مذہبی کورس مین شامل ہونا۔ اس قدر ضروری اور عمدہ نتائج پیدا کرنے والا ہے کہ جس سے کوئی مسلمان انکار نہین کر سکتا۔ قیمت بھی بہت واجبی رکھی ہے۔ یعنی پہلے حصہ کی ۸ر اور دوسرے حصہ کی ۶ر۔ لکھائی اور چھپائی نہایت صاف اور تقطیع بہت خوشنما ہے۔ شائقین۔ شہر جالندھر کوٹ اچھی کے پتہ سے خود مؤلف سے طلب فرمائین۔

ارکان الاسلام

اردو زبان مین ایک ایسی مذہبی تصنیف کی سخت ضرورت تھی۔ جو بچون کی تعلیم کے لئے موجودہ زمانے کی ضرورتون کے مطابق لکھی جائے۔ اس اشد ضرورت کو ہمارے مکرم دوست منشی سراج الدین احمد خان صاحب ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور نے "ارکان الاسلام" لکھ کر پورا کیا۔ اس کتاب مین جیسا کہ نام سے ظاہر

ہے اسلام کے ضروری ارکان اور اسلام کے اہم معتقدات کو صاف و سلیس اردو زبان
مین بیان کرکے اُن کو چھوٹے چھوٹے سبقون مین تقسیم کر دیا ہے۔ نقلی احکام کا عقلی
دلائل کے ساتھ ابتدائی کورس کے لئے لکھنا کچھ آسان نہین ہے۔ مگر ہم نہایت مسرت
سے اس امر کا اعتراف کرتے ہین کہ منشی صاحب کو اس طرز مین عمدہ کامیابی ہوئی ہے۔
ارکان اسلامی کے بیان مین بعض ضروری مسائل فروعات بھی درج کردئے ہین۔ جو
مسلمان بچون کی معلومات کے لئے ازحد مفید ہین۔ قرآن مجید اور داعی اسلام کے
متعلق یورپین مصنفون کے اقوال اور صحابہ کرام کے اخلاق و اوصاف لکھکر کتاب کو
ابتدائی مذہبی تعلیم کا ایک مکمل کورس بنا دیا ہے۔ جس کے پڑھنے سے مسلمان بچون کو اپنے
مذہب کی خوبیان، اور مخالفین کا اعتراف محاسن، اپنے بزرگ اسلاف کی عظمت کا پختہ
خیال پیدا ہوجائے۔ لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے بھی کتاب قابل تعریف ہے۔ اور
۸ر قیمت پر مصنف ممدوح سے مل سکتی ہے۔

معلم النسوان

خان بہادر میرزا شجاعت علی صاحب کا یہ وہ لکچر ہے۔ جو اُنھون نے گذشتہ تعلیمی کانفرس
مین بمقام بمبئی۔ اصلاح نسوان کے اہم مسئلہ پر دیا تھا۔ اس لکچر مین عورتون کی تعلیم۔ ان کی
تربیت۔ اور فرائض پر نہایت عمدہ خیالات جمع کئے گئے ہین جس سے مرزا صاحب
موصوف کی اعلیٰ درجہ کی روشن خیالی اور ضروریات قومی کا احساس ثابت ہوتا
ہے۔ غالبًا خود صاحب موصوف سے کلکتہ کے پتہ پر یہ لکچر مل سکتا ہے۔

ہم اور ہمارے ہمعصر

مسٹر ظفر علی خان صاحب بی ۔ اے کی کوششون سے دکن ریویو روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ مضامین کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ چھپائی لکھائی قابل تعریف۔ ضخامت مناسب۔ تصاویر نہایت خوب۔ غرض ہر حیثیت سے قابل تعریف ہے۔

دکن ریویو کا "محرم نمبر" ایک خاص لحاظ سے قابل توجہ ہے۔ یہ نمبر اُس مہینے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ہندوستان کے مختلف صوبون بلکہ شہرون مین قسم قسم کی بدعتین نظر آتی ہین۔ اسی مناسبت سے اس نمبر مین ایک قابل قدر مضمون ایڈیٹر کے زور قلم کا نتیجہ شایع ہوا ہے جس مین بالخصوص حیدرآباد کا محرم دکھلا کر اس پر معقول بحث کی ہے۔ اور مسلمانون کو غیرت دلائی ہے۔ کہ ان افعال سے غیر اقوام اسلام کے متعلق جو رائے قائم کرتے ہین ان کا الزام تمہاری انھین بدتمیزیون پر ہے۔

مدت ہوئی ہم نے بھی ایک اسی قسم کا مضمون لکھکر مسلمانون کی اصلاح پسند طبیعت کا اندازہ کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسی صلاحیت پیدا نہین ہوئی کہ ان اصلاحون پر عمل کیا جائے۔

ہم کو اور ہمارے قابل دوست ایڈیٹر دکن ریویو کو ابھی کچھ دن اور انتظار کرنا چاہیے جب کہ تعلیم کی روشنی ان توہمات کی تاریکیون کو دور کر دے گی۔

مئی کا دکن "ریویو" اپنی معمولی ضخامت سے کچھ زائد صفحات پر شایع ہوا ہے جس مین سب سے زیادہ قابل توجہ ہمارے مخدوم مولنا شبلی کا مضمون ہے۔ جو احیاے علوم عربیہ کے متعلق ایک مدت سے گذاری ہوئی تحریر کے جواب مین لکھی گئی ہے۔ اخبار بین ناظرین مین سے شاید ہی کوئی اُس طول طویل بحث سے واقف نہو جو "مسٹر ماریسن" کی جدید اسکیم کے متعلق علیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ سے نکلکر ہندوستان کے تمام اردو اخبارون مین پھیل گئی تھی۔ اور جس کا خاتمہ حال مین نواب لفٹنٹ گورنر کی ملاقات پر ہوا ہے۔ ایک تحریر اسی بحث کے متعلق علیگڈھ منتھلی مین شایع ہوئی تھی جس مین علوم عربیہ کے متعلق نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ ایک زبان دراز نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ عربی زبان مین علوم وفنون

کہ کسی عمدہ ذخیرہ کا ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔ اور نیز یہ کہ "ہمیں اس راے سے قطعی اختلاف ہے کہ عربی مین ایسے علوم موجود ہین۔ جن کی تعلیم ہمارے دماغون مین روشنی۔ دلون مین صفائی۔ خیالات مین پاکیزگی۔ ارادون مین بلندی۔ طبیعتون مین استقلال پیدا کردیگی۔

پہلا دعوی جس قدر لغو اور بے دلیل ہے۔ وہ صرف اس سے ظاہر ہے کہ آج یورپ کے مستند فلاسفر اور مشہور مصنف عربی زبان کی خوشہ چینی کے قائل ہین۔ عربی کا فلسفہ۔ عربی کا علم اخلاق۔ عربی کی شاعری۔ مدتون یورپ کے مدرسون مین مغربی دنیا کا کورس رہی ہے۔ اس دعوی کے لئے اگرچہ کسی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مولانا نے اس کا مفصل جواب لکھکر اس بین دعوی کو اور مدلل کردیا ہے۔ رہا ریڈیکل صاحب کا دوسرا دعوی "کہ عربی علوم سے روشن دماغی خیالات کی بلندی۔ وغیرہ نہین حاصل ہوسکتی ہے۔ تو اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہے۔ آخر اُن لوگون نے کس زبان کی تعلیم پائی تھی؟ اور کون سے علوم پڑھے تھے جو خیالات بلند۔ دماغ روشن۔ دل صاف۔ طبیعت مستقل رکھتے تھے۔ اور جنھون نے عرب کی خاک سے پیدا ہوکر آج یورپ کو اپنا مداح بنایا ہے؟ لیکن ریڈیکل صاحب اگر اس دعوے کو ان لفظون مین بیان کرتے۔ کہ "جو مشرقی علوم ہمین آج پڑھائے جاتے ہین اور جن کی طرف ہمین بُلایا جاتا ہے۔ ان سے نہ ہمارے دماغ روشن ہوسکتے ہین۔ نہ خیالات مین بلندی اور آزادی آسکتی ہے۔ اور نہ طبیعت مین استقلال پیدا ہوسکتا ہے۔ تو یہ قول ان کا بالکل ٹھیک اور اصلیت کے موافق ہوتا۔ بلکہ صرف ریڈیکل صاحب کا قول ہوتا۔ بلکہ مرحوم سرسید بھی ان کے ہمزبان نظر آتے

۱۵۔ مئی کی تالیف واشاعت مین ہمارے فاضل دوست ایڈیٹر صاحب نے "اردو انسائیکلوپیڈیا" کی تجویز پیش کی ہے۔ یہ وہ ضروری تجویز ہے۔ جو ایک عرصہ سے ہمارے دماغ مین موجود ہے۔ مگر اردو کا مذاق اور اردو داں نین کا عام میلان اس تجویز کا مخالف نظر

آتا تھا۔ اور اس لئے ہم نے سمجھ لیا تھا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ پچھلے دنوں مولوی سید اکبر علی صاحب بی۔ اے سابق ایڈیٹر "ادیب" کا ایک خط ہمارے پاس آیا تھا۔ جس میں انہوں نے ایک اردو انسائیکلوپیڈیا کے مرتب ہونے کی اطلاع دی تھی اور کچھ سبجکٹ کے لئے اصرار کیا تھا۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ ابھی تک اس کی ترتیب کی کوئی معقول صورت نہیں ہوئی ہے۔ فی الحقیقت اردو میں انسائیکلوپیڈیا کی اشد ضرورت ہے۔ اور انجمن ترقی اردو کو ضرور اس پر توجہ کرنی چاہئے۔ اس کی ترتیب کے متعلق ایک اور آسان تجویز ہے جو آیندہ پیش کی جائے گی۔

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی

ہمیں نہایت مسرت سے فہرست خطابات سالگرہ میں مولانا حالی کا اسم گرامی شمس العلما کے خطاب سے مخاطب دیکھا ہے۔ جن کی قومی اور علمی خدمات کے استحقاق اور گورنمنٹ کے سکوت کو نہایت ناگواری کے ساتھ ایک عرصہ سے دیکھا جاتا تھا اور جس کی تلافی کے لئے پچھلے دنوں ہمارے محترم دوست مولوی سید ممتاز علی صاحب نے "قومی اعزاز" کی تجویز پیش کی تھی اگرچہ مولانا کی مسلّم علمی خدمات کسی خطاب کی محتاج نہیں ہیں ان کی لٹریری قابلیت کو ملک نے تسلیم کیا ہے گورنمنٹ کی علمی قدردانی سے یہ بات بہت بعید بھی جاتی تھی۔ کہ مولانا کو آج تک کسی علمی امتیاز سے ممتاز نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن ہم نہایت مسرت سے گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے قدر شناسی کا حق ادا کر دیا۔ ہمارے محترم دوست جناب مولوی یوسف جعفری رنجور نے اس عطائے خطاب کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

در جامۂ خویش چون نگنجم ۔ از مژدۂ نیک و فرحت آثار ۔ شمس العلما شدست حالی

حالی کو ہست قوم را یار ۔ ہر چند بجانہ کرد کوشش ۔ لاکن قدرش شناخت سرکار

از راہِ وفور قدردانی ۔ این تحفۂ خطاب کرد ایثار ۔ رنجور بگفت از سر وجد

صد شکر رسید حق بحقدار

۲ ۳ ۲ ۲

دلچسپ معلومات

فزکس کے متعلق

پانی قدرت الٰہی کا عجیب نمونہ ہے

آگ اور پانی کی دشمنی دنیا جان جانتی ہے لیکن پانی کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ اس کی پیدائش آگ سے ہوتی ہے۔ یا خاص لفظون مین "آگ نے پانی کو پیدا کیا ہے" ظاہر مین دیکھو تو پانی کے چار چھینٹے پڑے اور آگ بجھ گئی۔ دونون مین ایسی دشمنی نظر آتی ہے۔ مگر دراصل پانی آگ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پانی دو عنصرون سے مرکب ہے۔ آکسیجن۔ اور ہائیڈروجن۔ جب یہ دونون عنصر ایک اور آٹھ کے تسویہ سے ملتے مین تو ایک تیسری چیز پانی پیدا ہو جاتا ہے اب دیکھو آگ کا اصلی عنصر آکسیجن ہے۔ اور ہائیڈروجن بھی آتش صفت ہے۔ جب دونون چیزین ملتی ہین تو وہ چیز بنتی ہے۔ جو ان کی سخت دشمن ہے۔ اور تباہ کرنے والی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آگ ہی سے پانی پیدا ہوتا ہے۔

تاریخ کے متعلق

دنیا مین ریل کب جاری ہوئی

سنہ ۱۸۲۰ء	انگلینڈ	سنہ ۱۸۲۹ء	فرانس	سنہ ۱۸۲۹ء	امریکہ	سنہ ۱۸۳۰ء	روس		
سنہ ۱۸۳۵ء	جرمن	سنہ ۱۸۴۸ء	اسپین	سنہ ۱۸۶۰ء	ٹرکی	سنہ ۱۸۵۳ء	انڈیا		

انگلینڈ، فرانس امریکہ مین ایک ہی سنہ مین ریل جاری ہوئی مگر ایک ایک ماہ کا فرق ہے۔ انگلینڈ مین ستمبر کو فرانس مین اکتوبر کو امریکہ مین ڈسمبر کو جاری ہوئی۔

آتش فشان پہاڑ

دنیا مین اس وقت کل ۶۷۲ آتش فشان پہاڑ ہین جن کی تفصیل یہ ہے۔

۲۴۴	ایشیا	۷۰	افریقہ	۱۰۹	جاوا	۸۰	امریکہ
		۶۳	نیوزیلینڈ				

ان پہاڑون مین سے (۲۷۰) پہاڑ ایسے ہین جن سے "لاوا" مادہ جاری ہے۔ ایک جیالوجسٹ کی تحقیق ہے کہ یہی مادہ زمین سے نکل کر جمع ہونے سے پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مطبع ہادی پریس واقع کلکتہ ہیرسن روڈ نمبر ۱۴۱ مین چھپا

موت عنقریب سب کو ایک گھاٹ اتارنے والی ہے۔ یہ بات ہر وقت ذہن نشین رکھو، اور ہر شخص کے ساتھ مدارات سے پیش آو، جیسا کہ ایک شریف شخص کی شان کے لائق ہے۔

حتی الامکان ہرگز کسی شخص کو ناراضی بلکہ افسردگی کی حالت میں بھی چھوڑ کر نہ چلے جایا کرو۔ یاد رکھو کہ ایک ادنیٰ سی مفارقت بھی ممکن ہے کہ دائمی مفارقت ہو جائے۔

بعض الفاظ تو دھوپ کی طرح چمکدار ہوتے ہیں، اور بعض تیر خاردار اور زہر مار کی خاصیت رکھتے ہیں۔ جب سخت الفاظ کی ایسی سخت کاٹ ہوتی ہے، تو خیال کرنے کی بات ہے کہ نرم اور شیریں الفاظ کس قدر فرحت بخش اور دل خوش کن ہونگے!

جارج ہربرٹ کا قول ہے کہ اچھے الفاظ "کم خرچ بالانشین" ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ

بہت سے تیر تیر افگن جو یونہیں چھوڑ دیتے ہیں
وہ لاعلمی سے بے جرموں کی اکثر جان لیتے ہیں
یونہیں وہ لفظ جو بے سوچے سمجھے بولے جاتے ہیں
دلِ زخمی پہ مرہم رکھتے یا چرکے لگاتے ہیں

یہ بات بھی نہیں ہے کہ ہمیشہ بولنے ہی کی ضرورت ہو۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ جب بطرس نے حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے سے انکار کیا، تو "حضرت عیسیٰؑ نے بطرس پر نظر ڈالی"۔ بس وہ ملامت آمیز حسرتناک نظر اپنا کام کر گئی۔ بطرس چلا گیا اور زار و قطار رونے لگا۔

جب یہ بات صحیح ہے کہ ایک نظر دل کو سخت سے سخت صدمہ پہنچا سکتی ہے، تو ایک نگاہ کرم بھی، دل پر یہاں تک اثر کر سکتی ہے کہ وہ مارے خوشی کے تھمی تھمی ناچنے لگے۔ بہت دنوں کی مفارقت کے بعد ہمارا دل دوست کی اُن آؤ بھگت کی باتوں کو خیال کر کے، جنھیں ہم کسی طرح فراموش نہیں کر سکتے، کس قدر پیچ و تاب کھانے لگتا ہے! پس ضرور ہے کہ صبح کے وقت کی ملاقات کا ایک تلطف آمیز تبسم تاریک سے تاریک دن کو روشن کر دے سکتا ہے۔

اگر پیاری تم کو صحبت ملی ۔۔۔۔ تو سمجھو کہ دنیا کی نعمت ملی

حد سے زیادہ کم سخنی کو راہ نہ دو۔ اپنی محبت کے اظہار میں خوف نہ کرو۔ اگر تمہارے چہرے سے سرد مہری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، تو تمہارا دل سے محبت کرنا کافی نہیں ہے گرمجوشی اور مہربانی سے پیش آؤ، تدبر اور شفقت سے کام لو۔ لوگوں کو خدمت سے زیادہ ہمدردی سے مدد پہنچتی ہے؛ محبت کا درجہ مال وزر سے بڑھکر ہے، اور شیریں کلامی تحفہ تحائف سے زیادہ خوشی کا باعث ہوتی ہے۔

جب بنجامن ویسٹ سے لوگوں نے پوچھا کہ "تمہیں مصوری کیونکر آئی"؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "میری ماں کے مجھے بوسہ لینے کی بدولت"۔ کنفیوشیس کا مقولہ ہے کہ "اگر گھر کے کام پوری طرح انجام دیے جاتے ہیں، تو قربانی کرنے کے لیئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔"

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

اپنے دوستوں کے انتخاب میں نہایت ہوشیاری کو کام میں لاؤ؛ "دوست زندگانی کی آرایش کے لیے نہایت قیمتی اسباب ہوتے ہیں"۔ جارج ہربرٹ کا قول ہے کہ "اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، تو تم بھی اچھوں میں شمار کیے جاؤ گے"۔ ایک اسپینش مقولہ ہے۔ "تم مجھے بتادو کہ تم کس کے ساتھ رہا کرتے ہو، تو میں تمہیں بتادونگا کہ تم کیسے شخص ہو"۔ ❀ جو شخص خود اپنا اچھا دوست نہیں، وہ دوسروں کا کیا خاک ہوگا؟

اچھوں کی صحبت سے ہم کو ہوتی ہے دونی خوشی		اور رنج و فکر میں ہوتی ہے آتی ہی کمی

❀ اِسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

عن المرء لاتسئل وسل عن قرینہ ۔۔۔۔ فکلُّ قرینٍ بالمقارن یَقتدِی

(ترجمہ) جو کسی کا حال دریافت کرنا ہو، تو اُس کا نہیں، بلکہ اُس کے ساتھی کا حال دریافت کر؛ اِس لیے کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

عورتوں میں سے دوست کا عمدہ انتخاب کرنا بھی کچھ ضروری امر نہیں ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے اب تک ان مہوشوں کی بدولت بہتیرے دانا اور عاقل شخص تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔

پھنسے زلفِ بتاں میں وہ بھی رنجور
جو دنیا میں بہت عاقل تھے مشہور

لیلی کا قول ہے کہ "دوستی انسانی زندگانی کا زیور ہے"! جس شخص کا کوئی دوست نہ ہو وہ بہت کچھ رحم کے قابل ہے، خاصکر اس لئے کہ یہ غالباً خود اُسی کا قصور ہے۔

اُس کا سا بد نصیب جہان میں نہ ہوئیگا کوئی
جس کا نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ یار ہو
اپنے ہر اک سوال کا وہ آپ ہے جواب
اپنے دلِ حزین کا وہ خود غمگسار ہو

جیسا کہ کیبل دل افسردگی کی حالت میں کہتا ہے، یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ تنہا اور سب سے جدا رہیں۔

جس طرح زنہار رہتے ہیں سدا عزلت گزین
دوسروں سے اُن کو دُنیا بھر میں کچھ مطلب نہیں
یوں نہیں ہم لوگوں کے دل رہتے ہیں آپس میں جدا
اپنے اپنے حال میں ہر ایک دل رہے مبتلا
ایک کو ہر اک طرف خوشیاں ہی آتی ہیں نظر
دوسرا پاتا ہے ہر اک چیز پر غم کا اثر

ہاں بیشک، یہ عمدہ بات ہے کہ تنہائی کا بھی کوئی وقت نکالا جائے، اِس لیئے کہ اگر تم اپنے ہمسایے سے کسی دم جُدا نہ ہوگے تو اُس سے دوستی نباہنی مشکل ہو جائیگی۔

ضرور ایسا اتفاق ہوگا کہ بسا اوقات تمھارے دل میں شکایت پیدا ہو۔ اگر ایسا ہو، تو صبر اور عقل سے کام لو۔ اُس پر اِس طرح نظر ڈالو جس طرح تمھارا وہ دوست، جس سے تمھیں شکایت ہے، نظر ڈال سکتا ہے۔ کوئی کام جلدی میں نہ کر بیٹھو۔ نیچر بھی شتابکاری نہیں کرتا۔ "جتنی جلدی اُتنی دیر" ایک قدیم ضرب المثل ہے۔ سب سے زیادہ اِس بات کا خیال رکھو کہ لڑنے بھڑنے میں ہرگز جلدی نہ کیا کرو۔ اچھی طرح غور و تامل سے کام لو۔ گو رات کو تم

کیسے ہی رنجیدہ ہو، لیکن ایسا وقات تیح ہوتے ہوتے دل کی حالت بالکل بدل جایا کرتی ہے۔

کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوْہُ النَّھَار

اگر تم نے کوئی ماقلانہ اور دو ٹوک (لیکن ساتھ ہی دلخراش) خط کسی دوست کے نام لکھا ہے، تو اُس کو دوسرے دن تک اپنے پاس رکھو، اس کا نتیجہ اکثر یہی ہوگا کہ اُس خط کی روانگی کی نوبت ہی نہ آئیگی۔

جہاں تک ممکن ہو اچھے لوگوں سے دوستی کرو۔ ایک خراب دوست کے ہونے سے تو بہتر ہے کہ سرے سے کوئی دوست ہی نہ ہو۔

بُروں کی راہ سے ہرگز نہ جاؤ
چلو جب اُس سے بچکر راہ لو تم
بُروں کا حال یہ ہوتا ہے اے یار!
نہیں لگتی ہے اُن کی آنکھ اک پل
شرارت اُن کی گھٹی میں پڑی ہے
مگر راہِ نکوکاراں ہے اک نور
رہیگی جب تلک دنیا کی ہستی

ہمیشہ اُس سے دل میں خوف کھاؤ
جہاں تم کو ملے، بیٹھے اُس کو دو تم
کہ جب تک وہ کسی کو دیں نہ آزار
نہیں پڑتی کسی کروٹ اُنھیں کل
دل آزاری آپ اُن کی دل لگی ہے
کہ جس کے سامنے ظلمت ہو کافور
چمک اُس کی ترقی پر رہیگی

لیکن اگرچہ اشرار اور حمقا کو دوست بنانا بہت بڑی غلطی ہے، اُنھیں دشمن بنانا بھی احمقی ہے، اِس لیے کہ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ٹیمب خوش طبعی کے ساتھ کہتا ہے کہ تحفے اُن لوگوں کو عزیز بناتے ہیں جو آنکھوں سے دور ہیں، لیکن مہربانی، بُردباری اور ہمدردی تو اس سے بھی بہت کچھ زیادہ کر سکتی ہیں جو کچھ تم اپنے دوستوں کو دے سکو، بلاشک وہ اُس کا استحقاق رکھتے ہیں: لیکن اُنھیں یہ حق نہیں کہ تم سے قرض مانگیں۔ شیکسپیر کہتا ہے

قرض دینے اور لینے، دونوں سے بچتے رہو

ورنہ کوئی نہ پوچھے گا زر کے ساتھ اپنے دوست کو

سچ کہا ہے نیک لوگوں نے یہ، اے فرخندہ پے!

"دوستی کے حق میں بے شک قرض اک مقراض ہے"

اور حضرت سلیمانؑ ہمیں اس طرح متنبہ کرتے ہیں،

کریگا اجنبی کی جو ضمانت	اُسے ہاتھ آئیگی آخر ندامت
مگر جو مجتنب اس سے رہیگا	وہ ضامن آپ ہے اپنی خوشی کا

تمھارے دوست تمھیں بہت سے خطروں سے محفوظ رکھینگے، اور بہتیری آفتیں تم پر آنے نہ دینگے۔ جب اگسٹس کو اُس کی بیٹی جولیا نے ذلیل کیا، تو اُس نے کہا تھا کہ "اگر آگرپا یا میسیناس زندہ ہوتا، تو مجھے ان میں سے کسی بات سے بھی سامنا کرنا نہ پڑتا"

اگر تمھیں اچھے دوست ہاتھ لگ جائیں، تو اُن سے دوستی قائم رکھو۔

اگر قسمت سے ایسے یار مل جائیں	وفاداری میں جن کی کچھ نہ شک ہو
تو اپنا حرزِ جان اُن کو بنا لے	جدا ہونے نہ دے اک لحظہ اُن کو

انھیں کبھی شکایت کا، گو کیسی ہی خفیف کیوں نہ ہو، ہرگز موقع نہ دو۔

اور اگر موت انھیں جدا بھی کردیگی، تاہم اُن سے پھر ملنے کی ایک دل خوش کن اُمید باقی ہے۔ گو یہ اُمید اُس نقصان کی تلافی نہیں کرسکتی، پھر بھی

گو مرے دوستوں کو سال بسال	کرتی رہتی ہے موت مجھ سے جدا
لیکن امید ہے کہ جنت میں	ہونگے ہم لوگ سب کے سب یکجا

زندگانی کا سب سے بڑا امرِ اہم شادی ہے۔ عشق نے تمام نیچر میں حسن کی شان پیدا کردی اور اُس میں جان ڈال دی ہے۔ یہی زمین کے کیڑے کو ہوائی تتلی بنا دیتا، بہار کے موسم میں اُس کے پروں کو رنگ دیتا، اور کرمکِ شبتاب کا چراغ روشن کرتا ہے؛ یہی بلبلوں کے نغموں میں لطف پیدا کرتا اور شعر و سخن کو جادو بنا چھوڑتا ہے۔ نیچر کی بیجان چیزیں بھی اس کے اثر سے نہیں

ہوگی ہین، اور پھول رنگہاے بوقلمون سے لہلہاتے ہین۔

سائیما نیڈ یز کہتا ہو کہ "ایک مرد کے لیے ایک نیک بی بی سے بڑھکر کوئی نعمت نہین، اور ایک بدخصلت بی بی سے بڑھکر کوئی عذاب نہین۔"

جیسی ہوتی ہو جھڑی برسات کی		ہو زبان اِک زوجۂ بدذات کی	

	عُزلت کا تنگ گوشہ بہتر ہے لاکھ درجہ اِس سے کہ گھر بڑا ہو، لیکن قرین بدہو	

اب انتخاب کو لیجیے؛ اِس کی نسبت قابلِ قدر رائے دینی کوئی آسان بات نہین ہو۔ انتخاب مین بعض امور کا خیال تو بہت ظاہر ہو۔ بہت کم سنی مین شادی کرنا مناسب نہین ہو۔ دو کم عمر زن و شو کے شادی کرنے کی مثال، سر اِیچ۔ ٹیلر کے قول کے مطابق، ایسی ہو جیسے "مٹر کی ایک پھلی کو دوسری پھلی سے سہارا دیا جائے"۔ نہ تو روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے شادی کرو، اور نہ بغیر روپے کے شادی کرو۔ جو روپیہ حاصل کرنے کے لیے شادی کرتے ہین، "وہ اپنی زندگی کے تمام راحت و آرام کو روپے پر قربان کرکے اپنے تئین روپے سے کم قیمت ظاہر کرتے ہین: اور پھر جب وہ روپون اور اپنی مصیبتون کو شمار کرتے اور ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرتے ہین، تو ہزار جان سے اُن تمام روپون کا نقصان گوارا کرکے اپنی فروخت کی ہوئی زندگی کو پھر خرید لینے کی خواہش کرتے ہین"۔

یہ نہ خیال کرو کہ شادی کرنے کے بعد، ایک خوبصورت، سادہ مزاج، خوش طبع، نرم دل ہمدم کے اضافہ ہونے پر بھی تم جس طرح اپنی زندگی بسر کرتے آئے ہو بسر کرتے رہوگے، اور اُس کا تم پر مُطلق بار نہ ہوگا، جب تم تنہائی یا دُنیاوی دھندون سے پریشان ہوگے تو وہ تمھاری بغل مین ہوگی، اور جب تمھین اُس کی ضرورت نہ ہوگی تو وہ تمھارے سدِ راہ نہ ہوگی۔

"این خیال است و محال است و جنون"

جیسا جرمی ٹیلر کا بیان ہے: ہوم "ایک شوہر کے فرائضِ منصبی مین بہت سی رکیک باتین ضم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، کہ تجھے اپنی بیوی کا باپ، مان، اور بھائی ہونا چاہیئے، اور اگر ایسا نہ ہوگا، تو اُس بیاہی دُلہن کی حالت ایک یتیم لڑکی سے کچھ بہتر نہ ہوگی۔ اِس لیے کہ وہ غریب لڑکی، جس نے تیرے لیے اپنے باپ، مان، اور بھائی کو چھوڑ دیا، ضرور ہے کہ تجھ مین اُن سب کا (بلکہ اِس سے بھی زیادہ) مزہ پائے، ورنہ وہ ایک غریب یتیم لڑکی کی طرح ایک نہایت افسوسناک حالت مین ہوگی"۔

اگر تمھین اس بارے مین ذرا بھی شبہہ ہو، تو شادی نہ کرو۔ کتخدائی کی حالت یا تو نہایت خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے، یا نہایت رنج و تکلیف کے ساتھ۔

شادی ایک سخت ذمّہ داری کی چیز ہے۔ صرف چشمِ فتّان پر نہ جاؤ، اور اُس کے فریب مین نہ آجاؤ، اِس لئے کہ شادیون کی ذمّہ داریان ہاتھون اور آنکھون سے نہین کی جاتین، بلکہ عقل اور دل سے۔

ایک نیک بیوی صرف خارجی کامون مین اپنے شوہر کی مددگار نہین ہوتی ہے بلکہ دل کے کامون مین بھی شیکسپیئر کہتا ہے، "عشق کی حالت مین سفلہ مزاج مردون مین بھی ایسے شریفانہ خصائل پیدا ہو جاتے ہین جو اُن مین فطری نہین ہوتے"۔ تو جب خسیس الطبع اشخاص کی حالت بدلکر اِس قدر اچھی ہو جاتی ہے، تو اُن اشخاص کی حالت کس قدر بہتر ہو جائیگی جو بالطبع شریف النفس ہین! اس لیے کہ

پردۂ دنیا پہ ہین موجود ایسے شخص بھی
جن کے پہلو مین ہے دلبر، اور وہ ہین اُس پر فدا
ساتھ اُن کے ہر گھڑی رہتا ہے جادو کا عمل
وہ جہان جاتے ہین، جاتا وہ بھی ہے قدمون لگا

جرمی ٹیلر کہتا ہے، کہ وہ شادی ایک رسم ہونے کی حیثیت سے ایک خدائی شے ہے،

اتحاد ہونے کی حیثیت سے ایک مقدس چیز ہی، ایک راز ہونے کی حیثیت سے ایک پاک چیز ہی، معنی کے رو سے ایک متبرک شی ہی، یہ ایک عزت کا سبب ہی، اس کے مشاغل دنیاوی ہین: یہ آدمیون کی سوسائیٹیون کے لئے فائدہ بخش ہی، اور خدا کے نزدیک پاک ہی۔"

ڈرکولین کہتا ہی، "اگر کوئی شادی کی زندگی حقیقت مین شادی کی زندگی ہی، تو اُس کی خوشیون کے اظہار کے لیے ہم لفظ کہان سے لائین؟ ..... وہ دونون ساتھ دعائین مانگتے، ساتھ نمازین پڑھتے، ساتھ روزے رکھتے ہین .... رنج مین، مصیبت مین، راحت مین، ایک دوسرے کے شریک رہتے ہین۔ اُن مین سے کوئی دوسرے سے اپنا کوئی راز پوشیدہ نہین رکھتا، اور نہ ایک دوسرے کا بار خاطر ہوتا ہی۔ ایسی باتین دیکھکر خدا خوش ہوتا ہی۔ ایسے لوگون پر وہ اپنی رحمت نازل کرتا ہی۔ جہان دو شخص رہتے ہین، وہان خدا ہوتا ہی، اور جہان خدا ہوتا ہی، وہان شیطان نہین رہتا۔"

عقدِ نکاح کے سنجیدہ اور خوبصورت الفاظ کے مطابق تم اِس کے ذمہ دار ہو جاؤ، کہ "تم اپنی بیوی کو اچھی حالت مین بھی بُری حالت مین بھی، فراخدستی مین بھی تنگدستی مین بھی، علالت مین بھی صحت مین بھی، پیار کروگے اور اُس کے کفیل ہوگے، اور موت کے سوا کوئی چیز تمھین اُس سے جدا نہ کریگی*۔"

اسٹینلی کہتا ہی کہ "ایک خوشی کی شادی زندگانی کی ایک نئی ابتدا ہی، خوشی اور سودمندی کی منزل کے لئے ایک نیا مقام روانگی ہی، یہ اِس بات کا ایک اچھا موقع ہی کہ ہم زمانہ گزشتہ اور اُس کے کل قصورون اور خطاؤن کو ہمیشہ کے لیے طاق نسیان پر ڈال دین اور زمانۂ آیندہ مین، جو ہمارے لیے اب کھلا ہی، نئی اُمیدون، نئی ہمت، اور نئی قوت کے ساتھ چل پڑین۔

---

* یہ الفاظ ہر ایک عیسائی کو عقدِ نکاح کے وقت اقرار کے طور پر پادری کے سامنے کہنے پڑتے ہین۔ (رہبر)

ایک خوشی کا بھرا ہوا گھر جنت کی عمدہ ترین تصویر ہے کون گھر؟ وہ گھر، جس مین زن و شو
مان باپ. بھائی بہن، بچے اور والدین. اپنے اپنے طور پر ایک دوسرے کے کام مین
اِس طرح سے مدد اور پشتی دیتے ہین کہ دوسرا بنی نوع انسان نہین دے سکتا؟ اِس لیے، کہ کسی دوسرے
شخص کو وہ مواقع حاصل نہین، کوئی دوسرا شخص کسی دوسرے شخص کے اوصاف ذاتی
سے اس قدر واقفیت نہین رکھتا: کوئی دوسرا شخص کسی دوسرے شخص کی بہبود. شہرت
اور بھلائی سے اِس قدر دلچسپی نہین لے سکتا، جیسا کہ اُن لوگون کی بہبود وغیرہ سے. جن کی
ہڈی اُس کی ہڈی ہی جن کا گوشت اُس کا گوشت ہی جن کی خوشی و عزت مین اُس کی خوشی او عزت ہی جن کی تکلیف
و مصیبت مین اُس کی تکلیف و مصیبت ہی؛ جن کی خودغرضی. کمزوری، اور دُنیا داری سے
وہ تحت الثریٰ کو جا گرتا ہی. اور جن کی صفائی قلب، شریف النفسی، اور قوت سے (گو خود اپنی
خواہش کے برخلاف) ڈیوٹی، آسمان بلکہ خود خدا تک ترقی پا جاتا ہی؛

بالآخر، لڑکے بھی ایک بڑی (لیکن ساتھ ہی ایک دلخوش کن) ذمہ داری کی چیز ہین
جی۔ ہربرٹ کہتا ہی کہ "ایک اچھی مان سو اسکول ماسٹرون کے برابر ہی" لڑکون کو بعض وقت
"فرستادہ" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین؛ اور ناعاقبت اندیش والدین یہ کہکر اپنے تئین بری الذمہ
کرتے ہین، کہ "اگر خدا نے مُنہ دُنیا مین بھیجے ہین، تو وہ اُن کے بھرنے کے لئے رزق بھی بھیجیگا"
لیکن میتھو آرنلڈ کا یہ قول بہت صحیح ہی کہ اُن غریب لڑکون کو دُنیا مین لانے کی کوئی معقول
وجہ نہین معلوم ہوتی، جنھین تم صفائی ستھرائی کے ساتھ رکھ نہ سکو اور جنھین تم معتدبہ درجے
تک آرام نہ پہنچا سکو۔

اُنھین محبت کی دھوپ مین نشو و نما پانے دو؛ اگر اُن کی طفولیت کو محبت کی حرارت پہنچیگی،
تو وہ زندگی کی سردی کو اچھی طرح برداشت کر سکینگے۔

جو اپنے لڑکون کو پیار کرتا ہی، وہی کچھ اس کا لطف بتا سکتا ہی، کہ اُن پیارے بچون
کی پیاری باتون مین کیسی کیسی پیاری تانین ہوتی ہین، جو ایک آدمی کے دل کو وجد مین

سے آتی ہین۔ اُن کا لڑکپن، اُن کا تتلانا، اُن کے چھوٹے چھوٹے غصے، اُن کی معصومیت، اُن کی ہر ایک بات مین نمامی، اُن کی ضرورتین، یہ چھوٹی چھوٹی باتین اُس شخص کے دل پر جو اُن کی موجودگی اور معیت سے مزے لیتا ہے، خوشی اور تسلّی کی شعاعین ڈالتی ہین۔ لیکن جو شخص اپنی بیوی بچون سے محبت نہین رکھتا۔ وہ اپنے گھر مین ایک شیرنی کی پرورش کرتا، اور رنج و غم کے گھونسلے مین انڈے بٹھلاتا ہے۔ اور خود رحمتِ خداوندی بھی اُسے خوش نہین کر سکتی۔ پس سوا اس کے اور کوئی بات نہین ہے، کہ خدا کے تمام احکام، جو ایک مرد کے اپنی بیوی سے محبت رکھنے کے بارے مین ہین، صرف خوشی کے لوازم اور ضروریات مین سے ہین۔

مسئلۂ اہم

زندگی مین سب سے زیادہ ضرورت اِس بات کے سیکھنے کی ہی کہ زندگی کیونکر بسر کی جائے۔
لوگون کو کسی چیز کی خبر گیری کی ایسی فکر نہین رہتی جیسی زندگی کی، لیکن اس پر بھی وہ کسی چیز کی خبر گیری مین ایسی بے پروائی کو راہ نہین دیتے جیسی زندگی کی خبر گیری مین۔

یہ کوئی آسان کام نہین ہی۔ بقراط اپنے طبی مقولون کی ابتدا مین کہتا ہی کہ "زندگی مختصر ہی، علم مطوّل ہی، موقع تیز رَو ہی، تجربہ غیر معیّن ہی، اور فیصلہ مشکل ہی"

ہماری زندگانی کی شادمانی اور کامرانی ہماری حالتون اور حیثیتون پر نہین، بلکہ خود ہم ہی پر منحصر ہین" اکثر آدمیون نے اپنے آپ کو اُس سے زیادہ تباہ و برباد کیا ہی جتنا کہ وہ دوسرون کے ہاتھون تباہ ہوئے ہین؛ اکثر مکانات اور شہر آدمیون کے ہاتھون اس قدر منہدم اور مسمار کئے گئے ہین، کہ طوفانون اور زلزلون نے اُن کو اِس قدر نقصان کبھی نہین پہنچایا۔

تباہی کی دو قسمین ہین، ایک تو زمانے کا کام ہی، اور دوسرا انسان کا۔ تمام تباہیون سے بڑھکر وہ تباہی ہی جو انسان کے ہاتھ سے پہنچتی ہی؛ اور انسان کا سب سے بڑا دشمن بقول سینیکا کے، وہ ہی، جو اُس کے سینے مین رہتا ہی۔ لابروئیر کہتا ہی کہ "اکثر آدمی اپنے اوقات زیادہ تر دوسرون کو مصیبت مین گرفتار کرنے مین گذارتے ہین" بہتیری صورتون مین "جوانی کے جوش مارنے والے خون نے اُن اُن باتون کا ارتکاب کیا ہی، جن پر بڑھاپے کی تکلیف زدہ ہڈیون کو نادم اور متاسف ہونا پڑا ہی" اس لیے کہ۔

"گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہین"

بہتیرے آدمی جوانی مین ایسا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہین، جو پہلے تو ہلکا اور خوشگوار معلوم ہوتا ہی، اور واقع مین ایسا ہی ہوتا ہی؛ لیکن جون جون عمر بڑھتی جاتی ہی؛ وہی بوجھ اُن کو دباد باکر زیادہ چور کرتا جاتا ہی۔ آدمی اپنے آپ کو عزیز تو بہت

رکھتے ہیں، مگر عقلمندی کے ساتھ نہیں۔

مجھ پر بعض وقت لوگ آپٹیمسٹ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ مگر میں نے تو کبھی زندگی کے رنجوں اور تکلیفوں سے انکار نہیں کیا؛ یہ کبھی نہیں کہا کہ بنی آدم خوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں، ہاں البتہ وہ بسر کر سکتے ہیں؛ میں اس بات کا قائل ہوں، کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے، تو یہ بالعموم خود اُن کا قصور ہے؛ اور ہم میں سے اکثر کی یہ حالت ہے، کہ جس قدر شادمانی حاصل کرتے ہیں، اُس سے زیادہ برباد اور رایگاں کر ڈالتے ہیں۔ طبیعت کے ملال اور تکدر کا زیادہ تر یہی سبب ہوتا ہے۔

زباں میں کوئی جملہ ہے نہ ہرگز دلخراش ایسا +
"چنیں بودے۔ چناں بودے" ہے یارو! رنج دہ جیسا

بہتیری صورتوں میں جس چیز کو ہم بدی کہتے ہیں، وہ حقیقت میں نیکی ہے، مگر بے محل یا حدِ اعتدال سے گزری ہوئی۔ اگر ایک پہیا یا اُس کا ایک دندانہ بھی جگہ سے بے جگہ ہو جائے تو کل اپنے کیل کانٹوں سے کوئی کام نہ لے سکے۔ اسی طرح اگر ہم نظامِ عالم کے خلاف کوئی کام کریں، تو ہمیں بھی اُسی قسم کے نقصان کا متوقع ہونا ضرور ہے۔ حد سے گزری ہوئی شجاعت تہوّر، محبت دل کی کمزوری، اور کفایت شعاری بخل ہے۔ یہ بات تو ضرب المثل ہے کہ جو شے ایک کے لئے قند و مصری ہے دوسرے کے لئے زہر ہے۔ کوئی شخص اب تک یہ نہیں ثابت کر سکا، کہ قوانینِ قدرت کا کوئی تغیر بھی مُفید ہوگا۔ ہر چند ایک شخص گِر کر اپنی ٹانگ توڑ ڈالے، لیکن قانونِ ثِقل کا کوئی تغیر بھی سود مند نہیں ثابت ہو سکتا۔

---

۴ یورپ کے فلاسفۂ زمانۂ حال کے دو فرقے ہیں۔ آپٹیمسٹ اور پیسیمسٹ۔ اول الذکر وہ ہیں جو عالم کی ہر ایک چیز کو اچھی نظروں سے دیکھتے ہیں، اور آخر الذکر وہ، جو دُنیا کی ہر ایک شے پر بُری نگاہ ڈالتے ہیں۔ (مترجم۔)

پارسی خوشی کو اورمزد (فرشتۂ نیکی) کے سر دھرتے، اور اہرمن (عفریت بدی) کو رنج کا باعث بتاتے تھے۔ لیکن حقیقت مین ہم زندگی کے مصائب خود اپنی غلط کاریون کی بدولت اپنے سر لاتے ہین، ان غلط کاریون کے دو نون معنی سمجھے جاتے ہین، یعنی اولاً اُس کام کا ارتکاب جس کو ہم ہمیشہ غلط خیال کرتے رہے ہین، اور ثانیاً، غلطی سے کسی شے کا ارتکاب۔ ہم نے تو پہلی قسم کی غلطیون کی گویا بنیاد اپنے دلون مین ڈال دی ہے۔ اُسی کام کو کرنے کی کوشش کرو جو تمھین کرنا چاہیے، اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہی کام تمھارے سامنے آئیگا جو تمھین کرنا چاہیے۔ اگر ہم کوئی غلطی کرتے ہین، تو اپنی آنکھین کھولکر کرتے ہین، اس لئے کہ اگر آنکھین کھولکر نہین کرتے، تو جب تک انھین قصداً بند نہ کرلین، ہم بیوقوفی کا کام کر سکتے ہین، مگر اُس کا شمار گناہون مین نہین ہے۔

دوسری قسم کی غلطیون سے بچنے کے لئے، ہمین خود اپنی عقل، اپنے والدین کی عقل، اپنے بزرگون کی عقل، اپنے دوستون کی عقل، اپنی تعلیم، اور اپنے آپ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اس مین شک نہین کہ ہماری تعلیم خود ہمارا کام ہے۔ ہم سب کے پاس ایک ایسا شاگرد ضرور ہے، جس کو تعلیم و تربیت کرنی ہمین لازم ہے۔

جو کچھ ہم خود اپنے تئین سکھاتے ہین، وہ اُس سے زیادہ تر ہمارے وجود کا ایک حصہ ہو جاتا ہے، جو ہم اَورون سے سیکھتے ہین۔ جب ہم مدرسے سے نکلتے ہین، اُس وقت ہماری تعلیم ختم نہین ہو جاتی ہے، ہمین نہین اُسی وقت تو گویا شروع ہوتی ہے، اور زندگی بھر اُس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سینیکا کہتا ہے "کیا اچھا ہو، اگر آدمی، جس طرح اپنے بدنون سے کام لیتے ہین، اُسی طرح اپنے دماغون سے بھی کام لین، اور جتنی تکلیفین خوشی کے حاصل

کرنے مین اٹھاتے ہین، اُسی قدر مصیبتین نیکی کے دستیاب کرنے مین بھی برداشت کرین ''

بعض فرقے جبری ہین۔ اُن کے خیال مین ہر ایک چیز مقدر کر دی گئی ہے، اور جو چیز ہونے والی ہے، ہو کر رہیگی، خواہ ہم اُس کی خواہش کرین یا نہ کرین۔ وہ سمجھتے ہین کہ انسان ایک کل کا پتلا ہے، جو ایک طاقت اعلیٰ کے ہاتھ مین ہے۔ پس سب سے پہلا امر قابل غور یہ ہے، کہ آیا زندگی کا کوئی سائنس ہے یا نہین۔ کیا زمانے کے سمندر پر ہم اپنا جہاز آپ چلا سکتے ہین، یا اس بات پر مجبور ہین کہ پانی کی روانی ہمین جدھر چاہے بہا کرلے جائے؟ جواب ظاہر ظاہر ہے ''انسان انسان ہے، اور اپنی تقدیر کا آپ مالک ہے'' اور اگر ایسا نہین ہے، تو یہ خود اُس کا قصور ہے۔ وہ اپنی زندگانی کو جیسا چاہے، خواہ ایک ظفرمندانہ کوچ خواہ ایک جنازے کا جلوس، بنا سکتا ہے'' تم جیسا ہونا چاہتے ہو ویسے ہی ہو! کیونکہ ہماری خواہش کا (خدا کی مرضی کے شمول کے ساتھ) یہی نقامنا ہے، کہ ہم، دل ۔ ، اور خالص نیت سے، جیسا ہونا چاہتے ہین، ویسے ہو جاتے ہین'' اس کے علاوہ، ہم اکثر اس بات کو جانتے ہوتے ہین کہ ہمین کیا کرنا چاہئے اس لئے کہ ہمارا کانشنس (ضمیر) ہمین اُس سے کہین زیادہ بتاتا ہے، جو ایک بلند منار پر تعینات کئے ہوئے سات چوکیدار بتا سکتے ہین۔

پس اگر ہم کو اپنے مقدر پر اس قدر اختیار حاصل ہے، تو ہمین اپنے دل سے یہ سوال کرنا نہایت ضروری ہے، کہ ہم کیا ہونا چاہتے ہین، اور کیونکر اپنی زندگی کو عمدہ ترین حالت پر پہنچا سکتے ہین۔ بعض اشخاص کو زندگانی مین کوئی مقصد ہوتا ہے، اور بعضون کو کوئی مقصد نہین ہوتا۔ ہمارا پہلا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کو مفید ترین زندگی بنائین۔ ہمبولٹ کہتا ہے'' ہر شخص کا یہ مقصد ہونا چاہئے

کہ وہ اپنی طاقتون کی اعلیٰ اور یکسان ترقی حاصل کر کے اُن کا ایک مجموعہ مرکب بنائے" اور بقول جین پال رچر کے، "اُس مین جس قسم کی قابلیت ہو، اُس کو پوری طرح سے کام مین لائے" لیکن ہمین محض خود غرضی کی نظر سے اس بات کی کوشش نہین کرنی چاہئے، ورنہ ناکامی کو یقینی سمجھنا چاہئے۔ بیکن کہتا ہے، "کسی شخص کی ذاتی دولت ہرگز ایک ایسا مقصد نہین ہو سکتی، جو اُس کے وجود کے شایان ہو" بہترین اور اعلیٰ ترین دل و دماغ کے اشخاص، مثلاً، افلاطون، ارسطو، بودھ، اور سینٹ پال، ذاتی غرض کے لئے اپنے اوصاف کی تکمیل پر ہرگز قانع نہین ہوتے تھے۔

اب مین یہ تسلیم کرونگا، کہ ہمین اپنی قابلیتون کو دوسرون کے لئے پوری طرح سے کام مین لانا ہے؛ اور اب مجھے فوراً یہ بتا دینا چاہئے، کہ اس صورت مین ہمارے پیش نظر ایک کیسا دلچسپ کام ہے۔ یونانی کا نہایت مشہور مقولہ "اپنے آپ کو پہچانو"، اپنے آپ کو پہچاننے کی کس قدر اہمیت اور نیز اشکال ظاہر کرتا ہے! مانٹین کس لطف کے ساتھ کہتا ہے، "مین نے دنیا مین اپنے آپ سے بڑھکر کوئی حقیقی جن یا معجزہ نہین دیکھا"؛ اور سر ٹی۔ براون، جن کی زندگی کسی قدر واقعات سے بھری ہوئی اور تشویشناک تھی، جیسا کہ ایک زندگی کو ہونا چاہئے، ہمین اس بات کا یقین دلاتا ہے، کہ وہ خود اپنے نزدیک "ایک تیس برس کا معجزہ معلوم ہوتا تھا، جس کے حالات کا بیان کوئی تاریخ نہ تھی، بلکہ نظم تھی، اور جو سننے مین افسانہ معلوم ہوتا تھا"، ہر شخص کے لئے اُس کی خاص زندگی، ایک نظم سجع اور ایک افسانہ ہے۔

نصیحت، ریہوبوم کے زمانے سے لارڈ چسٹر فیلڈ کے وقت تک، ایک بے قدر اور ناشکور کام ثابت ہوئی ہے؛ اور مین نیوزیلینڈ کے ایک نو عیسائی کے افسوسناک انجام کا واقعہ نہین بھول سکتا، جس کی نسبت اُس کے سردار نے مشنری سے بیان کیا تھا، کہ "اس نے ہمین اس قدر نصیحتین کین، کہ آخر ہم نے

سالی جان سے لیتا ہم جو شخص "نصیحت کے تازہ مال کو ارزان خریدنا قبول نہ کریگا۔ اُس کو ندامت کا استعمال مین لایا ہوا مال گران خرید نا پڑیگا" اب میرا مقصد یہ ہے، کہ ان لوگون کو جو کچھ ہونا اور کچھ کرنا چاہتے ہین بعض صلاح نصیحت صلاح دون تاکہ وہ اپنی ذات اور اپنی زندگی کو بہترین کام مین لائین۔

یہ بات دیکھکر، کہ انسان اپنے موقعون کو کیونکر ضایع کرتا ہے، واقعی نہایت افسوس ہوتا ہے۔ کتنے ہی آدمی اُن نعمتون سے، جنھین اُنھون نے بے پروائی سے برباد اور رائگان کر ڈالے، شادمانی حاصل کر سکتے تھے! شادمانی دل کی ایک حالت ہے، نہ کہ صورتہائے حال کا ایک نتیجہ! اور بقول ڈوگلڈ اسٹوارٹ کے۔ شادمانی بہت کچھ اس بات پر منحصر ہے، کہ ہم بیرونی چیزون کے ساتھ سازگاری کرین، نہ کہ اس بات کی فضول کوشش کرین، کہ بیرونی چیزین ہمارے ساتھ سازگاری کرین، ہیوم نے بہت خوب کہا ہے، کہ ایک بشاش طبیعت ہزار پونڈ سالانہ آمدنی کی زمینداری سے بہتر ہے۔ جو جو نعمتین تمھین حاصل ہون، اُن کی قدر کرنے کی کوشش کرو، تب تمھین اس بات کا پتا لگیگا، کہ اُن نعمتون کو تم جس قدر خیال کرتے ہو۔ حقیقت مین وہ اُس سے زیادہ ہین۔ لیکن اکثر "قدر نعمت بعد زوال نعمت" ہوا کرتی ہے۔

اس کا خیال رکھو، کہ تمھاری خوشیان حقیقی ہون، محض خیالی نہ ہون بہت سے کام ہم اس لئے کرتے ہین، کہ وہ خوشی کے نام سے موسوم ہین، اور اگر وہ کسی اور لقب سے ملقب ہون، تو ہم ان سے نفرت کرنے لگین۔ بہت سے لوگون کا یہ خیال ہوتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی چین سے بسر کرتے ہین، اور یہ صرف اس لئے کہ وہ بیکار رہتے ہین۔ اور بعضون کی سمجھ مین خوشی کو گویا صرف حواس خمسہ سے تعلق ہے! حالانکہ دل کی خوشی زیادہ مکمل بھی ہوتی ہے اور زیادہ پائدار بھی۔

قیمت عام سالانہ عہ مع محصول ڈاک۔

دار السلطنت کلکتہ کا ماہوار رسالہ

لسان الصدق

ایڈیٹر ابو الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی

جسمین

عام علمی، و اخلاقی، تاریخی، سائنٹیفک مضامین کے علاوہ ذیل کے چار مقصد و نپر مضامین شائع ہوتے ہین۔

(لسان الصدق کے خاص مقاصد اربعہ)

(۱) سوشیل ریفارم۔ یعنی مسلمانون کی معاشرت، اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

(۲) ترقی اُردو۔ یعنی اردو زبان کی علمی، ادبی ترقی کی کوشش کرنی۔

(۳) تنقید۔ یعنی ملک کی مشہور تصنیفون، اور اخبارون پر منصفانہ ریویو کرنا۔

(۴) علمی مذاق کی اشاعت۔ بالخصوص بنگال مین۔

مقام اشاعت۔ نمبر ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ۔ کلکتہ

[illegible] کلکتہ نمبر ۱۴ [illegible] پریس میں چھپا

سرورق ٹائٹل [illegible] پریس کلکتہ مین چھپا

عربی تعلیم کا اُردو مین ایک مفید اور مختصر سلسلہ

کتاب الصرف کتاب النحو عربی بول چال

(مصنفہ جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب امرتسری سیاح ممالک اسلامیہ)

یہ تین کتابین عربی صرف ونحو وادب کا مکمل کورس ہین جسمین ان فنون کے تمام اشکال اور پیچیدگیان رفع کرکے نہایت صاف اور سہل اُردو مین ضروری مسائل ترتیب دیے گے ہین۔ یہ تین مختصرسی کتابین (جنکے پڑھ لینے کے بعد نہ کافیہ شافیہ کے مطالعہ کی ضرورت ہے اور نہ شرح جامی کے پیچیدہ طرز بیان مین تضئیع وقت کی) تھوڑے سے عرصہ مین اتنی قابلیت پیدا کرسکتی ہین، کہ عربی کی عبارت صحت کے ساتھ پڑھ لی جائے۔ اسکے مطالب سمجھ میں آجائین۔ عربی مین بلا تکلف خط وکتابت کرسکین۔ اور عربی گفتگو مین دقت نہ ہو اور اتنی عربیت اِس زمانے مین کافی سے زیادہ ہے۔ بلکہ قدیم طرز کی کتابین بول چال کی قابلیت پیدا کرتی ہین۔ اور نہ اُنکے رٹ لینے سے اسقدر قوت آسکتی ہے کہ بلا تکلف عربی مین تحریر وتقریر کی لیاقت آجائے۔ انجمن حمایت اسلام نے پہلی دو کتابوں کو اپنے حمیدیہ مدرسہ مین داخل نصاب کیا ہے۔ اور پنجاب گمنٹ بک کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ یہ کتابین مڈل اسکول اور ہائی اسکول کے کتب خانون کی فہرست مین شامل کی جائین۔ ملک نے اِن کتابون کو جن قبولیت کی نگاہون سے دیکھا اسکا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ تھوڑی سی مدت مین یہ کتابین پانچ چار مرتبہ چھپ چکی ہین اور ملک کی مانگ اسیطرح بڑھ رہی ہے۔

یہ تمام کتابین جناب حافظ صاحب سے "ایجکیشن ایجنسی، کشمیری بازار لاہور" کے پتہ سے مل سکتی ہین۔

لسان الصدق

(دار السلطنت کلکتہ کا ایک ماہوار علمی رسالہ)

جلد (۲) | اگسٹ (و) سپتمبر ۱۹۰۴ء | نمبر (۸، و ۹)

فہرست مضامین

الندوہ

خریداران لسان الصدق

"کی خدمت مین ایک گذارش"

حضرات!

تین مہینہ کی مسلسل غیر حاضری کے بعد آج لسان الصدق حاضر ہوتا ہے، ایڈیٹر کی سخت علالت، مختلف مقامات کا سفر، چند در چند پریشانیان، یہ اور اسی قسم کے اور وجوہ ہین، جنسے مین اسوقت معذرت کا کافی کام لے سکتا ہون۔ لیکن درحقیقت اپنی ذاتی مجبوریونکو کسی پبلک کام مین پیش کرنا ایک ناجائز طریقہ ہے۔ اسلئے مین اپنی کمزوری کا اعتراف کرکے لسان الصدق کی آئندہ حالت کے متعلق اطمینان دلاتا ہون کہ اب اسکو آپ ہمیشہ وقت کا سخت پابند اور ہر حیثیت سے بہتر پائینگے۔ اسی پرچہ مین آئندہ آپکو ان حضرات کی تحریرین نظر آئین گی جنکی مستقل تصنیفات کے سوا تمام رسایل مین بمشکل زیارت ہوتی ہے۔ چھپائی لکھائی کے لحاظ سے یہ پرچہ انشاءاللہ تمام پرچون مین ممتاز ثابت ہوگا۔ عمدہ تصاویر اور نقشونسے پرچہ کو رونق دیجائیگی۔ عام مضامین کے سوا بالخصوص سائنٹفک تحریرات کا خاص اہتمام ہوگا۔ اور عموماً انھین عنوانونپر تحریرین نکلا کرینگی۔ جنپر اردو مین آجتک بالکل نہین یا بہت کم لکھا گیا ہے۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ اسکی اشاعت مین کوشش فرمائے آئندہ نمبر آپ کی خدمت مین وی پی روانہ کیا جائیگا تاکہ آئندہ سال کی قیمت آپ سے ایک روپیہ کم لی جائے۔ ورنہ جنوری کے بعد عہ قرار پائی ہے۔ اگر آپکا سال چند ماہ بعد ختم ہونے والا ہے تو قیمت پیشگی جمع رہیگی اور اسی مہینے سے سال شروع ہوگا قیمت اسوقت اسلئے وصول کیجاتی ہے کہ جنوری کے بعد عہ دینے پڑینگے۔ اسوقت آپکی بڑی مدد یہ ہوگی کہ آپ وی پی وصول فرمالین تاکہ ہمکو پرچہ کی اصلاح و ترقی کا کافی موقعہ ملے۔

ایڈیٹر

ترقی اردو

اور تراجم علوم و فنون کا سلسلہ

نمبر ۱

(۱) ..... اردو زبان ایک علمی زبان کا درجہ کیونکر حاصل کر سکتی ہے ؟

یہ ایک ضروری سوال ہے، جس کے جواب مین ہمین ان زبانون پر غور کرنا چاہیے، جو آج علمی زبانین تسلیم کی جاتی ہین: مشرق کی زندہ زبانون مین سب سے بڑی علمی زبان "عربی" ہے جس نے اسلام کی مقدس گود مین تربیت پائی ہے، اسکی نشو و نما اگرچہ ظہور اسلام سے بہت پیشتر ہو چکی تھی، لیکن اسلام کے طفیل یہ ایک مذہبی زبان ہو گئی، اور مسلمانون کا ذخیرہ عربی کے لئے وقف کر دیا گیا، عربی کا یہ پہلا قدم تھا، جو اس نے ترقی کے زینے پر رکھا، یہی وہ زینہ تھا جہان سے وہ معراج کمال تک پہنچنا چاہتی تھی.

اسلام کا ابتدائی زمانہ بالکل ایک مذہبی دور تھا، جسمین مذہبی اور ملکی ترقی کے سوا اور کسی طرف توجہ نہ ہو سکی، لیکن جب مسلمانون کو ملکی کاوشون سے اطمینان ہوا، تو اطلبو العلم کی تعلیم نے ان کو علمی ذخیرہ کی طرف توجہ دلائی اور یونان و فارس کے خزانے دفعتاً عربی مین نظر آنے لگے، علوم و فنون سے فیضیاب ہو کر عربی نے خود بھی زر و جواہر کے انبار لگا دئے، تاریخ، اور فلسفہ مین خاص امتیاز حاصل کیا، طب کی تجدید کی، جس فلسفہ اور منطق کو "افلاطون اور ارسطو" کی زبانین نہین سمجھا سکین، اسکو عربی نے اس خوبی سے سمجھا دیا کہ دنیا کی جاہل زبانین بھی اوس سے فیضیاب ہو گئین.

یہ ایک اجمالی روئداد ہے، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ عرب کے صحرا نشین بدوؤن کی زبان

کچہ عرصہ مین ایک علمی زبان کیون بنگئی ؟ اور ساتہہ ہی یہ بات بہی، کہ کسی زبان کے علمی زبان بننے کیلئے دو حیثیتین ضرور ہوتے ہین۔

(۱) وہ زبانین جو ذاتی سرمایہ رکہتی ہین

(۲) وہ زبانین جو دوسری علمی زبانون سے علوم بذریعہ تراجم حاصل کرتی ہین

قدیم فارسی، یونانی، مصری زبانین پہلی شق مین داخل ہین، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ دوسری شق سے بالکل مستغنی ہون۔

عربی زبان چونکہ اپنا ذاتی سرمایہ مذہب اور ادب کے سوا اور کچہ نہین رکہتی تہی، اس لئے اس کو پہلے دوسری زبانون کا دست نگر ہونا پڑا، آج دنیا مین یورپ کی زبانین اعلے درجہ کی علمی زبانین تسلیم کیجاتی ہین۔ لیکن کیا اون کو تراجم کی ضرورت نہین ہوئی ؟ یہ سچ ہے کہ ان کا ذاتی سرمایہ موجودہ زمانے مین بہت کچہ ترقی کر گیا ہے، لیکن اس ترقی کی بنیاد ترجمۂ علوم ہی نے رکہی تہی، جسپر جدید انکشافات وتحقیقات کے اضافہ نے ایک عالیشان عمارت طیار کردی کوئی زبان ہمین ایسی نہین ملسکتی، جس نے کسی علمی زبان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، اور تراجم کے سلسلہ سے فیضیاب نہ ہوئی ہو، زبان جب پیدا ہوتی ہے، تو اس کو ایک خاص قسم کی سوسائٹی ملتی ہے، جہان وہ نشو ونما پاتی ہے، وہ سوسائٹی اگر قابل ہوتی ہے، تو زبان پر بہی اُسکا اثر پڑتا ہے، اور وہ خود بہی قابلیت پیدا کرتی ہے، اگر اس کی قابلیت صرف اوس سوسائٹی تک محدود رہتی ہے، ہان جب وہ دیکہتی ہے، کہ دنیا مین مجہسے بہی زیادہ قابل وفاضل زبانین موجود ہین، تو اوسکی غیرت گوارا نہین کرتی، کہ ہاتہہ پر ہاتہہ دہرے بیٹہی رہے، اس لئے اُن زبانون کی شاگردی کرتی ہے، اور اُنکی قابلیت اور فضل وکمال سے فائدہ اُٹہاتی ہے اگر اُس نے ایسا کیا اور کامیاب ہوئی، تو بیشک، تہوڑے ہی عرصہ مین زبان علمیت کے منتہائے کمال تک ترقی کرجاتی ہے، اور اگر اُس نے ایک جاہل سوسائٹی مین اپنی تحصیلی عمر صرف کردی، اور آنکہین کہول کر دنیا کے باکمال زبانون کو نہین دیکہا، تو اگرچہ وہ دنیا

مین ایک زبان سمجی جاتی ہے، لیکن ذلیل وخوار اپنی باقی زندگی نہایت بیوسعی اور ذلت سے گذارتی ہے۔

یہی وہ وجہہ ہی کہ اسلام کا جب تک دور رہا، عربی بالکل ایک سادہ حالت مین رہی کیونکہ اہل عرب کی سادگی مجسم سوسائٹی کا اوس پر گہرا اثر پڑتا رہا، لیکن جب تراجم علوم وفنون کا سلسلہ شروع ہوا، اور یونان وفارس کی علمی زبانون کی اس نے شاگردی کی، اُن کے کمالات حاصل کئے، تو تہوڑے ہی عرصہ مین دنیا کی ایک عظیم الشان زبان تسلیم کرلی گئی۔

اردو زبان ایک ایسے زمانے مین پیدا ہوئی، جبکہ اسلامی علوم وفنون کی ترقی کا دور ختم ہوچکا تہا، اور تنزل کی بنیادین مضبوط ہوگئین تہین، اس نے ایک ایسی سوسائٹی مین پرورش پائی، جو علوم وفنون سے بالکل بے خبر تہی، اور اپنی بے بہا زندگی بے فکری اور لاابالی کی نذر کرچکی تہی. آنکہ کہولکر اس نے جسکو دیکہا اسی حالت مین مست دیکہا، سوسائٹی ہی کا یہ اثر تہا، کہ اسے بچپن ہی سے عشق ومحبت کی چاشنی پسند آگئی، اور اپنے شباب کا زمانہ اسی عشق ومحبت کے جذبات مین صرف کردیا، ہندوستان کی سلطنت مین جب انقلاب ہوا اور ایک متمدن قوم نے سلطنت کی باگ اپنے ہاتہہ مین لی، تو اوسکی علمی زبان کا اردو پر بہی اثر پڑنے لگا. یہ پہلا موقعہ تہا کہ اردو علمی صورت سے روشناس ہوئی. اسی تمدنی اثر سے اخبارات جاری ہوئے، کتابین لکہی گئین، لوگون کو جدید علوم کا شوق ہوا، انگریزی سے کتابین اردو مین ترجمہ کیگئین، اور جنیل مضامین پر بہی علمی طریقہ سے کتابین تصنیف کی گئین، غرضکہ اردو جس گہری نیند مین سو رہی تہی، اس سے ایک کروٹ لی، زمانہ کی ضرورتون سے واقف ہوئی، اور آج تک کچھہ کچھہ ترقی کرتی رہی۔

لیکن درحقیقت نہ تو ان چند اخبارات سے یہ علمی زبان بن سکتی ہے، اور نہ ان ترجمون سے، جو متفرق طور پر شایع ہوگئے ہین، اردو زبان جبہی ترقی کرسکتی ہے، اور علمی زبان بن سکتی ہے، جبکہ اسمین باضابطہ تراجم علوم وفنون کا سلسلہ قایم کیا جائے، جدید علوم کے ہر صیغہ مین

مبسوط اور جامع کتابین ترجمہ کی جائین۔ علوم و فنون کا کوئی پہلو یورپ کی زبانون مین ایسا نہ ہو جسکا اردو مین ترجمہ موجود نہ ہو۔ جب تک ۰۰۰ مین ایسا منظم سلسلہ قایم نہ ہوگا۔ اس کی علمی ترقی محال ہے۔

عربی زبان نے جس زمانے مین علمی اثرات حاصل کرنے چاہے۔ یہ وہ زمانا تھا کہ یونان و فارس کی زبانون کے سوا دنیا مین اور کوئی علمی زبان تسلیم نہین کی جاتی تھی۔ یہی وہ زبانین تھین، جنمین علوم و فنون کا مخزن موجود تھا، اس لئے جب عربی نے ترقی کرنی چاہی تو انہین زبانون کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور انہین زبانون سے علوم ترجمہ کئے گئے، آج دنیا مین یورپ کی زبانون کا دورہ ہے، یہی علمی زبانین ہین، یہی علوم و فنون کے مخزن مین، یہی آج علمی دنیا کے ماوا و ملجا تسلیم کئے جاتے ہین، اس لئے جسطرح عربی یونان و فارس کے سرچشمون سے سیراب ہوئی، اردو کو یورپ سے فیضیاب ہونا چاہیے۔

اس کی سب سے عمدہ مثال ممالک اسلامیہ مین ملسکتی ہے، جہان وہ عربی جو کسی زمانے مین ارسطو اور افلاطون کی تحقیقات سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ آج بیکن اور نیوٹن کے ایجادات سے مالامال ہو رہی ہے، مصر اور قسطنطنیہ مین ابتدا سے تعلیم کے ساتھ تراجم کا سلسلہ قایم کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی اور ترکی مین علوم جدیدہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، سائنس کی کوئی شاخ بمشکل ایسی ملیگی، جسمین کوئی کتاب عربی مین ترجمہ نہ کی گئی ہو، شام کے عرب عیسائیون نے اور بالخصوص بیروت کے "رومن کیتھولک" عیسائیون نے تراجم علوم کو عربی مین جو وسعت دی ہے، اسکی نظیر اس وقت کسی شرقی زبان مین نہین ملسکتی، "ڈاکٹر کرنیلیوس فانڈیک جو شام کا ایک مشہور عربی مترجم اور مصنف تھا، اور جسے انتقال کئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے، اس نے علاوہ اور سائنٹیفک مضامین کے ایک ایسا عمدہ سلسلہ عربی مین مرتب کر دیا ہے، جس کے دیکھ لینے سے سائنس کے تمام شاخون پر ایک اجمالی نظر ہو جاتی ہے، اس کا نام "النقش فی الحجر" ہے، اور آٹھ جلد مین

شایع ہوا ہے۔ اسی طرح پروفیسر بطرس بستانی بیروت کا ایک مشہور مصنف گذرا ہے جس نے سب سے بڑا کام یہ کیا، کہ عربی مین ایک بسیط انسائیکلوپیڈیا کی بنا ڈالی، جو درحقیقت موجودہ زمانے کی ایک اعلیٰ درجہ کی طرز تصنیف ہے: اس کی چار جلدین اوس نے خود اپنی زندگی مین شایع کین تھین، اور چھہ اس کے بعد اس کے لڑکے اور پوتے نے شایع کین، کل گیارہ جلدین شایع ہو چکی ہین، اور ابھی حرف حرف (ع) تک مضامین پہنچے ہین، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ کس جامعیت اور بسط سے لکھی گئی ہے۔

ان مصنفین کے علاوہ علی پاشا مبارک، رفاعہ بیک، محمود پاشا، احمد فارسی، یوحنا بکادیوس وغیرہ مصر و قسطنطنیہ اور بیروت کے مشہور مصنف اور مترجم گذرے ہین، جنھون نے اپنی گرانمایہ کوششون سے عربی مین علوم و فنون کا عمدہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو ہمیشہ وسیع ہوتا رہیگا۔

جو لوگ وہان کی علمی حالت سے واقف ہین، وہ سمجھ سکتے ہین کہ ان ترجمون سے قوم کو اور قوم کی زبان کو کتنا عظیم الشان فائدہ حاصل ہوا، روز بروز کتابین ترجمہ کی جا رہی ہین، اخبار و رسائل جدید معلومات کی اشاعت مین سرگرمی سے کوشش کر رہے ہین، ان تراجم کی بدولت اب قوم مین خود تصنیف و تالیف کا مادہ پیدا ہو چلا ہے، اور بڑے بڑے اہم مسائل پر بجائے ترجمہ کے لوگ تصنیف کی طرف متوجہ ہو گئے ہین۔

جو کچھہ علمی روشنی آج ممالک اسلامیہ مین نظر آ رہی ہے، یہ صرف اس لئے ہے، کہ یہان ابتدا سے تراجم علوم و فنون کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھہ جاری رہا، اور قوم نے اپنی زبان کی ترقی کے لئے لازمی سمجھکر اس کی طرف کافی توجہ کی، برخلاف ہندوستان کے، جہان ایک عام غفلت چھائی ہوئی ہے، اور اپنی ملکی زبان کی ترقی سے قوم بالکل بے خبر ہے، تعلیم بیشک لوگون کے دلون مین گھر کر رہی ہے، لیکن اس سے کیا نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ

تعلیم سے صرف شخصی منفعت کا حاصل کرلینا، تعلیم کی اصلی غرض تسلیم کرلی گئی ہے، اور تعلیم کے اس اصلی منشا کا کسی کو احساس نہین، کہ جس تعلیم کو ہمنے سخت محنت سے حاصل کیا ہے اُس سے قوم کو اور قوم کی زبان کو ترجمون کے ذریعے فائدہ پہنچائین. جیساکہ ہم اوپر لکھ چکے ہین، کسی زبان کے علمی زبان ہونے کے لئے دو باتین ضرور ہوتی ہین، ایک اوس کا ذاتی سرمایہ دوسرا علمی زبان کے تراجم، اردو کا جو کچھ سرمایہ ہی ظاہر ہے، کوئی زبان صرف اس لئے علمی زبان تسلیم نہین کیجاتی، کہ اُسمین میرو مرزا یا دبیرو انیس کی سی اعلی شاعری موجود ہی، بلکہ اس لئے، کہ اُس مین علوم وفنون کا حصہ قابل قدر پایا جاتا ہے، آج انگریزی کو مشرقی زبانون پر "ملٹن سن یا ملٹن" کیوجہ سے فوقیت نہین ہے، بلکہ بیکن "نیوٹن" ڈاردن" جیسے فلاسفرون کی وجہ سی پس اگر ہم اردو کو ایک علمی زبان بنانا چاہتے ہین، تو ہمارا فرض یہ ہے کہ یورپ کی علمی زبانون کا سرمایہ ترجمہ کرکے اردو مین جمع کرین، ورنہ اس ضرورت سی چشم پوشی کرکے شیکسپیر کے ڈرامون اور رینلڈز کے ناولون کا ترجمہ کرنا، دنیا کو اپنی جہالت پر خود ہنسوانا ہے، یہ خیال کوئی نیا خیال نہین ہے، سب سی پہلے ایسٹ انڈین کمپنی نے ایک سوسائٹی اردو مین ترجمہ کرنے کیلئے قایم کی تھی جسنے چند کتابین ترجمہ کرکے شایع بھی کین پھر ۱۸۶۶ء مین سرسید مرحوم نے سائنٹفک سوسائٹی اسی خیال سی قایم کی تھی، اس سوسائٹی نے بھی بعض عمدہ کتابین اردو مین ترجمہ کرکے چھاپین، لیکن ۱۸۷۰ء مین جب سرسید انگلینڈ سے سفر سی واپس آئے، تو اُن کے اوس دماغ نے جسمین اکسفورڈ، اور کیمبرج کا نقشہ جما ہوا تھا، تراجم علوم فنون کے سلسلے کو قبل از وقت اور تعلیمی ضرورتون کے لحاظ سی فضول سمجھا، سوسائٹی کو توڑا، اور علیگڈہ کالج کی بنیاد ڈالی، اسمین کوئی شک نہین، کہ جس زمانے مین، اور جن قومی ضرورتون کے لحاظ سی، سرسید نے ایسا کیا، وہ بہت ٹھیک، اور نہایت بجا کیا، بیشک، جب کہ قوم مین تعلیم نام کو نہو، تعلیم کی خوبیون سی بالکل بے خبر ہو، تو ایسی حالت مین ایک رفارمر کا سب سی پہلا فرض یہ ہی، کہ قوم کو تعلیم کیطرف متوجہ کرے اور اس زبان سے واقف کرے، جو مخزن علوم وفنون ہے، تعلیم سے قوم کا دماغ روشن ہوگا،

گورنمنٹ ذطریق سلطنت، اور منشار قانون سمجھنے کی لیاقت پیدا ہوگی، تہذیب وشایستگی سے واقف ہوگی، اعلیٰ عہدے کے عہدونکا استحقاق پیدا ہوگا۔ لیکن جبکہ قوم مین تعلیم پھیل رہی ہے، خیالات روشن ہوتے ہین، اور وہ مشکلات دور ہوگیین، جن کا سرسید کو سامنا ہوا تھا تو ایسی حالت مین تراجم علوم وفنون کا سلسلہ جو زبان اور قوم کی حقیقی خدمت ہے کیون نہ جاری کیا جائے؟ قوم اگر تعلیم کے قابل ہوئی ہے، تو قوم کی زبان کو علم سے کیون نہ قابل کیا جائے؟

سرسید مرحوم کی زندگی مین بعض اور ایسی مخالفتین پائی جاتی ہین، جن سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سرسید ترجمہ کے سخت مخالف تھے، اور قوم کیلئے صرف تعلیم کو پسند کرتے تھے ۱۸۶۹ء مین جب ڈاکٹر لائٹنر کی کوششون سے (جو شرقی علوم کے بڑے حامی تھے) پنجاب یونیورسٹی قایم ہونے لگی، اور مشرقی علوم کا نصاب تجویز کیا گیا، تو سرسید نے اس کی بڑے زور وشور سے مخالفت کی، اور مشرقی علوم اور تراجم علوم کا فضول ہونا متعدد دلائل سے ثابت کیا، اسی طرح جب ۱۸۸۸ء مین الہ آباد یونیورسٹی اُسی خیال پر قایم ہوتی نظر آئی، تو سرسید نے پھر اسی خیال کی مخالفت مین ایک پرجوش آرٹیکل لکھکر شایع کیا، اور اس اصول کو قوم کے لیے سخت مضر قرار دیا ان واقعات سے بعض لوگون کو دھوکہ ہوا ہے کہ سرسید نفس ترجمہ کی ضرورت کے مخالف تھے اور اس کو قوم کے لیے ایک فضول کام سمجھتے تھے، لیکن یہ سخت غلطی ہے، جس نے سرسید کی اصلی غرض پر پردہ ڈالدیا ہے۔

سرسید نے جب سائنٹفک سوسائٹی کے بعد کالج کو قایم کیا تھا، تو انہون نے اس امر کو تسلیم کر لیا تھا کہ قوم کی ترقی انگریزی تعلیم کی اشاعت پر موقوف ہے اور درحقیقت ان کا یہ خیال نہایت صحیح تھا انہون نے آخر عمر تک انگریزی تعلیم کی حمایت کی، اور اسی کو وہ قوم کی سچی حمایت سمجھتے تھے پنجاب یونیورسٹی یا الہ آباد یونیورسٹی جب قایم ہونے لگی، تو سرسید کو معلوم ہوا، کہ بانیان یونیورسٹی نے بجائے انگریزی تعلیم کے صرف مشرقی علوم اور مشرقی زبانون کی تعلیم کا کورس جاری کرنا چاہا ہے اور انگریزی تعلیم سے مسلمانون کو محروم کرنے کا ارادہ کیا ہے، بیشک یہ خیال سرسید کیلئے

سخت تکلیف دہ تہا، انہوں نے اس کی مخالفت کی، اور سخت مخالفت کی، اس مخالفت کا مقصود صرف یہی تہا، کہ ہائی ایجوکیشن کے سلسلے کو توڑ کے اس کی جگہہ صرف مشرقی علوم اور تراجم کا سلسلہ قایم کرنا درحقیقت قوم کو برباد کرنا ہے، کیونکہ جب وہ تعلیم سے جو ان تمام ترقیات کا جز ہے محروم رہے. تو صرف تراجم سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تراجم جب ہی ہو سکتے ہین، جب کہ قوم تعلیم اور تعلیم کی خوبیوں سے اچہی طرح واقف ہو جانے، اور تعلیم سے خود مستفیض ہو اور اپنی زبان کو فیضیاب کرنے کیلئے آمادہ ہو، غرضکہ سرسید صرف تراجم کے بغیر سلسلہ تعلیم کے مخالف تہے، وہ اس کو قوم کے لئے سخت مضر سمجہتے تہے، کہ تراجم کی طرف متوجہ ہو کر تعلیم کو بالکل چہوڑ دیا جائے، اس سے یہ سمجہنا کہ سرسید نفس ترجمہ کے مخالف تہے، یا ترجمون کے ذریعے علوم کی اشاعت کو فضول اور ترقی قومی کے لئے مضر سمجہتے تہے تفسیر القول بما لا یرضی بہ قایلہ ہے۔

تراجم علوم و فنون کے متعلق اگرچہ ہم تمام بحثین طے کر چکے ہین، لیکن ابہی ایک اور مخالف رائے پر بحث کرنا باقی ہے، جو قوم کے ایک فاضل اور باوقعت مصنف کے قلم سے نکلی ہے، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے اپنے مشہور مضمون گذشتہ "تعلیم مسلمانان" مین قدیم تراجم علوم پر بحث کرتے ہوئے ایک طویل فہرست ان کتابون کی دی ہے جو خلفائے عباسیہ کے زمانے مین سنسکرت۔ یونانی و فارسی سے ترجمہ کی گئین تہین ان واقعات پر ریمارک کرتے ہوئے وہ تراجم علوم جدیدہ کے متعلق لکہتے ہین۔

> کہ انہین واقعات پر خیال کرنے سے "ٹرانسلیشنگ سوسائٹی علیگڈہ" کو دہوکا ہوا اور وہ سمجہے، کہ جس طرح ہمارے مورثون نے بذریعہ ترجمہ کے علوم کو ترقی دی، ہم بہی یورپ کے علوم و فنون کو اپنی زبان مین ترجمہ کرکے اپنے علوم اور اپنی قوم کو ترقی کے رتبہ پر پہنچا دین گے، مگر ان کا یہ قیاس غلط اور قیاس مع الفارق تہا، اول تو ترجمون کا اہتمام، اور لاکہون روپیہ کا صرف جو خلفائے عباسیہ کے زمانے مین ہوا اب غیر ممکن ہے

دوسرے اُس زمانے مین علوم محدود تہے۔ اور ترقی رک چکی تہی، جسقدر کتابین ترجمہ کی گئین، یونانیون کے علوم پر گویا احاطہ کر لیا گیا، اِس زمانے مین نہ علوم کی ترقی کی انتہا ہے۔ نہ ان کتابون کے شمار کی کوئی حد ہے۔ جنکی تصنیف برابر جاری ہے۔ تیسری بڑی غلطی اس قیاس مین یہ ہے کہ اُس زمانے مین عربی زبان جسمین ترجمہ ہوئے، تمام ممالک اسلام مین حکومت کرنے والی زبان تہی۔ دنیا مین ایسی کوئی مثال موجود نہین ہے کہ قوم نے اُس زبان مین علوم و فنون کو ترقی دی ہو۔ جو اُس پر حکومت کرنے والی نہین ہے، گر ہم کو اس بات کے معلوم کرنے سے نہایت خوشی ہوئی، کہ خود سید احمد خان صاحب نے جو سائنٹفک سوسائٹی کے بانی ہین۔ متعدد تحریرون مین اس غلطی کا اعتراف کیا ہے"

چنانچہ پچہلے دنون اسی خیال سے ہمنے مولنا کی خدمت مین ایک خط ارسال کیا، اور اس امر کی تحقیق کرنی چاہی، ہمین نہایت ہی مسرت ہوئی، جب کہ ہماری رائے سے مولنا نے اتفاق ظاہر کیا اور سلسلہ تراجم علوم کو قوم کی اصلی خدمت تحریر فرمایا، مولنا کے خط کا وہ حصہ بجنسہ درج ذیل ہے

مکرمی! آپ کا دلچسپ والانامہ پہنچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔
×××××××××××××××××××××××××××××××

ترجمہ کا مین مخالف نہین ہون، گذشتہ تعلیم مین سرسید نے مجہسے وہ عبارت بجبر لکہوائی تہی، مین نے سخت انکار کیا تہا، لیکن اُنکا اصرار غالب آیا۔

مین تو ترجمہ کو اصلی علمی خدمت سمجہتا ہون، بلکہ انشاءاللہ اس کا ایک باضابطہ سررشتہ قایم کرونگا

شبلی - ۲۸ مارچ ۱۹۱۳ء

مولنا کے اُس اختلاف کی حقیقت یہ ہے، جو انہون نے اس خط مین ظاہر فرمائی ہے، سرسید کو ہائی ایجوکیشن کی حمایت مین جو جوش پیدا ہوا تہا، وہ تراجم کے سلسلے کا سخت مخالف تہا انہین خوف تہا، کہ کہین تعلیمی ضرورتون سے بالکل چشم پوشی نہ کر لی جائے، اور صرف تراجم کے سلسلے کو قایم کرنا قوم کی علمی ترقی کے لئے کافی نہ سمجہ لیا جائے، یہی خیال اونکو بابلد

آمادہ کرتا تھا، کہ وہ اس امر کو زور کے ساتھ ظاہر کرین، اور قوم کی تمام طاقت پہلی تعلیم کی طرف متوجہ کرالین، اسی خیال کا اثر تھا۔ کہ گذشتہ تعلیم مین مولنا کے قلم سے بھی مخالفت ظاہر کرائی گئی، ورنہ درحقیقت مولنا کی رائے وہی ہی جو انہون نے اس خط مین ظاہر کی ہے، بہرکیف یہ رائے کسی کی ہو، ہمین اس پر ایک نظر ضرور ڈالنی چاہیے، اور دیکھنا چاہیے، کہ تراجم کی ضرورت پر اس رائے کا کہان تک اثر پڑسکتا ہے؟

اس رائے مین پہلی وجہ یہ ظاہر کی گئی ہے کہ "ترجمون کا لاکھون روپیہ کا صرف ہی جو انجام احلاف عباسیہ نے کیا تھا اس کا ہونا اس زمانہ مین غیر ممکن ہے" لیکن اس وجہ کو ظاہر کرتے ہوے، اس امر پر غور نہین کیا گیا کہ اس زمانے مین کتابون کا حاصل کرنا، ان کا ترجمہ کرانا، تراجم کی تصحیح، ان کی اشاعت درحقیقت بہت بڑے صرف کی محتاج تھی، اور بلاشبہ اگر حکومت کا ساتھ نہ ہوتا، تو کبھی بھی ان علوم سے فیضیاب نہ ہوتی، لیکن اب زمانے کی ترقی اور حالتون کے انقلاب نے اور صورت پیدا کردی ہے، آج ہر علم وفن کی کتابین اتنے روپون مین مسکتی ہین جو اس زمانے مین قلم دوات کاغذ کے صرف کے لیے ہی کافی نہ ہوتی، علم نے آج تجارت کی صورت اختیار کرلی ہے، ہر شخص اپنی قابلیت سے کام لیکر بڑے بڑے ترجمے کرسکتا ہے، اور اہل مطابع کو معقول صلہ دے سکتا ہی جس کے ذریعہ سے کتابین چھپکر فوراً شایع ہوسکتی ہین۔ اگر تھوڑی سی رقم لیکر کوئی شخص اس امر کا اعلان کردے کہ "مجھکو ایسے مترجمون کی ضرورت ہے جو عربی سے انگریزی کتابون کا اردو مین ترجمہ کرسکین، تو کم از کم بیس تیس آدمی اسی وقت مہیا ہوسکتی ہین اور معمولی اجرت پر ترجمہ کرکے دیسکتے ہین، جس شخص نے ترجمہ کیا، اس کو معقول اجرت ملتی ہے، جس نے ترجمہ کرایا وہ اُسے چھاپکر سیکڑون روپے حاصل کرسکتا ہی، ابکی سلسلہ تراجم مین لاکھون روپیون کی اور خلفاے عباسیہ کے سے سرپرستون کی کیا ضرورت ہی؟ انجمن ترقی اردو نے "ہربرٹ اسپنسر" جیسے فلاسفر کی اہم تصنیف "ایجوکیشن" کا مکمل ترجمہ صرف تین سار سے تین سو روپیون مین کرایا ہے، جسی چھاپکر اس سے کئی گنا نفع حاصل کرسکتی ہی۔

دوسری وجہ یہ بتلائی ہے کہ "اس زمانہ میں علوم محدود تھے۔ اس لئے محدود علوم کا محدود کتابون مین ترجمہ کر لینا بالکل آسان تھا۔ آج یورپ کے علوم روز بروز ترقی کر رہے ہین اور اُن کتابون کی کوئی انتہا نہین ہے، جو علوم کے متعلق شائع ہوتی ہین اسلئے غیر محدود علوم محدود کتابون مین کیونکر جمع ہو سکتے ہین ؟

اعتراض معقول ہے، لیکن یہ پوچھنا چاہئے کہ "اگر علوم روز بروز ترقی کر رہے ہین، تو کیا مترجمین کی تعداد مین روز بروز تنزل ہوگا؟ تعلیم پھیل رہی ہے، اور تعلیم یافتہ جماعت روز بروز وسیع ہو رہی ہے، اسلئے نئی کتابون کا ترجمہ بھی ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ اس کے علاوہ ہم اردو مین علوم کی کتابین جمع کرنا چاہتے ہین، نہ یہ کہ یورپ کی بحر ذخار کو اردو کی کوزے مین بند کرنا چاہتے ہین۔ اردو مین علوم کی ہر شاخ مین چند جامع کتابون کا ترجمہ کر لینا، یا تالیف کر لینا کافی ہے اس کے بعد علمی ذوق خود اردو مین علوم کا سرچشمہ جاری کر دیگا۔

تیسری وجہ یہ پیش کی ہے کہ "اُس زمانے مین عربی زبان جسمین ترجمے کئے گئے تھے تمام ممالک اسلامی مین حکومت کرنے والی زبان تھی، اس کی کوئی مثال نہین ملسکتی کہ قوم نے اس زبان مین علوم وفنون کو ترقی دی ہو، جسکے پیر حکومت کرنیوالی نہین ہے۔

اس اعتراض کے جواب مین اگرچہ ہم کوئی مثال ایسی پیش نہ کرسکین، لیکن موجودہ زمانے کے تمدنی عروج سے ہم کو ضرور اس امر کا یقین ہوسکتا ہے، کہ جب سلطنت کی مدد بغیر آج صرف قومون کی کوشش سے بڑے بڑے تعلیمی اور ملکی کام ہو رہے ہین، تو اس امر کے ماننے مین کیا تامل ہو سکتا ہے کہ قوم کی کوشش سے اس زبان مین جو سلطنت کی زبان نہین ہے، علمی ترقی ہو جائے یورپ مین جو کچھ علمی ترقی نظر آ رہی ہے، وہ تمام قومی کوششون کا نتیجہ ہے، حکومت کو اس سے کوئی تعلق نہین! آکسفورڈ، کیمبرج جیسے مشہور عالم یونیورسٹین رعایا نے سلطنت کی بنائی ہوئی ہین کیا دنیا مین اس سے بڑھکر اس کی نظیر ملسکتی ہے کہ صرف رعایا کی کوشش سے کوئی ملک متمدن ہو جائے؟ خود اسلامی سلطنتون مین ہم دیکھتے ہین کہ کالجون کا قایم کرنا، علوم کا مدون کرنا

اور اور تمام علمی کام حکومت ہی کی کوشش سے سر انجام پاتے تھے جسطرح ہند کی مسلمانون مین مسکتی اسیطرح ہمکو اس کی مثال ہی نہین ملتی، کہ قوم نے اس زبان مین ترقی دی ہو، جو حکومت کی زبان نہین ہے؛ لیکن جسطرح زمانے کی انقلاب کی پہلی صورت پیدا ہوگی ہے، یہ بات کچھ حیرت انگیز نہین ہے کہ دوسری صورت بہی پیدا ہوجاے۔

انجمن ترقی اردو کا وجود اردو کی لئے رحمت الٰہی سے کم نہین ہے، بشرطیکہ جس شورا شوری سے اس کی بنا پڑی۔ اسکا اثر آیندہ بہی قایم رہے۔ اور کہین بے نمکی نہ ہوجاے بدقسمتی ہے مسلمانون کی کوششین ہمیشہ ناکامیاب ہوتی ہین۔ اگر کامیابی ہوجاے تو اسی خرق عادت سے کم نہ سمجہنا چاہیے۔ انجمن کے متعلق جو ہماری رائے ہے وہ اس مضمون کے دوسرے نمبر مین ظاہر کرینگے

ایڈیٹر

ابو منصور الثعالبی

ابو منصور عبد الملک بن محمد بن اسمٰعیل الثعالبی ادب اور لغت کا مشہور امام ہے، جس نے اصمعی، سیبویہ، ابن سکیت جیسے مستند فضلاے مرحوم کی جانشینی کی سنہ ۳۵۰ مین نیشاپور مین پیدا ہوا اور سنہ ۴۲۹ ہجری مین وفات پائی، ابن بسام کا قول ہے کہ "ثعالبی اپنے زمانے کے تمام مولفون اور مصنفون کا امام تہا" ذیل کی کتابین اس کی تصنیفات کی چہپی ہین (۱) یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر" یہ کتاب چار جلدون مین ہے۔ اور حماسہ کیطرح ایک مجموعہ اشعار ہے۔ جسمین اپنے ہم عصر شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے۔ اور ساتہہ ساتہہ ان کے حالات بہی درج کیے ہین۔

ابو الفتح نصر اللہ اسی کتاب کی تعریف مین کہتا ہے

ابیات اشعار الیتیمۃ / ابکار افکار قدیمۃ

ماتوا و عاشت بعدھم / فلذاک سمیت الیتیمۃ

یہ کتاب پہلی مرتبہ دمشق مین سنہ ۱۳۰۲ ہجری مین چہپ گئی م

لسان الصدق ۱۹۰۵ء میں

لسان الصدق کی زندگی میں عنقریب ایک انقلاب ہونے والا ہے، یہ انقلاب صرف مبادلہ سنین کا انقلاب نہ ہوگا، بلکہ اس کے صوری اور معنوی حالتوں میں ایسے اہم تغیرات ہونگے

(۲) النہایۃ فی التعریض والکنایۃ ادب کی مستند کتاب ہے سنہ [illegible] میں مکہ میں چھاپی گئی۔

(۳) فقہ اللغۃ مشہور کتاب ہے پہلی مرتبہ پاریس میں بعد پھر مصر و بیروت میں سنہ [illegible] میں چھاپی گئی

(۴) لطائف المعارف پہلی مرتبہ علامہ دی ینگ نے سنہ [illegible] میں لائڈن سے چھاپ کر شایع کی

(۵) سحر البلاغۃ مصر میں چھپ گئی ہے۔

(۶) مونس الوحید یہ کتاب سنہ [illegible] میں نہایت اہتمام و جرمنی ترجمہ کے ساتھ [illegible] میں چھاپی گئی

(۷) التمثیل والمحاضرۃ (۸) المبہج والنہایۃ (۹) ان دو کتابوں کا انتخاب سحر البلاغۃ و نہایہ کے انتخاب کے ساتھ معارف الجواہر الجوائب کے اہتمام سے شایع ہوا ہے۔

(۱۰) لباب الآداب والایجاز یہ ایک اعلیٰ درجہ کا ادب و حکمت اور نصیحت و مواعظ کا مجموعہ جس میں دنیا کے مشہور لوگوں کے وہ عمدہ اور حکیمانہ اقوال جمع کئے گئے ہیں جو [illegible] رسالۃ [illegible] عمدہ نمونہ ہیں، اور فصاحت بلاغت کی [illegible] کتاب کو دس باب میں [illegible] دوسرے اور تیسرے باب میں۔ قرآن مجید کے موجز اور معجز آیات آنحضرت کی جوامع الکلم احادیث، خلفائے راشدین اور صحابہ کے بعض اقوال جمع کئے ہیں ان کے بعد شاہان فارس، فلاسفہ یونان خلفائے امیہ و عباسیہ پھر شعراء، کتاب، زہاد و ظرفاء وغیرہ کے باب میں جن میں سے ہر ایک باب درحقیقت انمول موتیوں کا بے بہا خزانہ ہے۔ اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہے اسی نسخہ کی نقل مسکند د آصاف ایڈیٹر "المحاکم" نے تہذیب و تشریح کے بعد سنہ [illegible] میں چھاپی تھی۔

(ابن خلکان. کشف الظنون. فہرس الکتب العربیہ المحفوظہ بالکتبخانہ الخدیویہ. "المحاکم")

اجنبے اس کی وہ قدیم صورت بالکل ہی بدل جائیگی؛ اس کے قدیم شناسائی حیرت سے دیکھینگے کہ ان کا قدیم علمی رفیق آج جس صورت مین ان کے سامنے حاضر ہوا ہے۔ اسکا انکو گمان بھی نہین تھا؛ اسکی جس دلفریبی اور دلآویزی سے وہ محظوظ ہو رہے ہین، اسکی انہین امید بھی نہ تھی!" لسان الصدق" جسکی ابتدائی ضخامت صرف ایک جز کی تھی۔ جس کے خریدارون کا شمار زیادہ سے زیادہ تین تھا ایک قلیل عرصہ مین اسکی حالت اس قابل ہوجائے۔ کہ پبلک کو اس زمانے کی توقع دلائے۔ جب کہ وہ معمولی درجہ کا پرچہ ایک اعلی درجہ کی حالت مین شایع ہوگا۔ درحقیقت استقلال، اور کوشش کی عمدہ مثال ہے۔

ہمارے وہ عنایت فرما، جنکی نگاہون کو لسان الصدق نے اپنا شیفتہ بنالیا ہے، اسکی آیندہ حالت کی متعلق مختلف رائین دیتے ہین: ایک صاحب کی رائے ہے کہ" یہ رسالہ اب بطور کوارٹرلی ریویو کے شایع کیا جائے۔ اور اس کی ضخامت صرف علمی مضامین مین صرف کیجائے۔ ایک اور شفیق فرماتے ہین کہ" جنوری ۱۹۰۵ء سے اس کی ضخامت کم از کم چار جز کردی جائے۔ اور شعر وسخن کا حصہ بڑہایا جاوے بعضون کا خیال ہے۔ کہ اس کے مقاصد نہایت محدود ہین، انہین وسعت دیجائے۔ اور مذہبی مضامین شایع کئے جاوین۔ اسی طرح لسان الصدق کے ایک مکرم اور مخدوم عنایت فرما اس امر پر زور دے رہے ہین کہ" رسالہ جہانتک ہوسکے سائنٹفک مضامین کیلئے وقف کردیا جانا چاہیے۔ ان کے نزدیک ابھی اردو مین ایک ایسے رسالہ کی سخت کمی ہے، جو قوم کے سائنٹفک مذاق کو ترقی دے۔

ان تمام رایون کے دیکھنے سے ہمکو اختلاف طبایع، اور اختلاف مذاق کا نہایت عمدہ اندازہ ہوتا ہے علمی مذاق کی طبیعت سائنٹفک مضامین کو ڈہونڈہتی ہے اور مذہبی ضرورت کا آشنا مذہبی مسائل کا متلاشی ہے؛ شعر وسخن سے چٹخارا لینے والے ایک علمی یا مذہبی رسالہ کو دلچسپی کی نگاہ سے نہین دیکھ سکتے۔ اور اعلی حالت کی متوقع متوسط درجہ سے اپنے طبیعت خوش نہین کرسکتے؛ ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ ایک رسالہ مختلف مذاقون کو کیونکر جمع کرسکتا ہے؟ اور ایک ہی آئینہ مین دنیابھر کی صورتین کیونکر نظر آسکتی ہین؟ اگر کوشش بھی کیجائے، اور کسی رسالہ مین مختلف رنگ کی مضامین

بھی جمع کئے جائین. تو یہ نہایت مشکل ہے کہ اس کا ہر رنگ عمدہ حالت پر ہو! یورپ مین آج
ہر علم و فن کے مختلف رسالے شایع ہوتے ہین. اور ہر مذاق کا شخص اپنے مذاق کا رسالہ
ڈہونڈہ لیتا ہے یہ نہین ہو سکتا کہ ایک ہی رسالے کو جسطرح ایک فلاسفر دلچسپی کے ساتھہ دیکھے
اسی طرح ایک مذہبی فاضل بھی اسی وقعت کی ساتھہ پڑھے. جسطرح علمی مجالس مین اسکی عزت ہو
اسی طرح شعرا کی صحبتون مین بھی باریاب ہو!

اس لئے

اس مشکل کا اندازہ کر کے ہمنے جنوری ۱۹۰۵ء سے لسان الصدق کو ایک ایسی حالت مین چلانا
چاہا ہے جسمین وہ مذاق انتخاب کر کے جمع کئے جائین جو درحقیقت اسوقت ضروری ہین. ہم
اُن مذاقون کا خیال رکھا جائے. جسپر زمانہ منا ہوا ہے! ہم دیکھتے ہین کہ قوم کو یہ مذاق پیدا کرنا چاہئے
اور اس رستہ چلنا چاہئے. اس لئے ہم کوشش کرتے ہین کہ قوم وہ مذاق پیدا کرے. اور اسی رستہ پر چلے
ہمارا حال اُن لوگون کا سا نہین جو یہ دیکھتے ہین کہ قوم آجکل کس مذاق کی دلدادہ ہے؟ اور کس لکیر کی فقیر
اس لئے وہ اپنی قبولیت کے لئے اسی مذاق کو پیش کرتے ہین. اور اسی رستہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہین!
لسان الصدق سچائی کی زبان ہے. الغرض اس سے سچائی کے سوا اور کسی بات کی توقع نہین ہو سکتی ہی
صداقت نے جو رستہ دکھایا ہے جنوری ۱۹۰۵ء سے لسان الصدق اس پر چلنے کی کوشش کریگا! اگر وہ
اپنی منزل مقصود تک پہنچگیا. تو ہم بھی سمجھینگے کہ بیشک! لسان الصدق نے دنیا مین آکر اپنے قدردانون
کا حق رفاقت ادا کیا. اور ہمکو قوی امید ہے کہ وہ کامیاب ہوگا! اور ہم ایک زمانے مین مبارکباد کے مستحق ہونگے

لسان الصدق ۱۹۰۵ء مین

(۱) لسان الصدق جنوری ۱۹۰۵ء سے مکمل دو جز کی ضخامت مین نکلا کریگا
(۲) چھپائی اور لکھائی کی خوبی کے متعلق صرف اسقدر کہدینا کافی ہے. کہ "مفید عام پریس آگرہ"
مین چھپا کریگا.
(۳) جنوری سے ایک نیا سلسلہ "مشاہیر المشرق" کا شروع ہوگا جسمین بیسوین صدی کی ان مشرقی

افاضل کے حالات باتصویر شایع کیے جائینگے جنھون نے کسی خاص فن مین بے نظیر کمال حاصل کیا ہو یا کسی ملک کی اصلاح وترقی مین کوشش کی ہو؛ اسی سلسلہ کی کسی ایک باکمال شخص کی تصویر مع حالات نمبر کے ساتھ شایع ہوگی۔

(۴) تصویرین اعلی درجہ کی چھاپی جائینگی۔ اورکوشش کیجائیگی کہ صحیح تصویر دستیاب ہو۔

(۵) لیکن ان تمام خوبیون کے بعد یہ ضروری بات ہے کہ قیمت مین بھی اضافہ کیا جائے۔ اور اس لئے ہم مجبوراً جنوری سے قیمت مین صرف عمر کا اضافہ کرتے ہین یعنی آیندہ سے اس کی قیمت بجائے عہ کے ع۸ ہوگی

لسان الصدق کے آیندہ مقاصد اور ترتیب مضامین

(۱) جنوری سے لسان الصدق کے مقاصد مین ایک مقصد اور بڑھایا جائیگا " اصلاح خیالات " اس مقصد کی ضرورت و اہمیت پر پہلے نمبر مین بحث کی جائیگی۔

(۲) ضرورتین مجبور کررہی ہین کہ لسان الصدق مین مذہبی مضامین کی بھی گنجایش نکالی جائے لہذا آیندہ ایسے مذہبی مضامین شایع ہونگے۔ جنمین کسی خاص تحقیق سے کام لیا گیا ہو۔

(۳) ترتیب مضامین کی یہ صورت ہوگی:

(۱) انیسوین صدی کے کسی مشرقی فاضل کے تصویر اور حالات

(۲) ایک مذہبی مضمون

(۳) علمی تاریخی، اخلاقی، اور سائنٹفک مضامین۔

(۴) انتقاد

(۵) کسی عمدہ کتاب کا مسلسل ترجمہ یا کوئی مفید علمی تصنیف

لسان الصدق کی جنوری ۱۹۰۵ء سے عہ۸ قیمت ہوگی لیکن صرف عہ۵ مین ملیگی

عمدہ تدبیر

اس وقت ہندوستان سے جسقدر ماہوار رسالے شایع ہوتے ہین، انمین ایک رسالہ بھی ایسا نہین ملیگا

جسکی چھپائی لکھائی مفید عام جیسے عمدہ مطبع کی ہو۔ ہر نمبر کے ساتھہ ایک اعلیٰ درجہ کی تصویر انگریزی کارخانہ کی چھپی ہوئی شائع کی جاے۔ کاغذ نہایت عمدہ لگایا جاوے۔ ضخامت معقول ہو مضامین کی یہ حالت ہو اور پھر صرف ۱۲؍ اسکی مع محصول قیمت ہو! ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ بیشک ہندوستان سے نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے رسالے نکلتے ہین۔ چھپائی لکھائی بھی عمدہ ہوتی ہے لیکن قیمت کے لحاظ سے دیکھو! تو کسی رسالے کی للعہ قیمت ہے! کسی کی ۶ ہے "کسی کی ۵ے" برخلاف "لسان الصدق" کے! جو ان تمام خوبیون کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی سابقہ قیمت مین صرف ایکروپیہ کا اضافہ کرکے دو روپیہ چہ آنہ قیمت قرار دیتا ہے۔ اس لئے کوئی وجہہ نہین کہ علم دوست اور قدردان اصحاب پر لسان الصدق کی آیندہ قیمت گران گذرے اور وہ اسکی خوبیون پر توجہہ نہ کرین لیکن پھر بھی ہم نہین چاہتے کہ ہمارے وہ قدیم خریدار جو ۱۲؍ پر رسالہ خرید چکے ہین۔ اُنسے آیندہ سال کے لئے بجاے سابقہ قیمت کے ۲؍ وصول کیا جاوے اسلئے اون کو نیز تمام علم دوست پبلک کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ

۳۱؍ جنوری ۱۹۰۵ء تک جن لوگون کی درخواست مع قیمت پیشگی دفتر لسان الصدق مین پہنچیگی آنھین جنوری ۱۹۰۵ء سے سال بھر تک لسان الصدق سابقہ قیمت پر بجائے ۲؍ کے ۱۲؍ مین دیا جائیگا

اس سے زیادہ رعایت و تخفیف ہم سے نہین ہوسکتی۔ اگر کسی کو لسان الصدق کی آیندہ قیمت گران معلوم ہو تو وہ اس رعایت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ قدیم خریداران لسان الصدق کی خدمت مین آیندہ نمبر بذریعہ وی۔ پی روانہ ہوگا۔ تاکہ وہ اس رعایت سے فائدہ اُٹھا سکین۔ جن خریدارون کا سلسلہ ابھی تمام نہین ہوا اُن سے صرف بغرض رعایت ۱۲؍ کی قیمت وصول کی جائیگی۔ ورنہ اون کا سال خریداری ہی سے شروع ہوگا

جس طرح انسان گذشتہ نسل کا جانشین ہے، اسی طرح آیندہ نسل کا والدین ہے اسکے خیال اسکی اولاد ہین جنکو بے پرواہی سے ہلاک ہونیکا موقع نہین دینا چاہیئے (اسپنسر)

ولایتی اور دیسی الفاظ

ہمارے ولی دوست مسٹر علی محمود صاحب لسان الصدق کے لئے ذیل کا مضمون عنایت فرماتے ہین
مسٹر موصوف کا نام پبلک کے لئے کوئی نیا نام نہین ہے، ان کے اکثر مضامین مخزن اور اردوے معلی مین شائع
ہو چکے ہین۔ اور لٹریری دنیا مین کافی روشناسی حاصل کر چکے ہین اس مضمون کی اشاعت سے ان کا مقصد یہ ہے
کہ اردو اور انگریزی الفاظ کا بیجا اختلاط آج کل جس ترقی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، یہ آگے چلکر اردو کی شیرینی۔
اور فصاحت کے لئے سخت مضر ثابت ہوگا اس لئے جہان تک ممکن ہو، اردو کو اس مضر آمیزش سے دور
رکھا جائے، اور کوشش کی جائے کہ انگریزی الفاظ کی جگہ خود اردو یا عربی۔ فارسی کے الفاظ استعمال کیئے جائین
اس مین کوئی شک نہین کہ مسٹر موصوف کی یہ رائے نہایت مفید اور اس قابل ہے کہ اردو کے سرپرست
پر کافی توجہ کرین اور اردو کی اس سادگی اور شیرینی مین جو آج غالب کے خطوط مین پائی جاتی ہے فرق
نہ آنے دین لیکن اب دیکھنا یہہ ہے کہ ہمارے پاس وہ کونسا معیار ہے جس سے ہم انگریزی کے ان الفاظ
بین جنکا استعمال ضروری ہے، اور ان الفاظ مین جنکا استعمال غیر ضروری ہے ایک حد فاصل قرار دے سکین
کیونکہ یہہ تو ظاہر ہے کہ جب ایک زبان دوسری علمی زبان سے فائدہ حاصل کرنا چاہیگی تو اس کے علمی اصطلاحات
اور وسیع الفاظ کا اسپر ضرور اثر پڑے گا۔ اور ان کے استعمال پر مجبور ہوگی، اسلئے ایک ایسا معیار ضرور ہونا چاہیئے
جس سے ضروری اور غیر ضروری الفاظ مین ہم امتیاز کر سکین۔

اردو زبان کی پیدائش اگرچہ برج بھاشا سے ہوئی، لیکن عربی اور فارسی کی گود مین اس نے نشو و نما
پائی اسلئے ان دونون زبانون کا اسپر اسقدر اثر پڑا کہ آج ہم نصف صفحہ بھی کامل ایسا نہین لکھ سکتے جس مین عربی اور فارسی
الفاظ کی آمیزش نہ ہو۔ لیکن چونکہ عربی اور فارسی زبانون کا تلفظ اور ترکیب الفاظ اردو سے مخالفت نہین رکھتا اسلئے
عربی فارسی کے الفاظ اردو پر گران نہین گذر سکتے۔ اور ان کے قبول کرنے مین اس کو کوئی عذر نہین ہو سکتا بخلاف
انگریزی کے جس کا تلفظ نہایت سخت جس کے الفاظ حروف ثقیلہ سے ترکیب پاتے ہوئے ہین اور ایک اردو
بولنے والے کے لئے نہایت غیر مانوس معلوم ہوتے ہین، اسلئے جو معیار ہم نے عربی اور فارسی الفاظ کے استعمال
کے لئے قائم کیا ہے وہ انگریزی الفاظ کے لئے ہرگز کارآمد نہین ہو سکتا۔

مسٹر علی محمود ان الفاظ کی چار قسمیں قرار دیتے ہیں جنکا استعمال اُردو میں جائز ہو سکتا ہے۔ اول وہ الفاظ جنکے لئے اُردو میں الفاظ نہیں مل سکتے۔ جیسے۔ ریل۔ ٹکٹ وغیرہ دوم جن الفاظ کے لئے اگرچہ اُردو میں لفظ موجود ہیں مگر ان کے استعمال کا رواج پڑگیا ہے جیسے اسکول۔ لکچر وغیرہ تیسرے وہ الفاظ جن کے لئے اُردو میں الفاظ موجود ہیں۔ مگر اس مفہوم کو کافی طور سے ادا نہیں کرتے۔ جو انگریزی لفظوں میں پوشیدہ ہیں۔ جیسے تھیٹر۔ کمپنی۔ وغیرہ چوتھے انگریزی الفاظ جن کے استعمال سے عبارت میں ایسا زور بڑھ جاتا ہے کہ وہ نہیں معنوں کے اُردو لفظوں سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

اسکے بعد ایک قسم اون الفاظ کی قرار دی ہے جنکا استعمال اُردو میں بالکل ناجائز او بے فائدہ ہو او مثال میں۔ سوسائٹی۔ آرٹکل۔ بیوگرفی۔ وغیرہ الفاظ دیے ہیں۔

مسٹر موصوف کی اس تقسیم سے بلحاظ نفس اقسام ہم کو کلی اتفاق ہے لیکن ان اقسام کی جو مثالیں دی گئی ہیں، افسوس ہے کہ سوا پہلی اور دوسری قسم کی مثالوں کے ہم اون سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ تیسری قسم کے لئے اونہوں نے تھیٹر، کمپنی، نمبر۔ کی مثال دی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک سوائے چند لفظوں کے پانچویں قسم کے تمام الفاظ اسی قسم کے تحت میں آنے چاہئیں۔ پانچویں قسم کی ایک مثال بیوگرفی ہے، جسکے لئے حیات۔ سیرت۔ سوانح عمری۔ تینوں لفظ پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن کیا مسٹر موصوف ہم کو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ "بیوگرفی" جس مفہوم کو کہتی ہے سیرت یا سوانح عمری یا حیات اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ سوانح عمری یا سیرت و حیات جب کہا جائیگا تو سامع کا انتقال ذہنی فوراً اسی سیرت کی طرف ہوگا جس سے ہمارے قدیم تذکرے اور ابن خلکان جیسے تراجم بھرے پڑے ہیں۔ برخلاف "بیوگرفی" کے۔ جسکے سنتے ہی ایک نہایت عظیم الشان لائف کی تصویر سامنے آجائیگی: یہی وہ خیال ہے جسکو مخزن کے قابل اڈیٹر نے حیات جاوید پر ریویو کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا کہ "ہم نہیں سمجھتے کہ ٹائیٹل پر سوانح عمری کی جگہ "سر سید کی لائف" کیوں لکھا گیا ہے" لیکن اُنہوں نے اسپر ذرا بھی غور نہیں کیا کہ حیات جاوید پر سوانح عمری اور سیرت کا اطلاق ہو سکتا ہے یا لائف اور بیوگرفی کا؟

اسی طرح پانچویں قسم کی مثالوں میں ایک مثال گورنمنٹ کی دی گئی ہے، جسکی جگہ حکومت

دولت اور سلطنت کا لفظ پیش کرتے ہین، لیکن ہمارے نزدیک اس لفظ کو دوسری قسم مین داخل کرنا چاہیے کیونکہ اس کے لئے اُردو مین عربی کے کافی الفاظ موجود ہین لیکن ابتدای سلطنت انگریزی سے گورنمنٹ کا اُردو مین عام رواج ہوتا گیا ہے۔ پس اس لفظ کو اظہار انگریزیت کیلئے کوئی نہین استعمال کرتا۔ بلکہ صرف "رواج کی زبردست سفارش ہے"۔

ایسا ہی ایک لفظ پانچوین قسم مین سوسائٹی کا پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اسکے متعلق ہم وہی کہینگے جو ہوگ بی کے متعلق لکھ چکے ہین، صحبت اگرچہ سوسائٹی کے ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔ لیکن اُس کامل مفہوم کو ادا نہین کرسکتی جو سوسائٹی کے لفظ سے ایک انگریزی دان سمجھ سکتا ہے۔

بعض الفاظ ایسے ہین کہ اگرچہ اُردو مین اون کے لئے کافی الفاظ موجود ہین۔ لیکن تاہم وہ الفاظ کبھی جس مفہوم کو سامع کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے؛ اُردو الفاظ اس مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہین۔ اور ممکن ہے کہ بجای اصلی مفہوم کے سامع ان الفاظ سے کسی دہوکہ مین پڑجائے، مثلاً انگریزی کا ایک لفظ "کیمسٹری" ہے، جس مخزن سے انگریزی مین یہہ لفظ آیا ہے۔ اوسی مخزن سے عربی مین اور پھر عربی سے اُردو مین "کیمیا" آیا ہے۔ اب دیکھو اگر کیمیا کا لفظ استعمال کیا جاوے تو ممکن نہین کہ اس سے سامع علم کیمسٹری کا وسیع مفہوم سمجھ سکے۔ بلکہ اُس کا خیال شرق کی اس غلط فہمی کیطرف جائیگا جسکا اب کیمیا رہ گیا ہے۔ برخلاف اسکے اگر کیمسٹری کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ غلط فہمی کبھی پیدا نہین ہوسکتی

چوتھی قسم کیلیئے کوئی مثال پیش نہین کیگئی، لیکن ہمارے نزدیک اس قسم کی سب سے عمدہ مثال "لٹریری دنیا ہے"۔ اگرچہ ہم اس کی جگہ "علمی دنیا" لکھ سکتے ہین۔ لیکن وہ زور پیدا نہین ہوسکتا جسکی انگریزی لفظ سے توقع کی جاسکتی ہے۔

ہم اس ضروری مسئلہ پر اور زیادہ طوالت سے بحث کرتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہین کہ نوٹ نوٹ کی حیثیت سے باہر قدم رکھ رہا ہے اس لئے اب ناظرین واصلی مضمون کیطرف متوجہ کرتے ہین جسے (امید ہے) کہ نہایت دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمائینگے۔

اڈیٹر

"زبان کا قانون"

مصنف آب حیات لکھتا ہے" وہ ہر حکومت کے قانون سے بھی سخت ہے" کوئی یہ چاہے کہ میری زبان غیر الفاظ کی آمیزش سے بچی رہے، غیر ممکن۔ کوئی زبان اس کا دعوی نہیں کر سکتی حتیٰ کہ بڑی بڑی پرانی زبانیں تک۔ یہ ہماری قدرت سے باہر ہے کہ جن الفاظ کو ہم چاہیں رد کر دیں، اور جن کو ہم چاہیں قبول کر لیں۔ الفاظ جبراً آتے ہیں اور حکومت کرتے ہیں۔ گو غیر الفاظ سے کبھی بلاغت منہ بناتی اور فصاحت چین بجبین ہوتی ہے، مگر زبردست کا ٹھینگا سر پہ۔ پھر رفتہ رفتہ عام رواج اسکو اپنے آغوش میں لیکر ہر دلعزیز بنا دیتا ہے اور ملک کے اس کونٹ سے اس کونٹ تک وہ الفاظ دوڑ جاتے ہیں، پھر کسیکو بھی گراں نہیں گذرتے۔ جب تک بالکل نئے ہیں۔ ذرا اوپری اوپری سے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ہمارے پرانے الفاظ کے ساتھہ اُٹھنے بیٹھنے سے غیریت جاتی رہتی ہے، اور تھوڑے ہی دنوں میں اُنسے ہو جاتے ہیں۔

اُردو جب برج بھاشا سے پیدا ہوئی تو ایک بھولی بھالی سی لڑکی تھی۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی۔ اوسکے ہنسنے میں سادگی تھی۔ اُسکے رونے میں بھولاپن تھا۔ مگر جب فارسی اور عربی سے رشتے ناتے شروع ہو گئے تو حُسن اور توانائی تو بیشک بڑھ گئی، مگر بھولاپن جاتا رہا۔ یا بہت کم رہ گیا۔ اپنی فطری ملنساری سے اب انگریزی سے ملی۔ اور اسکی چال سیکھہ کر سب کی نظروں میں پھر رہی ہے۔!

اُسکی اُٹھان پر تو چشم بد دور، انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ مگر ذرا بہت میل ملاپ سے انگشت نمابھی ہو رہی ہے۔ اسکو رقابت کہو یا غیرت، اسکی یہ ادا مجکو بھائی نہیں اسکے اور دوستوں کی طرح میں بھی کُڑھا۔ جی چاہا کہ کچھہ سمجھاؤں۔ شاید کچھ سُننے سے کچھہ خیال ہو جائے کیونکہ یہ محض ہی طفلانہ حرکت ہے۔ کہ اپنے یہاں کا گہنا بڑھا کر انگلستان کے زیور پر مچل رہی ہے۔!

مذکورۂ بالا سطرون سے شاید یہ قیاس کیا ہوگا کہ میری رائے مین انگریزی الفاظ سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے۔ نہین، مین ایسی صلاح کبھی نہین دینے کا۔ اور کیونکر دیسکتا ہون جبکہ میرا یقین ہے کہ اسپر عمل نہین ہوسکیگا؟ ہمارا دستور العمل یہ ہونا چاہیئے کہ وہ الفاظ جو زبردستی وا لڑکر گھسے پڑتے ہین، اون کو تو روکو مت (کیونکہ تم روک نہین سکتے) گرچہ اون کیواسطے دوسرے الفاظ موجود ہی کیون نہون۔ ہان، وہ الفاظ، جو خاص خاص لوگونکی سفارش سے تحریر مین لائی گئے ہین اونکو اپنے ہان جگہہ دینے کی کوئی وجہہ نہین اُنسے نفرت نہایت جائز ہے۔ گرچہ اُن کے سفارش کرنیوالے ڈاکٹر نذیر احمد خانصاحب ہون یا مولانا حالی یا اور کوئی! اس جملہ سے یہہ سمجھنا کہ مین ان لوگونکی عزت نہین کرتا غلطی ہوگی۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اُردو، آجکی اُردو نہ ہوتی۔ مگر اس زبان کے سنوارنے مین بعض جگہہ، ذوق محبت سے ایسا سنگھار کیا ہے کہ سانگ بنگیا ہے! اور اسکی دیدہ ور لوگ ستایش نہین کرسکتے، کیونکہ مذاق سلیم کو کھٹکتا ہے۔

بلگرام کے فاضل عالم کا خوف بہت ہی جائز خوف ہے، جبکہ وہ ڈرتا ہے کہ کہین اُردو ہی مٹنے سے اُردو مارکیٹ نہوجائے۔ مخزن کا اڈیٹر "حیات جاوید" پر بہت ہی صفائی نکتہ چینی کرتا ہے۔ جبکہ وہ کہتا ہے کہ اس عالمانہ تصنیف مین، انگریزی، الفاظ کا بہت جگہہ ناجائز استعمال کیا گیا ہے۔

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ انگریزی الفاظ کا جائز یا ناجائز استعمال ہوتا کیون ہے؟ اسکی کئی وجہین ہین اوّل مجبوری کہ اُردو مین اُسکے لئے الفاظ نہین ہین جیسے۔ ریل۔ انجن۔ ٹکٹ بائسکل۔ فونوگراف۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اسیطرح کے دوسرے الفاظ، بالکل جائز ہین۔ کیونکہ ان کے لئے اُردو مین کوئی لفظ ہی نہین۔

دوم رواج عام کی زبردست سفارش۔ یعنی اگرچہ اُن انگریزی الفاظ کے لیئے اُردو مین بھی نہایت عمدہ الفاظ ہین، مگر وہ بھی گھس پڑے ہین! اور ایسے مستعمل ہوگئے ہین، کہ آسانی سے بولے اور سمجھے جاتے ہین۔ مثلاً:-

اسکول = (مدرسہ یا مکتب ۔ اسکے لئے نہایت عمدہ لفظ موجود ہے) کالج = (مدرستہ العلوم) لیکچر = (تقریر بیان) پاس = (کامیاب) فیل = (ناکامیاب) وغیرہ وغیرہ ۔ اس طرح کے ہزارون الفاظ ہین کہ عوام کے منہ چڑھ گئے ہین، اور ہماری زبان کیساتھہ ایسا تعلق پیدا کرلیا ہے کہ اب چولی دامن کا ساتھہ ہے۔

سوئم بعض ایسے الفاظ آتے ہین، کہ اردو مین اُن کے سے الفاظ تو ہین مگر پورا پورا مفہوم نہین ادا کرتے ۔ ترجمہ تو ہوجاتا ہے، مگر زور گھٹ جاتا ہے اور ویسی جامعیت بھی نہین رہتی ۔ مثلاً :-

تھیٹر = (تماشہ گاہ) کمپنی = (جماعت) نمبر = (عدد یا شمار)

چہارم بعض لوگ صرف اسلئے انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے ہین کہ عبارت کا زور زیادہ ہو اور تقریر یا تحریر موثر ہو کیونکہ بعض الفاظ زبان مین سیدھے سادے ہین اور کثرت استعمال سے پھیکے پھیکے سے معلوم ہوتے ہین، برخلاف اسکے اُنہین معنون کے الفاظ کہین کہین انگریزی مین شاندار اور پرشوکت ہین۔

پنجم اور ایک گروہ ایسا ہے (اور ایسے لوگ بہت کثرت سے ہین) کہ انگریزی ایک لفظ نہین پڑھی ہے، مگر اظہار علمیت اور انگریزیت کیلئے، خواہ مخواہ انگریزی کے موٹے موٹے لغت، اور جملون کا، شدت سے استعمال کر رہا ہے ۔ حالانکہ نہایت عمدہ الفاظ اردو مین اون کے لئے موجود ہین! — مگر اسی پر اکتفا کرتے تو لوگ یہ کیونکر جانین کہ انگریزی کا بھی عالم ہے!!

چند الفاظ مین ایسے لکھتا ہون کہ جنکے لئے اردو مین نہایت مناسب الفاظ موجود ہین، یا اب موجودہ اصطلاح کے سانچے مین ڈہلکر کام کے ہوگئے ہین، مگر اُن کو چھوڑکر خواہ مخواہ انگریزی الفاظ لکھے جارہے ہین ۔ مثلاً :-

پریس (اصل پرس) = اسکے لئے اردو مین نہایت عمدہ الفاظ موجود ہین ۔ مطبع چھاپہ خانہ

نوٹس - (اشتہار یا اعلان) سوسائٹی = (صحبت) سولزیشن = (تہذیب اشائستگی تمدن وغیرہ) ریمارک = (رائے) آرٹیکل = (مضمون) سبجیکٹ = (ایضاً) نیچر = (فطرت، طبعیت) نیچرل = (فطری، طبیعی) فیشن = (وضع۔ طور) بیوگرفی = یا بائیگرفی = (حیات، سیرت، سوانح عمری) لبرٹی = (آزادی) لبرل = (آزاد) گورنمنٹ = (حکومت، دولت، سلطنت، وغیرہ وغیرہ۔

بے شمار الفاظ ہین کہ نہایت موزون صورت مین اُردو مین ہین۔ مگر صرف اس لئے نہین استعمال کئے جاتے کہ اپنا سگھڑاپا کیونکر ظاہر ہوگا۔

مجکو کوئی اُردو لکھنے والا مشہور مصنف ایسا نہین ملا۔ جو انگریزی اعلیٰ درجہ کی جانتا ہو، اور پھر اپنی تحریر مین کثرت سے انگریزی الفاظ استعمال کرتا ہو، جیسا وہ لوگ کرتے ہین جو صرف سنے سنائے انگریزی الفاظ سے اپنی انگریزی دانی کی شہرت مول لیتے ہین۔

مجکو افسوس ہے کہ بدقسمتی سے اس گناہ کے اول اول مرتکب وہی لوگ ہوئے، اور ہو رہے ہین، جو اسوقت اُردو زبان کے نامور مصنف اور مسلم الثبوت اُستاد ہین۔ مگر اس سے صبر و تسلی ہوئی کہ وہ لوگ، جو واقعی انگریزی علوم سے واقف ہین، وہ اس سے پرہیز کرتے ہین۔ اور اونسے انگریزی الفاظ کا وہین استعمال ہوتا ہے جہان اُسکے لئے کوئی لفظ موزون اُردو مین نہین ہے۔ یا ہے، تو کافی طور سے مفہوم کو نہین ادا کر رہا ہے۔ یا ویسی جامعیت نہین ہے۔ باوجود علمیت ہونے کے انگریزی الفاظ نہین استعمال کرتے۔ اور جو ان مین بھی ایسا کرتے ہین تو بیشک بُرا کرتے ہین۔ وہ اُردو پر احسان نہین کرتے بلکہ ظلم!!

علی محمود از بانکی پور

سچائی کی ابتدا نفرت سے اور انتہا تو ہم سے ہوتی ہے۔ (ہکسلی)

یہہ کتابین عنقریب ملک مین شائع ہونیوالی ہین

زیر تصنیف

المعتزلہ

اسلام مین جتنے نام آور فرقے ہوے ہین، اور زمانہ نے کچھہ عرصہ تک اون کا ساتھ دیا ہے، اُن سبہون مین معتزلہ زیادہ کامیاب رہے، مختلف علوم کی انہون نے بنا ڈالی، فلسفہ کی اشاعت کی، سیکڑون کتابین تصنیف کین، بڑے بڑے بادشاہون نے ان کا مذہب قبول کیا اور ان کے آگے سر جھکایا، مخالفین اسلام کے مقابلہ مین انہین کی بدولت اسلام سربلند رہا؛ اور انہین کی کوششون سے ہماری مذہبی تصنیفات مین عقلیات کو راہ ملی ہوئی، لیکن افسوس ہے کہ اس فرقہ پر آج تک کوئی خاص کتاب نہین لکھی گئی، تفسیر و عقائد کی ان کتابون کے ضمن مین جن کے متعلق اصول تردید کی غرض سے نقل کیے گئے ہین ہمارے پاس اور کوئی مستقل ذریعہ نہین جس سے معتزلہ کے خیالات کا پتہ لگا سکین، اسی خیال نے مجکو آمادہ کیا کہ ایک جامع کتاب معتزلہ کے حالات پر ترتیب دی جاوے - چنانچہ کچھ عرصہ سے مین اسکی ترتیب مین مصروف ہون اور اسکے تین حصے قرار دیے ہین -

۱- پہلے حصہ مین ذیل کے مضامین ہین -

اسلام کی ابتدائی حالت، اسلام کی سادگی، متمدن اقوام مین اسلام کی اشاعت، مذہبی اعتقادات مین بیرونی اثر کی ابتدا، اختلاف عقائد، اختلاف عقائد کے وجوہ، مختلف فرقون کا پیدا ہونا اور معتزلہ کا آغاز، اعتزال کا پہلا دور، دوسرا دور، تیسرا دور، چوتھا دور، اعتزال کا تنزل،

۲- دوسرے حصہ مین ذیل کے مضامین ہونگے -

معتزلہ کے مختلف طبقات اور اُنپر ایک اجمالی نظر، مشاہیر معتزلہ کے حالات،

۳- تیسرے حصے مین معتزلہ کے عقائد و اصول پر مفصل ریویو ہوگا۔

پہلا حصہ لکھہ چکا ہون اور دوسرا زیر ترتیب ہی۔ "المعتزلہ" کی اردو مین کسقدر ضرورت تھی۔ اسکا اجمالی اندازہ ذیل کے مضمون سے ہوگا جو دراصل "المعتزلہ" کے پہلے حصے کا دیباچہ ہے:

عمریست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

تقریباً نصف صدی سے دنیا کے مذہبی حصہ مین سخت انقلاب ہورہا ہی، یورپ کے علوم و فنون نے جو اثر دنیا کے ہر طبقہ پر ڈالا ہے، اُس سے یہ مقدس حصہ بھی محفوظ نہ رہ سکا مذہب کی وقعت و عظمت مین روز بروز تنزل ہو رہا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ مین مذہب کا سارا طلسم ٹونکر رہ جائیگا، اور وہ مستحکم سلطنت جسکا دنیا کیساتھہ دنیا کی آبادی سے ساتھ رہا ہے، جدید علوم کے زور آور حملون سے سطح برباد ہو جائیگی۔

اسلئے مذہب کے نام لیوا آجکل سخت پریشانی مین ہین، ایکطرف اونہین علم سے محبت و آشتی رکھنی ہی، دوسریطرف مذہب کو بھی اسکی زد سے بچانا ہے، کیونکہ بیسوین صدی مین اگر کوئی علم کی مخالفت کرنا چاہتا ہے تو گویا اُسکا یہ مفہوم ہے کہ وہ اپنی فطرت کی مخالفت پر آمادہ ہے۔

اہل مذاہب مختلف کوششون مین مصروف ہین، اور اپنے اپنے مذہب کی خیر منا رہے ہین۔ قدیم ہندو مذہب ایک نیا بھیس اختیار کر رہا ہے، اور اپنے خدا کو خوش کرکے مادہ کی آو بھگت مین مشغول ہی، عیسائیت نے اگرچہ ابتک کروٹ نہین لی، لیکن اُسکے جان نثار سر توڑ کوشش کر رہے ہین، اسلام جو ہمیشہ سے علم کا حامی رہا ہے، آج بھی بے خوف و خطر اس دار و گیر سے بچ سکتا ہے، کیونکہ اُس کے لئے یہ کوئی نیا موقع نہین ہی، قدیم علوم نے جب عربی لباس مین دنیا کو اپنی صورت دکھلائی تھی تو اسلام کو اس سے

سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا، لیکن جسطرح اُس زمانہ مین اسلام کامیاب رہا تھا۔ آج بھی فتحیاب رہیگا! جدید علوم کے مقابلہ مین تجدید علم کلام کی جتنی کوششین کی گئی ہین اون مین سب سے پہلی کوشش وہی جواب سے تقریباً بتیس برس پیشتر سرسید کی مذہبی تحقیقات سے ظاہر ہوئی؛ سرسید کی آواز پر اگرچہ مسلمانون نے سخت تعجب ظاہر کیا، اور ان کو بالکل ایک غیر مانوس آواز معلوم ہوئی؛ لیکن درحقیقت یہ وہی خیالات ہین جو سرسید سے ایکہزار برس پیشتر معتزلہ نے ظاہر کئے تھے؛ اور اونہین خیالات سے قدیم فلسفہ کا مقابلہ کیا گیا تھا؛ یہ سچ ہے کہ ان خیالات کو عام علماء کے دربار مین باریابی کا بہت کم موقع ملا، لیکن سرسید کو انکا موجد سمجھنا سخت غلطی ہے!

سرسید کے بعد اگرچہ اس ضرورت کو اور لوگون نے بھی محسوس کیا؛ **ممالک اسلامیہ** مین متعدد کتابین لکھی گئین، لیکن درحقیقت اسپر کوئی مفید اضافہ نہو سکا؛

پچھلے دنون مین نے **العلوم الجدیدۃ والاسلام** کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی، اسکی اصلی غرض یہ تھی کہ آجتک **جدید علم کلام** کا جسقدر سرمایہ جمع ہو گیا ہے، اُسپر مفصل انتقاد کیا جاوے، اور دکھلایا جاوے کہ موجودہ فلسفہ کے مقابلہ مین سرسید کا کلام کسقدر کامیاب ہو سکتا ہے؟ اور کہان کہان اپنے اصول سے باہر ہو گیا ہے؟ نیز یہ کہ درحقیقت یہ کلام اصولاً خود سرسید کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، یا کسی جماعت کے خیالات سے ماخوذ ہے؟

اس ریویو مین ایک بڑی بحث **معتزلہ** کے متعلق تھی، کیونکہ قدیم علم کلام کے درحقیقت یہی بانی اور مدون تھے۔ ان کے اصول اور حکیمانہ خیالات کا خاکہ کھینچکر مسلمانون کو یہ دکھانا تھا، کہ آج جس آواز سے وہ متوحش ہو رہے ہین، وہ اب سے

بہت پہلے دنیای اسلام مین بند ہو چکی ہو ! ہان امتداد زمانہ سے مسلمانون نے اس کو فراموش کر دیا تھا، مگر ہندوؤن نے پھر یاد دلانے کی کوشش کی

یہ باب اسقدر تفصیل سے لکھا گیا کہ ایک مستقل رسالہ کی حیثیت تک پہنچگیا! اسلئے مناسب سمجھتا ہون کہ اس باب کو الگ شائع کر دون، کیونکہ اصل کتاب کی اشاعت مین بوجوہات تاخیر ہے۔

ابو الکلام آزاد دہلوی

زیر طبع

الکلام یعنے تاریخ علم الکلام کا دوسرا حصہ مصنفہ شمس العلما مولنا شبلی عنقریب شایع ہو

سوانح عمری مولنا روم

مولنا روم کی مثنوی فارسی لٹریچر کی جان سمجھی جاتی ہے اور صوفیہ تو اسقدر تقدس ہے کہ اسکو قرآن پہلوی کے خطاب سے یاد کرتے ہین۔ لیکن افسوس ہے کہ مثنوی کی یہ مقبولیت یا تو شاعرانہ حیثیت سے ہے یا اسلئے کہ اسکو تصوف و معارف کا مجموعہ تسلیم کر لیا ہے حالانکہ مولنا نہ شاعر تھے اور نہ انہون نے مفروضہ تصوف کے وہ خیالات اسمین بھرے ہین جنسے اسکی وقعت کیجاتی ہے بلکہ درحقیقت یہ ایک اعلیٰ درجہ کا فلسفیانہ تصنیف ہے۔ جسکو زمانہ کے عام رجحان کا اندازہ کر کے صوفیانہ پیرایہ مین اور شاعرانہ صورت مین فاضل مولوی نے پیش کیا ہے۔ اسی راز کی طرف وہ اشارہ ہے جس پر بہت کم لوگون نے غور کیا ہوگا۔ ع گفتہ آید در حدیث دیگران!

حواشی و شروح جتنے لکھی گئی ہین انمین اکثر تشریحات من چہ سرایم و طنبورہ من چہ سرآید کے مصداق ہین اسلئے ایک ایسے ریویو کی سخت ضرورت تھی۔ جو اگر مفصلاً نہین تو مجملاً ہی مثنوی کی اس اصلی تہ پر توجہ کرے ؛ مولنا شبلی نعمانی نے اسی خیال سے مولنا کی سوانح عمری ترتیب دی ہے اور مثنوی کے فلسفیانہ پہلو کو نظائر و امثال کیساتھ ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت سرعت سے چھپ رہی ہے اور غالباً ... کے بعد شایع ہوگی۔ (ان دونو کتابون کو خود مصنف سے ... علوم و فنون حیدرآباد دکن ... منگوانا چاہئے)

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علاقہ بمبئی

اور

مرحوم سر سید احمد خان

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ (نمبر ۴۸) مین ایجوکیشنل کانفرنس علاقہ بمبئی کے اجلاس احمد آباد کی ایک مختصر روئداد شائع ہوئی ہی جسکی تمہید کی یہ چند سطرین قابل توجہ ہین۔

"افسوس اس بات کا ہی، کہ ”ال انڈیا کانفرنس سے پراونشل کانفرنس کا کچھ تعلق نہی، کہ علی گڑھ مسلمانوں کی تعلیمی تحریک کا ایک بڑا مرکز ضرور ہے، اور علیگڈھ کا اتنا حق ضرور ہی، کہ جہان کہین میٹنگ ہو ہر سال ان کیلئے کچھ کیا جائے۔ اسکی حمایت سے علیگڈھ کو خوش کیا جائے، علی گڑھ سے تعلق نہی، علی گڈھ کا مشورہ اور صلاح نہی، مگر علیگڈھ کو مطلع رکھنا تو مناسب ہی"

درحقیقت احمد آباد کے گذشتہ اجلاس نے صرف طور پر ظاہر کر دیا ہی، کہ کانفرنس کے علیگڈھ مین ہونے کے کالج، اور کالج کے بانی، اسکی کانفرنس کی نسبت کیا خیالات ہین؟ اور اس سعید مین سعد رقومے ہمدردی اور کشادہ دلی سے کام لیا گیا ہی؟!

یہ بات کسی کے ماننے نہ ماننے کی نہین ہی، ملک نے، قوم نے، زمانے نے، اور ساتھ ہی گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا ہی، کہ مسلمانان ہند مین، خواہ وہ شمالی ہند کے ہون، خواہ جنوبی ہند کے ممالک متحدہ کے ہون، خواہ ممالک پنجاب کے، تعلیمی تحریک صرف اس شخص کی کوشش و جانفشانی کا نتیجہ ہی، جو آج علی گڈھ کالج کے ایک گوشہ مسجد مین آرام کر رہا ہی! اسی نے ہم کو اول اول بتلایا کہ ہماری کیا حالت ہی؟ گورنمنٹ سے ہمارا تعلق کس قسم کا ہی؟ ہم کس مرض مین مبتلا ہین؟ اور اسکا علاج کیا ہی؟ اسی نے ہمکو پہلے اس راستہ پر چلایا، جسپر آج بہت سے چلنے والے نظر آ رہے ہین! اسی نے سب سے پہلے وہ چراغ دکھلایا، جسکی روشنی مین ہم کو اپنی حالت صاف صاف نظر آئی، اور بہتون نے اوس سے اپنے اپنے چراغ روشن کر لیے! یعنی "آج جسقدر

نئی تحریک، علمی ذوق، کانفرنسون کا وجود، مدارس کا خیال، ملک کے مختلف حصون میں
نظر آ رہا ہی، وہ ایک ہی آدم کی چیخ پکار کا اثر یا ایک ہی کوشش کا ثمرہ ہے، سلئے وہ جو بدقسمت
وہ شخص سخت محسن کش، احسان فراموش، اور کافر نعمت ہی جو اپنے اصل محسن اور حقیقی
راہنما کی جانفشانیون کو تسلیم نہین کرتا۔

اب سے چالیس برس پیشتر جبکہ سرسید کی تحریک ملک مین پہلی نہین تہی، کیا کسی
انجمن، یا تعلیمی کانفرنس کا وجود ہمکو تبلایا جا سکتا ہی؟ یا کسی ایسی عام تحریک کا پتہ دیا
جا سکتا ہی؟ جو آج کل کی تعلیمی تحریکونکی مماثل ہو؟ اسی علیگڈہ کی خاک پاک سے یہ تحریک
عمل مین آئی، اور یکایک تمام ملک مین پھیل گئی، آج بہت سی کانفرنسین موجود ہین، بہت سی
انجمنین نظر آتی ہین، بیگرون مدرسے قائم ہو رہے ہین لیکن کس تحریک کا نتیجہ ہین؟ اور کسنے
یہ خیال قوم مین پیدا کیا؟ کیا کوئی ہی کہ سرسید کے سوا کسی کا نام لے سکے؟!

نواب زادہ نصر اللہ خانصاحب نے آج چار سال سے یہ کانفرنس قائم کی ہی اور "ہنوز منزل
اول است" کی مصداق ہی، ہم نہین سمجھ سکتے کہ وہ کونسا خیال ہی؟ اور کون سی زبردست
کامیابی ہی؟ جس نے نواب صاحب یا نوابصاحب کے خاص اشخاص کو اس امر پر آمادہ کر دیا؟
کہ کانفرنس کی اسٹیج پر کھڑے ہو کر علی گڈہ کو، علیگڈہ کی کانفرنس کو اور اسکے مرحوم بانی
کو بیوقعتی کیساتھ یاد کرین اور انکی کوششون کی اہمیت کو نہایت معمولی طریقہ سے ظاہر
کرتین ہم

کانفرنس کے دوسرے دن شب کو ایک خاص اجلاس منعقد ہوا تھا جس مین مسٹر حسن الدین خان
صاحب سب پوست ماسٹر کشن گڈہ نے جو ان دنون روپی فنڈ کیلئے اسطرف سفر کر رہے تھے، ایک مختصر
تقریر کی، جسمین انہون نے مسلمانان گجرات کو تعلیمی ترقی پر توجہ دلانی چاہی اور کہا کہ "ہندستان
مین تقریباً اٹھارہ برس سے تعلیمی کانفرنس قائم ہی، اور چالیس برس سی تعلیمی کوشش ہو رہی ہی، بہت سے
لوگ خواب غفلت سے جاگ گئے ہین اور اعلی تعلیم پر متوجہ ہوئے ہین، لیکن یہان یہ حالت ہی کہ صرف

چار برس سے کانفرنس قائم ہوئی ہے، اور پرائمری اور سکنڈری تعلیم کے رزولیوشن پاس ہورہے ہین لیکن
جسقدر ہمکو ترقی کرنیکی ضرورت ہے اس قدر دیکھین ابتک کیا ترقی کرتی ہے، ہم جاگ اٹھے ہین اور ہم ابھی تک انکھین مل رہے ہین
اسکے بعد ممدوح نے سر سید کا ذکر کیا، اور انکو تعلیمی تحریک کا بانی تسلیم کیا، یہ کہنا تہا کہ فوراً کانفرنس کے
ایک خاص ممبر بلائے گئے اور انہون نے کھڑے ہو کر فصاحت و بلاغت کیساتہہ اپنی ایسی اسپیچ کی جسپر خود نواب اعظم
نصیر الدین صاحب کو رشک ہے، خوب جوش ہر کہا ہے۔ اور بتایا کہ "سر سید کی تمام کوششون کا تعلق صرف ممالک مغربی
و پنجاب سے ہی ہمکو ان سے کوئی تعلق نہین اور ہم انکی کوششون کے ممنون ہین جیسا کہ سر سید نواب زادہ نصر اللہ خان
ہین جو مسلمانان بمبئی کیلئے اسقدر محنت کر رہے ہین، اسکے علاوہ اور بھی بہت کچھ سر سید کے متعلق ارشاد کیا، اور انکی
کوششون کی حتی المقدور کافی بے وقعتی کی اس تقریر کو سوائے ان چند اشخاص کے جنکے تعلق نواب صاحب سے کچھ وابستہ
ہین اور بہت کم لوگون نے دلچسپی سے سنا اور عموماً اس بانی رازی کو بیجا غرور اور اعزاز کی بیجا خواہش پر محمول سمجھا
گیا۔ آخری جلسہ مین تمام حاضرین کی نگاہین خان بہادر پریسیڈنٹ کے اختتامی ایڈریس پر لگی ہوئی تہین کہ وہ اس قسم
کی کہ رزائیون پر کس قسم کا ریمارک کرتے ہین، نواب وقار الملک سر سید کے ان قدیم دوستون و تعلیمی معاملات کے ان
سرپرستون مین سے ہین جنکا نام سر سید کے ساتہہ ہمیشہ لیا جاویگا آج جس تعلیمی طریقہ پر مسلمانان ہند کاربند نظر آتی
ہین اسکی صورت اور اسکا خاکہ اسی "تعلیمی شخص" کی ذہن کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے شخص کی صدارت مین تعلیم کے مجدد
اول کو اُسکے کامون کو اس بے وقعتی سے یاد کیا جانے اور اُسپر چشم پوشی کیجائے ایک غیر ممکن امر معلوم ہوتا
تھا، چنانچہ یہ توقع بہت بجا ثابت ہوئی اور پریسیڈنٹ نے اپنی اختتامی تقریر مین اسپر کافی گفتگو کی اور انہون نے
فرمایا کہ مین نے کانفرنس اور علیگڈہ کالج کے متعلق مختلف خیالات سنے ہین لیکن مین اس امر کو کبھی پسند نہین کر سکتا
کہ پریسیڈنسی کانفرنس آل انڈیا کانفرنس سے کسی قسم کی خصومت رکہے کیونکہ علی گڈہ کانفرنس کا مقصد کسی خاص حصہ
ملک کی اصلاح نہین ہے بلکہ تمام انڈیا کی اصلاح و ترقی کی کوشش کرتی ہے، پریسیڈنسی کانفرنس کی کوششین
اگر اس حصہ ملک کی اصلاح مین کامیاب ہون تو اسکا مفہوم یہ ہے کہ گویا اُس نے علی گڈہ کانفرنس کے مقاصد کا
ایک بڑا مقصد پورا کیا ہے اسلئے اس کانفرنس کی کامیابی علی گڈہ کانفرنس کی مسرت کا باعث ہے، ہمکو چاہیئے
کہ ان تمام کوششون کو جو ملک مین غیر واحد الجہت ہی ہین نہایت فراخدلی کیساتہہ دیکھین اور اپنے حوصلہ کو

دکن ریویو

ایک اعلیٰ درجہ کا علمی و اخلاقی باتصویر ماہواری رسالہ
جو جنوری ۱۹۰۶ء سے رسالہ افسانہ کے ساتھ شامل کیا گیا
ہے عالیجناب راجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ
مدارالمہام دولت آصفیہ نے ازراہ قدردانی و ہنرپروری
اسکی سرپرستی قبول فرمائی ہے۔ دکن کے مشاہیر اہل قلم اسکے
قلمی معاونین ہیں دکن ریویو و افسانہ کا حجم بالفعل (۹۶)
صفحہ ماہانہ ہے۔ اور قیمت سالانہ ؎ مع محصول ہے۔
جو صاحب دکن ریویو علیحدہ خریدنا چاہیں انسے عہ سالانہ
قیمت ہر حالت میں پیشگی لیجائیگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل
منگوانے پر پرچہ جاری کیا جائیگا نمونہ کا پرچہ ۲ بھیجنے پر ملسکتا ہے
المشتہر

محمد اسحاق علی منیجر افسانہ دکن ریویو حیدرآباد دکن۔

خدنگ نظر

اردو علم ادب کا ایک ترقی یافتہ ماہوار رسالہ جو اعلیحضرت
بندگان عالی حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ کی مبارک تقریب سالگرہ
کی قدیم علمی یادگار ہے اور ۱۸۹۸ء سے نہایت آب و تاب کے ساتھ
جاری ہے۔ اسمیں علمی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تاریخی مضامین۔
اعلیٰ درجے کی نظمیں۔ غزلیات۔ اور دیگر اصناف سخن کے
دلکش نمونے شایع ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ ہندوستان میں
ماڈرن لٹریچر کا ایک عمدہ نمونہ اور ارباب مذاق حضرات کی
قدردانی کا مستحق ہے۔
نمونے کے لیے صرف ۳ کے ٹکٹ کافی ہیں۔ قیمت
سالانہ مع ناول ؏ بلا ناول ؏ مع محصول۔
المشتہر

منیجر خدنگ نظر۔ لکھنو

چند نایاب مقدس کتابیں

حمائل شریف مطبوعہ قسطنطنیہ مطلا و مذہب جسکے
ہر صفحہ پر سنہری و روپہلی خوشنما کام کیا ہوا ہے قیمت ؏
حمائل شریف عکسی مطبوعہ دارالسلطنت روس
سینٹ پیٹرزبرگ جو پوسٹ کارڈ کی تقطیع پر نہایت خوشخط
اور اعلیٰ درجہ کی رنگین کاغذ پر بذریعہ عکس چھاپی گئی ہے
اور حفاظ قسطنطنیہ کے دستخطوں سے مزین ہے قیمت ؏
دلائل الخیرات مطبوعہ قسطنطنیہ جسکے ہر صفحہ پر سنہری
اور روپہلی جدولیں خوشنمائی پیدا کر رہی ہیں۔ جسکا
ٹائٹل پیج سنہری۔ روپہلی چھپائی کے کام کا ایک عجیب و غریب
نمونہ ہے جسکی جلد اعلیٰ درجہ کی سنہری کام کی بندھی ہوئی
ہے۔ قیمت تخفیفی ؏

دفتر لسان الصدق سے یہ کتابیں ملسکتی ہیں

زمانہ

جسمین اپریل ۱۹۰۴ء سے مشاہیر ہند کے عکسی تصاویر کا انتظام کیا گیا ہے

قیصری پریس پلی سے ہر ماہ مین ایکبار عمدہ اور دبیز کاغذ پر شائع ہوتا ہے۔ اسمین ملک کے مشہور اور منتخب مضمون نگارون کے لکھے ہوے ملکی علمی اخلاقی وغیرہ ہر قسم کے نثر و نظم مضامین چھپتے ہین۔ مشہور مضامین پر تنقید ین لکھی جاتی ہین علمی خبرین نوٹس اور تذکرہ کے عنوان سے مشہور مصنفون کی تصنیف و تالیف کے متعلق دلچسپ واقعات اور معلومات انکی تجویزین اور ارادے درج کیے جاتے ہین تازہ اور جدید تصانیف زیر طبع کتب کا اعلان ہوتا ہے۔ ملک کے قابل قدر رسالون پر ہر ماہ باقاعدہ ریویو لکھا جاتا ہے! ور اسطرح ناظرین کو کم سے کم خرچ اور وقت مین اہل ملک کے خیالات اور تحریرات سے مستفیض ہونیکا موقع دیا جاتا ہے۔ منتخبات مین اردو کے علاوہ ہندی انگریزی رسالون کے خاص خاص مضامین کا ترجمہ بھی وقتاً فوقتاً پیشکش ناظرین ہوتا ہے۔ غرض ہر طرح سے یہ ایک مفید ملکی رسالہ اور جامع میگزین ہے۔ یہ کسی خاص قوم یا مذہب کا رسالہ نہین ہے! سواسطے اسکے مضامین عام دلچسپی اور فائدے کے ہوتے ہین۔ علاوہ برین۔ ہر ماہ مشاہیر ملک مین سے کسی نہ کسی کی عکسی تصویر پر رسالہ ہوتی ہے حجم۔ کاغذ مضامین وغیرہ کی اعتبار سے اردو مین یہ نہایت سستا رسالہ ہے۔ قیمت سالانہ ؎ علاوہ محصولڈاک نمونہ کا پرچہ مفت۔

تمام درخواستین بنام منیجر رسالہ زمانہ قیصری پریس یو۔ پی آنی چاہئین

قوم

یہ رسالہ جنوری ۱۹۰۶ء سے ماہوار جے پور سے شائع ہوتا ہے اس عرصہ مین اسکی ظاہری حالت مین بہت کچھ اصلاح اور تغیر و تبدل ہوا۔ اب جنوری ۱۹۰۸ء سے ۲۰×۲۲ کی تقطیع کے عمدہ سپید سوپی کاغذ پر ۶۰ صفحہ علاوہ ٹائٹل شائع ہوتا ہے۔ تہذیب اخلاق اصلاح تمدن ترقی قومی۔ اسکے خاص مقاصد ہین۔ شہر جے پور مین رہنے والون سے ایک آنہ سالانہ۔ اور بیرونجات سے مع محصولڈاک ۱۲ رسالانہ ہے قیمت ہمیشہ پیشگی لیجاتی ہے نمونہ کا پرچہ درخواست آنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔ رسالہ قوم پر ملک کے اکثر اخبارات و رسائل نے عمدہ ریویو کیے ہین۔

تمام درخواستین اس پتہ پر ہون۔

منیجر "رسالہ قوم" جے پور۔ (راجپوتانہ)

ایک ماہوار علمی رسالہ

لسان الصدق

سلسلۂ جدید

نمبر ۱ و ۲	اپریل (و) مئی ۱۹۰۵ء	جلد ۳

اڈیٹر

ابوالکلام آزاد۔ دہلوی

فہرست مضامین

مقام اشاعت نمبر ۱۳۔ بلاس روڈ۔ پوسٹ بھائی کھلہ بمبئی

مفید عام پریس آگرہ میں باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپا

قیمت سالانہ مع محصول درجہ اول ۲؍ درجہ دوم ۱۲؍

اُردو مین اپنی ڈھنگ کا پہلا رسالہ

ریویو

جس کا مقصد صرف ریویو ہے

یورپ کی زبانون مین متعدد رسالے ایسے شایع ہوتے ہین جنکا مقصود صرف "ریویو" ہوتا ہے، وہ ملک کی قابل قدر تصنیفات پر مفصل تنقید کرتے ہین۔ مصنفین کو ضروری معلومات سے مدد پہونچاتے ہین، دوسرے ملکون سے علمی تعلقات پیدا کرکے علم دوست جماعت کیلئے وہ اسباب مہیا کرتے ہین جن سے وہ اپنی علمی ضرورتین آسانی سے پوری کرسکین۔ افسوس ہے کہ اُردو مین ابتک کوئی رسالہ اس مقصد سے شایع نہین ہوا، اور یہ اہم کام بڑے بڑے رسالون کا ضمیمہ بنکر ناقابل اور غیر موزون حالت مین خراب ہوتا رہا! آج لسان الصدق اس کمی کے پورا کرنے پر آمادہ ہوتا ہے ۲۰۔ جون ۱۹۰۵ء سے ایک ماہوار رسالہ بالفعل (۱۶) صفحون کی ضخامت پر بطور ضمیمہ لسان الصدق شایع ہونا شروع ہوگا، جسکا نام اور نام کے ساتھ صرف مقصد ریویو ہے۔

مقاصد (۱) ہندوستان مین جسقدر کتابین شایع ہوتی رہتی ہین اُنپر مفصل ریویو کرنا، اور کوشش کرنی کہ اس کتاب کی مفصل کیفیت، مصنف کی عمدہ تصویر شایع کی جاے۔

(۲) ممالک اسلامیہ مین عربی کی جو قابل قدر کتابین شایع ہوتی ہین انپر مفصل ریویو کرنا، اور خریدارون کی فرمایش پر اصلی قیمت پر کتاب کا منگوا دینا، اور کوشش کرنی کہ جن اردو عربی کتابون پر ریویو کیا جاتا ہی اسکے متعدد نسخے دفتر مین موجود ہون

(۳) ہندوستان مین اسوقت تک کوئی ایسی ایجنسی نہین ہے جہان قلیل منفعت پر مصر شام و قسطنطنیہ کی نادر الوجود کتابین شایقین کو دستیاب ہوجاتین اگر ایک دو دکانین ہین بھی تو وہان زیادہ تر قدیم مذاق کی تصنیفات اور دینیات کی کتابین دستیاب ہوتی ہین اسلئے ریویو کے متعلق ایک ایجنسی قایم کیگئی ہی جہان تمام جدید کتابین اور علوم و فنون جدید کے تراجم تقریباً اصلی قیمت پر شایقین کو مل سکتے ہین۔

(۴) دائرة المعارف جیسی قیمتی کتابین منگوا کر اس ایجنسی کے ذریعہ ماہوار قسط کے آسان طریقہ پر فروخت ہونگی۔

قیمت سالانہ مع محصول عہ مگر خریداران لسان الصدق کیلئے صرف ۱۲؍ درخواستین دفتر لسان الصدق کو بھیجی جائین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مبادلۂ سنین

اور

لسان الصدق

صبح ہوئی، شام ہوئی، دن گیا، رات آئی، کل شنبہ تھا، آج یکشنبہ ہے، کل اکتیسویں تھی، آج پہلی ہے، اسی طرح تسبیح کے دانے اپنی آخری مرکز تک پہنچ گئے، اور اُس سلسلے کا ایک دور جسکی ابتدا کسی کو معلوم نہیں ختم ہوا، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، آج جنوری کی پہلی تاریخ ہے، اور نیا دور نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔

اگر اس عظیم الشان انقلاب کا جو زمانہ میں، اور زمانے کی ہر چیز میں تغیر پیدا کر دیتا ہے، ہماری طبیعتوں میں موثر احساس ہوتا، تو درحقیقت ہمارے وہ دلفریب زندگی، جو عیش وآرام سے وابستہ ہے، بے اطمینانی سے بدل ہو جاتی، بہت کم لوگ ہوتے ایسے، جو خود کو اس احساس سے محفوظ رکھ سکتے، لیکن قدرت ہمارے آرام و آسایش کی اسقدر حامی ہے، کہ اس موثر احساس سے ہمکو بالکل محروم رکھا، اتنی بڑی وسیع مدت! اتنا بڑا طویل زمانہ! بات کی بات میں ختم ہو جاتا ہے، خواب غفلت

کے سرشار سمجھتے ہیں کہ ابھی نئے سال
کے تین سو پینسٹھ دن باقی ہیں، لیکن یکایک
وہ عین وقت آ پہنچتا ہے، جبکہ پچھلا حکمراں
معزول اور ایک نیا شخص اسکا جانشین
مقرر ہوتا ہے۔ ہم چونکتے ہیں اور حیرت سے
نئی صورت کو دیکھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں،
کہ تین سو پینسٹھ دن کی نئی فرصت ہاتھ آئی
ہے!

اکتیسویں دسمبر کی رات، اور پہلی جنوری
کی صبح بھی کس قدر عجیب اور حیرت انگیز تھی
جبکہ ۱۹۰۴ء کے وہ نظر فریب تماشے،
جنکے دیکھنے سے ابھی ہماری نگاہیں سیر
نہیں ہوئی تھیں۔ یکایک نظروں سے
غائب ہو گئے، اور ایک ناگہانی ڈراپ سین
نے آنے والے تماشوں کا منتظر بنا دیا،
۱۹۰۵ء کی آمد آمد ہے! اور نہایت بے چینی
سے انتظار کی آنکھیں اٹھی ہوئی ہیں،
کہ ۱۹۰۵ء کے اسٹیج پر کیسے کیسے ایکٹر
آتے ہیں؟ اپنے تماشوں سے دیکھنے
والوں کو بے چین کر کے جاتے ہیں؟ یا
مسرت و شادمانی میں محو کر کے؟

ظاہر ہے کہ یہ انقلاب دنیا کی ہر چیز پر اثر
ڈالے گا، لیکن اس تاثیر کو وہی نگاہیں
محسوس کر سکیں گی، جو حقیقت بینی کے
سرمے سے مزین ہیں، ظاہر بینوں کو وہی
آسمان، وہی زمین، وہی زمانہ، وہی
زمانہ کے نقش نظر آئینگے، گو زمانہ بالکل بدل جائیگا
لیکن انکی نگاہیں یہی دیکھیں گی کہ وہ اپنی
اسی قدیم حالت پر قائم ہے، جسپر وہ اسے
ابتدائی عمر سے دیکھتے آئے ہیں؛ زمانہ
کا یہ تغیر دنیا پر کیا اثر ڈالے گا؟ وہ اس
اہم سوال کا جواب کیونکر دے سکتے ہیں؟
جبکہ انہیں اسکی بھی خبر نہو کہ اس انقلاب
نے خود انکی زندگی پر کیا اثر ڈالا ہے؟
ترقی کر رہی ہے یا تنزل؟

شادیم کہ سال نو در آمد
غافل کہ ز عمر رفت سالے

لیکن کیا لسان الصدق دنیا کے

وسیع لفظ میں حصہ شمولیت نہیں رکھتا؟ اگر رکھتا ہے، تو پھر کیوں نہ ہم اس پر غور کریں کہ لسان الصدق پر اس انقلاب کا کیسا اثر پڑا؟ اور آیندہ کہانتک متاثر ہوگا؟ کیونکہ بقول ایک یورپین فلاسفر کے اُس شخص سے بڑھکر کوئی نادان نہیں ہے، جو دنیا بھر کی قسمتوں کا فیصلہ کرے، مگر اپنی قسمت پر کبھی غور نہ کرے کہ اس کا کیا فیصلہ ہوگا؟

لسان الصدق ۱۹۰۳ء میں شایع ہوا تھا اور جنوری ۱۹۰۴ء سے اسکی دوسری جلد شروع ہوئی تھی، نو نمبروں پر یہ جلد ختم ہوگئی، اور آج جنوری ۱۹۰۵ء سے یہ تیسری جلد میں قدم رکھتا ہے!

اس عرصہ میں اسکی کیا حالت رہی؟ اور اُس نے اپنے فرائض کہانتک ادا کیے؟ افسوس ہے کہ اس سوال کے جواب میں ہم ندامت اور خجالت کے سوا کچھ پیش نہیں کر سکتے! بہت سے خوش قسمت رسالے آج اپنی پچھلی روئداد پیش کر کے خریداروں سے داد اور ناظرین سے مبارکباد کے متوقع ہونگے، لیکن ہم ہیں کہ اپنی گذشتہ حالت کو افسوس اور آیندہ حالت کو امید کی نظر سے دیکھ رہے ہیں!

اس سال بھر میں ہم کن مجبوریوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہے؟ یہ سوال پہلے سوال سے گو آسان ہے، مگر اُس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے، مختلف مقامات کا سفر، سخت دایم المرضی، چند پریشان کن واقعات، بعض ایسی پیچیدگیاں، جو وسعتِ تعلقات سے دنیا میں رہنے والوں کو اکثر پیش آیا کرتی ہیں، اور اور اسی قسم کے متعدد واقعات جو سال بھر میری امیدوں اور آرزوں کو خاک میں ملا کر میری پریشانی میں اضافہ کرتے رہے، اور جنکی طول طویل فہرست اسوقت پیش کی جا سکتی ہے، لیکن درحقیقت ان مصائب پر توجہ کرنی بھولے ہوئے واقعات کا یاد کرنا ہے، جس سے نہ اس ندامت

کی تلافی ہوسکتی ہے، اور نہ رسالہ کی حالت پر کوئی اچھا اثر پڑ سکتا ہے سوا اسکے کہ ایک کی افسردہ دلی مجلس کی مجلس کو افسردہ دل بنادے، جو کچھ گزرا اور جن جن مجبوریوں میں ہم مبتلا رہے، اُسکے اندازہ کرنے کیلئے اس قدر کہدینا کافی ہے، کہ اس سال بھر میں ہمکو معرفت آلہی کا اعلی سبق حاصل ہوا، اور ایک اضطراری حالت نے ہمکو سمجھا دیا کہ

عرفت ربی بفسخ العزائم

لیکن باوجود ان مجبوریوں کے، جن کے اثر سے لسان الصدق اُن تمام باتوں کو کھو بیٹھا تھا، جو کسی رسالے کی قبولیت اور ترقی کا باعث ہوتے ہیں، پبلک نے اُسپر جسقدر توجہ کی، وہ درحقیقت اک حیرت انگیز اور عام حالات کے خلاف واقعہ ہے؛ لوگ کرتے ہیں، مگر شاکی ہیں کہ دنیا نے توجہ نہیں کی، ہم نے کچھ نہیں کیا، مگر آج معترف ہیں کہ زمانہ نے بڑی قدردانی کی!!

لسان الصدق کے گزشتہ گیارہ پرچے اسوقت ہمارے سامنے پڑے ہیں، نو پرچے نمبر میں ایک طول طویل تشریح کے بعد چار ضروری مقصد پیش کئے گئے تھے، جن پر لسان الصدق کاربند ہوکر ملک و قوم کی خدمت کرنی چاہتا تھا۔

(۱) "سوشیل رفارم" یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

(۲) "ترقی اُردو" یعنی اُردو زبان کی ادبی اور علمی ترقی کی کوشش کرنی۔

(۳) "انتقاد" یعنی ملک کی مشہور تصنیفوں و اخباروں پر منصفانہ ریویو کرنا۔

(۴) علمی مذاق کی "اشاعت" بالخصوص بنگالہ میں۔

یہ مقاصد جس قدر اہم اور ضروری ہیں، اس سے کہیں زیادہ ہمارا ارادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ قایم ہوا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ ایک کام کا نہ کرنا اس سے بہتر ہے، کہ ایک کام شروع کیا جاے۔ اور اُسکو آخر تک پورا

نہ کیا جاسے۔ اسلئے ہمنے پوری آمادگی اور طیاری کے بعد رسالے کی اشاعت کا بار اپنے سرلیا تھا، لیکن اب اسکا گلہ کس سے کیا جاسے کہ آنے والے واقعات نے ہماری آمادگی کے خلاف کوشش کی، اور تمام امیدیں خاک میں ملادیں، اگرچہ ان مقاصد کے متعلق متعدد مضامین شایع ہوسے، اور بعض مضامین ہندوستان کے نامی پرچوں نے مثل "عصر جدید" اور "شریف" وغیرہ کے اپنے اپنے پرچوں میں نقل کیے جو اُن مضامین کی عمدگی کا کافی ثبوت ہے، لیکن درحقیقت ان جزئی باتوں سے ہم یہ جرأت نہیں کرسکتے کہ لسان الصدق کی گذشتہ حالت کو فخر یا کم از کم مسرت کیساتھ پیش کرسکیں، کیونکہ لسان الصدق نے جن مقاصد کے پورا کرنے کا دعوی کیا تھا اور قوم کی جو خدمات اپنے سرلی تھیں، اگر یہ انہیں کامیاب ہوتا، اور اپنے فرایض پورے طور پر ادا کرتا تو بیشک آج اسے استحقاق تھا کہ ندامت کی جگہہ زمانے سے افتخار کا تمغہ حاصل کرسے، اور سرنگونی کی جگہ اپنا سر بلند کرسے لیکن جبکہ آنے والے وقت نے اسکی مخالفت کی، اور کام کرنیکا زمانہ ناکامی میں گذر گیا، تو اب اگر امتحان میں چند جزئی باتیں قابل تعریف ثابت بھی ہوں، تو زمانہ انپر توجہ کرکے "کامیابی" کا سارٹیفکٹ نہیں دے سکتا۔

یہ مبادلہ سنین نہیں معلوم دنیا پر کیا اثر ڈالے گا، اور لسان الصدق کی اسکے دور حکومت میں کیا حالت رہے گی؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکے آتے ہی لسان الصدق کی امیدوں میں ایک نئی روح پڑگئی، اور اسکی مردہ آرزوئیں از سر نو زندگی پیدا ہوگئی، اسلئے ہمکو کامل امید ہے کہ سنہ ۱۹۰۵ع کا دور حکومت لسان الصدق کیلئے نہایت مبارک ثابت ہوگا، اور ہماری وہ امیدیں پوری ہونگی جنکا سال بھر نہایت بے دردی

سے خون ہوتا رہا —

"لسان الصدق" اپنی اصلی صورت آج اختیار کرتا ہے، اسلئے اسکی اصلی زندگی آج سے شروع ہوتی ہے، اب "لسان الصدق" وہ لسان الصدق نہیں رہا، جسکو سال بھر تک آپ معمولی نگاہ سے ملاحظہ فرماتے رہے بلکہ اب لسان الصدق ایک ایسے رسالے سے عبارت ہے، جو کارآمد، مفید ملک، اور سائنٹفک مضامین کا ایک عمدہ مخزن ہے جسکے کارآمد اور مفید بنانے میں ہندوستانی کوشش کے تمام ممکن ذرائع سے کام لیا گیا ہے" اور جس سے بہتر نمونہ اردو پریس کی موجودہ حالت نہایت مشکل سے پیش کر سکتی ہے۔

اسمیں چند خصوصیتیں یورپ اور ممالک اسلامیہ کے رسائل کی تقلید میں ایسی جمع کی گئیں ہیں، جن کی نظیر آج اردو کا کوئی رسالہ پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ تمام غیر معمولی کوششیں، جن سے "لسان الصدق" یکایک ترقی کے میدان

میں نظر آرہا ہے، درحقیقت اس گزشتہ تنزل کا نتیجہ ہے، جسنے طبیعت میں ندامت پیدا کرکے تلافی کا مضبوط خیال پیدا کر دیا تھا! اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ لسان الصدق کی گذشتہ حالت اگرچہ طبیعتوں کو افسردہ کرنے والی تھی، لیکن نتیجہ کے لحاظ سے نہایت مبارک ثابت ہوئی کیونکہ اگر ندامت نہ ہوتی تو تلافی کا خیال بھی نہ ہوتا، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا، تو اس قدر جلد ترقی تک پہنچانے والی کوشش یا تحریک بھی پیدا نہ ہوتی، اور ایک مدت میں کہیں لسان الصدق اس حالت تک پہنچتا۔!

اے باد صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست!!

اب وہ زمانہ کچھ دور نہیں ہے، جبکہ لسان الصدق کی حیرت انگیز ترقی اسکے گذشتہ تنزل کی کافی تلافی کر دے گی،

اور آپ اسکی دلفریب صورت کے نظارے میں ایسے محو ہو جائیں گے، کہ اسکی پچھلی حالت کا اثر آپکے دماغ سے بالکل محو ہو جائیگا!

ہمارے اُن عنایت فرماؤں کو جنکی سرپرستی کا لسان الصدق کو شرف حاصل ہے، جب اس امر کی اطلاع ہوئی کہ جنوری سے رسالہ کی حالت میں ایک مفید انقلاب ہونے والا ہے، تو انھوں نے اسکی آیندہ حالت کے متعلق مختلف رائیں دیں، ایک صاحب نے فرمایا کہ "یہ رسالہ اب بطور کوارٹرلی ریویو کے شائع کیا جائے، اور اسکی ضخامت صرف [illegible] مسلمانوں میں [illegible] کی جائے" ایک اور صاحب اس پر مصر ہوئے کہ "جنوری سے اسکی ضخامت کم از کم چار جزو کر دی جائے، اور قدیم وجدید نظم کا حصہ بڑھایا جائے"

بعضوں نے رائے دی کہ "اسکے موجودہ مقصد ہدایت میں [illegible] وسعت دیجائے اور اس قسم کے مضامین بھی شائع کئے جائیں جنمیں کسی مذہبی اصول کی تحقیق کی گئی ہو، کیونکہ مرحوم "تہذیب الاخلاق" کے بعد اب کوئی رسالہ اس رنگ کا نظر نہیں آتا"

اسی طرح لسان الصدق کے ایک مکرم اور مخدوم سرپرست اس امر پر زور دینے لگے کہ جہانتک ہو سکے یہ رسالہ سائنٹفک مضامین کے لئے وقف کر دیا جائے، اُنکے نزدیک ابھی اردو میں ایک ایسے رسالہ کی سخت کمی ہے، جو قوم کے سائنٹفک مذاق کو ترقی دے۔

ان تمام رایوں کے دیکھنے سے ہمکو اختلاف طبائع اور اختلاف مذاق کا نہایت عمدہ اندازہ ہوا، علمی مذاق کی طبیعت سائنٹفک مضامین کو ڈھونڈھتی ہے، اور مذہبی ضرورت کا آشنا مذہبی رسالہ کا متلاشی ہے، شعر وسخن سے چٹخارا لینے والے ایک علمی یا مذہبی رسالہ کو دلچسپی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے اور اعلیٰ حالت کے متوقع ادنی درجہ سے اپنی طبیعت خوش نہیں کر سکتے، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ایک رسالہ مختلف مذاقوں کو کیونکر جمع کر سکتا ہے؟ اور ایک ہی آئینہ

مین دنیا بھر کی صورتیں کیونکر نظر آسکتی ہیں؟
اگر کوشش بھی کیجاسے اور کسی رسالہ میں مختلف
رنگ کے مضامین جمع بھی کئے جائیں تو یہ
مشکل ہے کہ اسکا ہر رنگ عمدہ حالت پر ہو،
یورپ میں آج ہر علم و فن کے مختلف رسالے
شائع ہوتے ہیں، اور ہر مذاق کا شخص اپنے
مذاق کا رسالہ ڈھونڈھ لیتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا
کہ ایک ہی رسالہ کو جس طرح ایک فلاسفر دلچسپی
کی نگاہ سے دیکھے، اسی طرح ایک مذہبی
فاضل بھی اسے وقعت کے ساتھ پڑھے؟
جس طرح علمی مجالس میں اسکی عزت ہو، اسیطرح
شعرا کی دلفریب صحبتوں میں بھی باریاب ہو!

اس لیے اس مشکل کا اندازہ کرکے ہمنے
آج سے لسان الصدق کو ایک ایسی حالت
میں چلانا چاہا ہے، جسمیں وہ مذاق انتخاب
کرکے جمع کئے جائیں، جو درحقیقت اسوقت
ضروری ہیں، نہ کہ اُن مذاقوں کا خیال رکھا
جائے جسپر زمانہ مٹا ہوا ہے، ہم دیکھتے ہیں
کہ قوم کو یہ مذاق پیدا کرنا چاہئے اور اس
راستہ پر چلنا چاہئے، اس لئے ہم کوشش
کرتے ہیں کہ قوم وہ مذاق پیدا کرے اور اسی
راستہ پر چلے، ہمارا حال اُن لوگوں کا سا نہیں ہے،
جو دیکھتے ہیں کہ قوم آجکل کس مذاق کی دلدادہ
ہے، اور کس لکیر کی فقیر ہے؟ اس لئے
وہ اپنی قبولیت کے لئے اسی مذاق کو پیش
کرتے ہیں، اور اسی راستہ پر چلنے کی تلقین
کرتے ہیں، لسان الصدق سچائی کی زبان
ہے، اس لئے اُس سے سچائی کے سوا
اور کسی بات کی توقع نہیں ہو سکتی، اسی صداقت
نے جو راستہ دکھلایا ہے، آج سے اُسپر چلنے
کی لسان الصدق کوشش کرتا ہے، اگر یہ
اپنے منزلِ مقصود تک پہنچگیا، تو ہم بھی سمجھیں گے
کہ بیشک! لسان الصدق نے دنیا میں آکر
اپنے قدردانوں کا حقِ رفاقت ادا کیا، ہمکو
قوی امید ہے کہ وہ کامیاب ہوگا، اور ہم ایک
زمانے میں مبارکباد کے مستحق ہونگے!

یورپ میں مختلف مذاق کے جو رسالے
شائع ہوتے ہیں، انکی تقلید میں مصر و ٹرکی آج
تمام ایشیا میں فوقیت رکھتا ہے، ان ممالک
کے رسائل میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں،
جنکی اُردو رسالوں میں نظیر نہیں ملتی۔

(۱) اول یہ کہ چھپائی، لکھائی، اور کاغذ کی عمدگی
سے انکی ظاہری صورت میں دلفریبی، اور
خوشنمائی پیدا کر دیتی ہے، جو اُردو رسائل میں
بالکل نہیں ہے، اگر ایک دو رسالے اس
امر میں زیادہ کوشش کرتے بھی ہیں تو بھی
انکے مقابلہ میں نہیں ٹھیر سکتے۔

(۲) دوم یہ کہ انکی ضخامت اسقدر زیادہ ہوتی
ہے کہ زیادہ سے زیادہ ضخامت کے اردو
رسالہ کو اسکا تیسرا حصہ بھی بمشکل کہا جا سکتا ہے،
اسلئے انمیں مضامین ہر قسم کے بکثرت آسکتے
ہیں، اور ایک مہینے کی دلچسپی کا کافی سامان
جمع کر سکتے ہیں۔

(۳) سوم یہ کہ مضامین کے جمع کرنے میں نہایت
کوشش اور محنت سے کام لیتے ہیں،
اُردو رسالوں میں دو چار رسالے ایسے
بمشکل نکلیں گے، جنکے ہر نمبر میں کوئی نہ
کوئی عمدہ مضمون ضرور ہو، ورنہ عموماً صفحات
پری کے لئے ہر قسم کے رَدّی اور بے نتیجہ
مضامین جمع کر دیے جاتے ہیں۔

(۴) چہارم یورپ اور امریکہ کے رسالوں میں
ایک ایسی عجیب قوت سے کام لیا جاتا ہے،
جو رسالے میں ایک نئی روح پیدا کر دیتی
ہے اور یہی وہ روح ہے، جس سے ہمارے
اردو رسالے بالکل خالی ہیں، اور اس لئے
انکے مقابلہ میں بے جان مردے سے
زیادہ وقعت نہیں رکھتے، وہ عجیب قوت
"تصاویر" ہیں، جنکا مضامین کی دلچسپی،
اور اہم مطالب کی تسہیل کے علاوہ رسالہ کی
ظاہری صورت پر بھی نمایاں اثر پڑتا ہے۔
"تصویر" آج بیسویں صدی میں، تاریخی اور اخلاقی
مضامین کا جزو اعظم تسلیم کر لی گئی ہے، اور
روز بروز اُسکی ضرورت پر زیادہ توجہ ہوتی جاتی
ہے اسلئے جب تک اُردو رسائل اس

قوت سے کام نہیں لیں گے، انہیں وہ خوبیاں
پیدا نہیں ہو سکتیں، جو یورپ کے رسالوں کی
خصوصیات تسلیم کی گئیں ہیں،

یہ وہ خصوصیتیں ہیں جنسے اُردو رسائل
بالکل محروم ہیں، اسلئے متعدد رسائل کی
موجودگی پر بھی اُردو میں ایسے رسالوں کی
سخت ضرورت باقی ہے جو یہ خصوصیات
حاصل کر کے مغربی تقلید کا کامل نمونہ پیش
کریں، اور دلچسپ مگر بے نتیجہ مضامین کو ترک
کر کے، خشک مگر کار آمد مضامین سے
ملک میں علمی مذاق پیدا کریں۔

کیونکہ اسوقت جتنے رسالے اُردو میں شایع
ہوتے ہیں، انمیں ایک بڑا حصہ تو اُن رسالوں
کا ہے، جو اس بحث میں شامل ہونے کا
استحقاق ہی نہیں رکھتے، بہت سے رسالے ایسے
ہیں جنکا کوئی خاص مقصد نہیں ہے، مختلف
مضامین جمع کر کے شایع کر دیتے ہیں۔ اور
اسی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، ان دونوں
قسموں کے الگ کر دینے کے بعد زیادہ سے
زیادہ دو رسالے ایسے ملیں گے جو نہایت اہتمام
سے شایع ہوتے ہیں، اور ملک میں کافی
قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن ان دو
رسالوں کے سوا اور کسی رسالے پر کار آمد
ہونے کا اطلاق جایز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ملک
میں لٹریری مذاق کے پیدا کرنے، اور انشا پردازی
کو ترقی دینے کے سوا انکی اور کوئی غرض نہیں
ہے اگر انکی سالانہ جلدیں اول سے آخر تک
دیکھی جائیں، تو بمشکل دو چار مضمون ایسے
دستیاب ہونگے، جنکا کسی علمی سبجکٹ سے
تعلق ہو، ورنہ غالب حصہ انہیں مضامین کا
ہو گا، جنمیں کسی دلچسپ سبجکٹ کو لٹریچر
کی رنگ آمیزی سے اس قابل بنانے
کی کوشش کی جاتی ہے، کہ تفریح طبع
کا عمدہ کام دیسکے۔

جن دو رسالوں کو ہمنے عام کلیہ سے

مستثنیٰ کیا ہے: یعنی ایک رسالہ تو بیشک
ایک خاص مفید غرض سے شایع ہوتا ہے
اور اسلئے اسکا وجود نہایت کارآمد اور قابل قدر
ہے۔ دوسرا رسالہ اگرچہ لٹریری اغراض سے
بالکل الگ نہیں ہے لیکن پھر بھی اسکے
ہر نمبر میں کوئی نہ کوئی مضمون اس قسم کا ضرور
ہوتا ہے جسمیں کسی ضروری اصلاح یا تجویز
یا کسی علمی مسئلہ پر بحث کی گئی ہو، اس لئے
پہلے رسالے کے بعد نسبتاً یہ اس امر کا
مستحق ہے کہ اسکو مستثنےٰ کرکے ایک خاص
امتیاز بخشا جاے،

یہ دو رسالے "عصر جدید" اور "زمانہ" ہیں

عصر جدید ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ
"سوشیل ریفارم" سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی
مقصد اسکے تمام مضامین کا عام مرکز ہے،
"زمانہ" کے جن خاص مضامین کو ہمنے کارآمد
قرار دیا ہے اور جنکی بدولت اس منصفانہ رنگ
میں اسنے استثنا کا استحقاق حاصل کیا ہے
وہ بھی زیادہ تر اسی قسم کے اصلاحی مقاصد
پر شایع ہوتے ہیں، اسلئے اگر اس پہلو سے
نظر ڈالی جاے تو درحقیقت اردو میں کوئی رسالہ
ایسا نظر نہیں آتا جو قوم کے علمی مذاق کو ترقی
دے، اور بے نتیجہ تحریروں سے بالکل پاک
وصاف ہو، لاہور کی "بائیبل سوسائٹی" کا ماہوار
رسالہ "ترقی" بیشک علمی مضامین اکثر شایع
کرتا رہتا ہے: لیکن چونکہ اس رسالہ کی اصل
غرض اُن مضامین کو شایع کرنا، اور اُن پر
توجہ دلانا ہے، جو رسالہ کے ابتدائی اوراق
میں نظر آتے ہیں، اسلئے وہ ان مضامین
کو جو درحقیقت ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتے
ہیں، اس توجہ اور ترتیب سے جمع نہیں کرسکتا
جو اس قسم کے علمی رسالہ کیلئے ضروری ہے
پس درحقیقت کوئی رسالہ اردو میں ایسا نہیں
نظر آتا جو اس مرض کا کافی علاج کرسکے جس نے
ملک کے عام مذاق، اور شوق و ذوق میں
سخت اضمحلال پیدا کردیا ہے، اگر ایسی
حالت میں لسان الصدق اس کام کا

بیڑا اٹھائے، اور اس مرض کے استیصال کی کوشش کرے، تو کیا اس سے بڑھکر کوئی اور خوش آیند خیال ہو سکتا ہے؟

ہاں! بیشک! لسان الصدق اس اہم خدمت کو نہایت جرأت اور استقلال کے ساتھ اپنے سر لیتا ہے، وہ آیندہ اس راستہ پر چلنے کی کوشش کرے گا جو اگرچہ شاہراہِ عام سے بالکل الگ ہے، لیکن قوم کو منزلِ مقصود پر پہنچانے والا ہے؛ لٹریچر نے گو اسکا ساتھ نہیں چھوڑا مگر وہ لٹریری دنیا سے بالکل ترک تعلق کرتا ہے، اور اب ہمیشہ کیلئے علوم و فنون کے چٹیل میدان میں قدم رکھتا ہے، باغ و گلزار کی دلفریب صورت، نہر و شجر، کے پرلطف منظر پر اس خشک جنگل کو ترجیح دیتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہمدرد رفیق اس سفر میں کہانتک ہمارا ساتھ دیتے ہیں اور انکی رفاقت ہماری ہمت میں مضبوطی پیدا کرکے کبتک منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے؟

یورپ اور ممالک اسلامیہ کے نامور علمی رسائل کی چار خصوصیتیں ہمنے ایسی پیش کی ہیں جنکی اردو رسائل اسوقت تک کامل تقلید نہیں کی، انمیں پہلی خصوصیت یہ ہے کہ رسالہ کی ظاہری صورت کا جن امور سے تعلق ہے، انکو اعلیٰ حالت میں جمع کیا جائے اس خصوصیت کے لحاظ سے کوشش کیجائے گی کہ اردو پریس کا بہتر سے بہتر نمونہ لسان الصدق کے صفحات میں پیدا کیا جائے، اور اسکی ظاہری صورت کے دلفریب بنانے میں غیر معمولی محنت سے کام لیا جائے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ رسالہ کی ضخامت میں اتنی وسعت ضرور ہونی چاہئے کہ مہینہ بھر کی دلچسپی کا سامان کافی طور پر جمع ہو سکے بیشک! یہ خصوصیت ایسی ہے۔ جسکی کامل تقلید اسوقت نہ صرف مشکل، بلکہ

ہمارے حیطۂ قدرت سے باہر ہے، ضخامت کا بڑھنا صرف ایڈیٹر کی کوشش پر منحصر نہیں ہے، بلکہ درحقیقت پبلک کی توجہ پر موقوف ہے، اسلئے سردست اس خصوصیت کے حاصل کرنے سے مجبور ہیں، ہاں! ملک کی توجہ جسقدر بڑھتی رہے گی، اسی قدر لسان الصدق کی ضخامت میں اضافہ ہوتا رہے گا، تیسرا مقصد یہ ہے کہ مضامین کے جمع کرنے میں غیر معمولی کوشش صرف کیجائے، اور اعلیٰ درجہ کے مضامین جنکا بڑا حصہ ملک کے مسلم مضمون نگاروں کی قلمی کوشش کا نتیجہ ہو درج کئے جائیں، لسان الصدق نے اس خصوصیت کو جس خصوصیت کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، غالبًا اسکی نظیر کسی دوسرے رسالہ میں نہیں ملسکے گی، اس دعوے کا ثبوت پہلی ششماہی میں ظاہر ہوجائے گا، اور زمانہ دیکھ لے گا کہ اس دعوے میں کہانتک اصلیت کا حصہ تھا، ملک کے اُن مشہور مصنفوں، اور مضمون نگاروں نے جنکی قابلیت اور کمال کو ملک نے متفق لفظوں میں تسلیم کرلیا ہے، جنکا غلغلۂ کمال اُردو کی چار دیواری میں محدود نہیں ہے بلکہ غیر زبانوں تک پہنچ چکا ہے، جنکی سرپرستی پر اُردو کو ناز ہے، لسان الصدق کی قلمی سرپرستی منظور فرمائی ہے اور مضامین عنایت فرمانے کا وعدہ کیا ہے، اس لئے ہمکو کامل امید ہے، اور یہ امید دعوے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ لسان الصدق اپنے مایۂ فخر اور باعث شرف سرپرستوں کی نظر عنایت سے اس خصوصیت کو اپنے لئے مخصوص کرے گا، اور اپنے دعوے میں صادق ثابت ہوگا،

اب رہی چوتھی خصوصیت، لسان الصدق کوشش کرے گا کہ اسکو بھی خصوصیت کے ساتھ حاصل کرے، اگرچہ ایک اُردو رسالہ کیلئے تصاویر کا انتظام اس لحاظ سے نہایت دشوار ہوتا ہے کہ لیتھو کی چھپائی میں موقعہ موقعہ تصویروں کے بلیٹ نہیں آسکتے، اور

انکے الگ چھپوانے میں علاوہ صرف بیجا کے اصلی لطف بھی جاتا رہتا ہے لیکن تاہم جسقدر کوشش اس صورت میں ممکن ہے اس سے اس خصوصیت کے حاصل کرنے میں مدد لی جاوے گی ہر نمبر میں ایک دو تصویریں ہاف ٹون الگ چھپوا کر شامل کی جائیں گی اور باقی وہ تصویریں جن کا تعلق مضامین کے خاص حصوں سے ہے سادی چھپوا کر لگائی جائیں گی۔

غرضکہ لسان الصدق میں ذیل کی خصوصیتیں ایسی جمع کی گئیں ہیں جنکی نظیر اُردو کے عام رسائل میں نہیں ملسکتی۔

(۱) بے نتیجہ لٹریری، اور تفریحی ترک کر کے صرف کارآمد اور علمی مضامین اس میں شایع کیے جائیں گے،

(۲) مضامین کے علاوہ ایک سلسلہ مشاہیر الشرق کا قایم کیا جاوے گا، جس میں انیسویں صدی کے مشرقی افاضل اور مشاہیر کے حالات مع تصویر شایع کیے جائیں گے۔

(۳) مشاہیر الشرق کے علاوہ اور تاریخی اور سائنٹفک مضامین انگریزی رسائل کی طرز پر با تصویر شایع کیے جائیں گے۔

(۴) سائینس کی مختلف شاخوں پر دلچسپ مضامین لکھے جائیں گے، اور انکے مرتب سلسلے ماہوار شایع ہونگے۔

(۵) ملک کے وہ مشہور مصنف جنکی تحریرات مستقل تصانیف کے علاوہ عام اخبارات و رسائل میں بہت کم شایع ہوتے ہیں اُنکی پاکیزہ تحریریں اس رسالہ میں نظر آئیں گی۔

جن حضرات نے لسان الصدق کی قلمی سرپرستی منظور فرمائی ہے انمیں سے بعض بزرگوں کے نام نامی درج ذیل ہیں۔

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی ناظم صیغہ علوم و فنون ریاست حیدرآباد و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و فیلو آف یونیورسٹی آف الآباد

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ فیلو

آف الہ آباد یونیورسٹی سابق پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد۔
شمس العلماء مولوی محمد یوسف جعفری۔
سابق ایڈیٹر "پٹنہ انسٹیٹیوٹ گزٹ" وحال چیف مولوی "بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ۔
جناب مولوی عبدالحلیم صاحب "شرر" ایڈیٹر دلگداز واتحاد۔
جناب مولوی محمد عبدالرزاق صاحب کانپوری مصنف "البرامکہ"
جناب مولوی وحید الدین صاحب "سلیم" سابق ایڈیٹر "معارف"
جناب مولوی امجد علی صاحب "اشہری"
لسان الصدق کے قدیم مقاصد میں پہلا مقصد سوشیل "ریفارم" درحقیقت ایک مفید اور ضروری مقصد ہے، اور اسلئے ہم نہیں چاہتے کہ ایسے اہم مقصد کو ضمنی طور پر داخل مقاصد کیا جاے، "مغزن" عصر جدید" اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے اور یہ اسی کا حصہ ہے لہذا یہ مقصد آیندہ کیلئے مقاصد لسان الصدق سے الگ کرتے ہیں۔
دوسرا مقصد "ترقی اردو" درحقیقت لسان الصدق کی آیندہ زندگی کا اصل اصول ہے، کیونکہ اردو کی ترقی محض علمی مضامین کی اشاعت اور اردو دان پبلک کے علمی مذاق پر موقوف ہے، اور یہی لسان الصدق اپنا آیندہ مقصد قرار دیتا ہے۔
تیسرا مقصد "انتقاد" اس قدر ضروری اور اہم مقصد ہے کہ اسکے لئے ایک ایسا رسالہ جو اور مقاصد کیلئے بھی اپنے اوراق صرف کرنا چاہتا ہو کافی نہیں ہوسکتا، اور اسی لئے ہمنے اس مقصد کیلئے لسان الصدق کا ایک ضمیمہ "ریویو" جاری کرنا تجویز کیا ہے۔ جسکا اشتہار کسی دوسری جگہ درج کیا جائیگا۔
چوتھا مقصد علمی مذاق کی اشاعت بھی لسان الصدق کی آیندہ زندگی کا عین مقصد ہے اور اس لئے یہ مقصد بھی بدستور شامل مقاصد رہے گا، ہاں اسمیں جو خصوصیت

تھی وہ حالات سے مجبور ہو کر سر دست منسوخ
کی جاتی ہے۔

لسان الصدق کے آیندہ مضامین کیلئے
مینے "علوم" سے تین سجکٹ انتخاب کر لئے
ہیں جنکی اشاعت اسکا زبردست مقصد ہوگا،
سائنس، تاریخ، اخلاق، چونکہ لسان الصدق
کی آنے والی زندگی کا مذہبی تحقیقات سے
بہی تعلق رہے گا اسلئے "مذہب" کا مقدس
سجکٹ بہی انکے ساتھ شامل کیا جاتا ہے،
اور تین سے چار تک تعداد بڑہائی جاتی ہے،
انہیں میدانوں تک لسان الصدق کی آیندہ
قلمی کوشش محدود رہے گی، اور یہی وہ
میدان ہیں جنہیں محدود رہنے کی لسان الصدق
کوشش کرے گا وہ ایسی بلند پروازی کو
پسند نہیں کرتا جو اس دائرے سے اسکو باہر
کردے اور اس تنگ خیال اور عزلت نشینی
کو اس بلند پروازی اور علو ہمتی پر ترجیح دیتا ہے۔

لسان الصدق کے آیندہ مقاصد میں ایک
اور مقصد "اصلاح خیال" کا بڑہایا جاتا ہے، جس کے
زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں، اسکا مفہوم صرف
اتنا ہے کہ قوم میں جو مذہبی، اخلاقی، تاریخی" اور
علمی غلط فہمیاں طبیعت ثانی ہو کر پہیل گئی ہیں،
انکو مختلف دلائل، اور مختلف علمی ذرایع سے
دور کرنے کی کوشش کرنا، خیالات میں صلاحیت
پیدا کر کے تاریکی سے نکالنا اور روشنی کا عادی
بنانا، تاکہ آیندہ نسلیں ان کمزوریوں سے محفوظ
رہیں، اور آنے والا زمانہ توہمات کی تاریکی سے
پاک وصاف ہو جاے۔

اب آخر میں رسالہ کی قیمت کے متعلق بہی
کچھ عرض کرنا ضروری ہے، اس سے پیشتر
رسالہ کی مع محصول قیمت عہ تہی اور ضخامت
معمولی ایک جز۔ لیکن موجودہ انتظام نے ہمکو
مجبور کیا کہ قیمت میں بہی ضروری اضافہ کیا جاے
اور اس لئے عہ کی جگہہ اس سال سے عیگار
قیمت رکہی گئی، ممکن ہے کہ بعض سطح میں

نگاہوں کو یہ قیمت کچھ زیادہ نظر آئے۔ مگر ہمارا
روئے سخن ان حضرات کی طرف ہے، جو
قیمت پر نظر کرتے ہوئے مال پر بھی نگاہ ڈالتے
ہیں، بیشک! ایسے لوگوں کے لئے ہماری
موجودہ قیمت ہرگز بے جا نہیں ہو سکتی، ایسی
حالت میں کہ اب اسکی ضخامت پیشتر سے
دوگنی، اور بعض حالتوں میں اس سے بھی
زیادہ کر دی گئی ہے، اور وعدہ کیا جاتا ہے
کہ جوں جوں خریداروں میں اضافہ ہوتا جائیگا
اسکی ضخامت بھی اسی قیمت میں بڑھتی جائیگی،
کیا عجب ہے کہ پہلی ششماہی کے گزرتے
ہی خریداروں کی کثرت ہمکو ایفائے وعدہ
کیلئے مجبور کرے، اور دو ڈھائی جز کی جگہ تین
یا اس سے زیادہ ضخامت کر دی جائے،
اسکے علاوہ تصاویر کا انتظام اور چھپائی کی عمدگی
میں بھی ہمیشہ ترقی ہوتی رہے گی، اور قیمت کی
حالت اسی مقدار میں قایم رہے گی، ان تمام
باتوں پر لحاظ کرنے کے بعد غالباً قیمت کی
زیادتی محسوس نہیں ہو سکتی۔

خطاب درحقیقت لیاقت اور باکمالی کا
ایک معزز تمغا ہے، بشرطیکہ خطاب کے
استحقاق نے حاصل کیا ہو، لیکن بدقسمتی سے
آجکل اس کا معیار استحقاق نہیں سمجھا جاتا
بلکہ شخصی اثر، جن لوگوں کو ہر سال گورنمنٹ
کی طرف سے مختلف قسم کے خطابات
عطا کئے جاتے ہیں انمیں ایک بڑا حصہ
ایسے لوگوں کا ہوتا ہے

جنھوں نے اسی مفروضہ معیار سے یہ اس
تمغہ کے حاصل کرنے کی کوشش کی ہو، لیکن
سال نو کے خطابوں میں اس امر کے دیکھنے
سے نہ صرف ہمکو، بلکہ تمام واقف کاروں کو حد
درجہ کی مسرت ہوئی کہ ایک ایسی شخص کو
"شمس العلماء" کا معزز خطاب عطا کیا گیا
ہے جو اس کا حقیقی مستحق اور اول درجہ کا
مستحق ہے،

ہمارے مکرم دوست مولینا محمد یوسف
صاحب جعفری چیف مولوی بورڈ آف
اکزامنرس سے لسان الصدق کے دیکھنے

پہنچایا ہے، یہ ایک ایسا افسوس ناک واقعہ تہا جسپر جسقدر افسوس کیا جاے کم ہے، مختلف بیماریوں نے پیشتر ہی مولینا کے دل و دماغ کو کچھہ کم صدمہ نہ پہنچایا تہا جسپر اس جانگزا واقعہ نے اور اضافہ کردیا! خدا کرے کہ اس صدمہ کا ہوشربا اثر اُنکے دل و دماغ سے بہت جلد دور ہوجاے تاکہ وہ پہر اپنی اس ڈیوٹی کے ادا کرنے پر آمادہ ہوجائیں جو کلکِ قدرت نے انکے لیے مخصوص کردی ہے۔ ممکن تہا کہ اگر ہمارا اصرار بڑہتا تو وہ ہمارے ناکام امید کے کامیاب کرنے کی کوشش کرتے، لیکن درحقیقت وہ خادمِ سنت نالایق ہے، جو اپنے قابل احترام مخدوم کو نیی پریشانیوں میں تکلیف دینے کی جرأت کرے، اسلیے ہم مولینا کی آیندہ عنایتوں کے امیدوار ہوکر اس بیجا جرأت سے باز رہے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاسِ لکھنو

جس کامیابی کے ساتھہ ختم ہوا، ابتداے مخالفت کو دیکھتے ہوے اسکی بالکل امید نہ تہی۔ درحقیقت اس اجلاس نے رؤساے اودھ کا نام رکھہ لیا، ورنہ تعلیم کی کمی، خیالات کی قدامت، اور سوسائٹی کی خرابی سے یہ حصہ تاریک خیالات کا مخزن تسلیم کیا گیا ہے، جلسہ کی کارروائی میں اگرچہ بعض حد درجہ کی لغو حرکتیں ہوئیں، اور ایک قابل نفرت رزولیوشن بہی پیش کیا گیا، ڈپٹی صاحب کی شوخی سے بے لطفی بہی ہوئی، لیکن ان جزئی باتوں سے اگر چشم پوشی کی جاے تو بہ لحاظ نتیجہ پیشتر کے تمام جلسوں پر فوقیت لے گیا۔

---

۲۲ ڈسمبر کو ہم (بغرض شرکت) لکھنو روانہ ہوے تہے، لیکن ناگہانی علالت نے بہت دیر میں پہنچایا، اودھ کے قدیم دارالسلطنت کی قدیم یادگاریں، قابل دید عمارات، عام اخلاق مدت تک یاد رکہنے کے قابل ہیں، لیکن لوہر کے چشم و چراغ عالی جناب منشی احتشام علی صاحب کی اور انکے بابرکت خاندان کی مہمان نوازی تو عرصہ تک فراموش نہ ہوگی چاہیے

آصف الدولہ کا شاندار امام باڑہ اور حسین آباد کی دلفریب عمارات ہمیشہ کے لئے فراموش ہو جائیں،

انگلینڈ میں آجکل لبرل پارٹی کی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور لبرلیٹی کی قوت موجودہ گورنمنٹ کے خلاف غیر محسوس سازش میں مصروف ہے! اسلئے عام رائے یہ ہے کہ عنقریب پارلیمنٹ ٹوٹکر موجودہ گورنمنٹ کا خاتمہ کر دے گی، مسٹر والٹرلینگ نے جو کنسرویٹو پارٹی کے نامور ممبر ہیں۔ اس انقلاب کو بہت جلد محسوس کر کے لبرل جماعت کی کامیابی کا خیر مقدم ظاہر کیا ہے، اور مسٹر آر۔ ملڈ فارسٹر وزیر اس انقلاب کو بسرت قبول کرنے پر آمادہ ہیں؛ چونکہ عام پبلک بھی اس انقلاب پر مسرت ظاہر کرتی ہے، اور کنسرویٹو گورنمنٹ کی طرز حکومت سے ناخوش ہو رہی ہے اسلئے کامل امید ہے کہ بہت جلد اس انقلاب کا ظہور ہوگا اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی پالیسی پر اسکا کیا اثر پڑتا ہے؟!

سنہ ۱۹۰۴ء کے رسالوں میں اتحاد اور العرفان خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو ایک ہی دفتر سے نکلکر مختلف اصلاحوں کی بنا رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اتحاد اُس زبردست اتحاد کو مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ جو قدرت نے ایک ملک کی دو قوموں میں اتحادِ ملکی کے لحاظ سے پیدا کر دیا ہے، اور جسکا ضعف جو قانون قدرت کے خلاف پیدا کیا جائے ہمیشہ اقوام کی تنزل کا باعث ہوا ہے "العرفان" کا مقصد تصوف اور تصوف کی نام لیوا جماعت کی اصلاح و ترقی ہے؛ جو ایک عرصہ سے نہایت پست حالت میں اپنے خیالات کے نبھانے میں مصروف ہے۔ پہلا رسالہ جس قدر ضرور ہے اسی قدر زمانہ کی روش کے موافق ہے، اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ استقلال پیدا کر کے ترقی نہ کر جائے لیکن دوسرا رسالہ جس مقصد کے لئے شائع ہوا ہے اس کی

ضرورت ہی میں ہمکو کلام ہے، ہر قوم کے
تنزل پر مذہب کی ایک نئی صورت پیدا ہوجایا
کرتی ہے، جو تنزل کی بنیادیں مضبوط کردیتی
ہے، مسلمانوں کے تنزل نے مذہبی صورت
میں جو ایک نئی شکل اختیار کی ہے، ہمارے
نزدیک اسکا نام تصوف ہے، پھر کیا العرفان
اُس خوفناک صورت دلفریبی کا روغن ملنا چاہتا
ہے؟ اور جن خیالات نے قومی زندگی کا خاتمہ
کردیا ہے اور جو خدا خدا کرکے اب کسی قدر کم
ہونے لگے ہیں انکو پھر تازہ کرنا چاہتا ہے؟
ممکن ہے کہ اسکے جواب میں کہا جاے کہ
"العرفان" اُس مفروضہ تصوف کو زندہ کرنا
چاہتا ہی جسکو اسلام کی ایک بگڑی ہوئی صورت
سے تشبیہ دی گئی ہے، بلکہ اس اصل تصوف
کو ترقی دینا چاہتا ہے، جو خالص روحانیت
سے عبارت ہے، اور جسکی طرف یورپ بھی
باوجود غایت درجہ کی مادیت کے متوجہ ہورہا
ہے" لیکن اسکے جواب میں پھر یہ سوال کیا
جاے گا کہ اگر اس روحانیت کے وجود کو اگر
تسلیم بھی کرلیا جاے، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکل
سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اسکی واقعی ضرورت
ہے؟ کیا مسلمان مادی ترقی کے انتہائی
مرکز تک صعود کرچکے ہیں کہ اب انکو مہیا
ہونے اور اسپریچولس ازم کی طرف ہبوط
کرنے کی ضرورت باقی ہے؟ ہمکو صاف
صاف تبلایا جاے کہ درحقیقت العرفان کا
مقصد کیا ہے، اور اسکی ضرورت کن دلائل
سے واضح ہوتی ہے؟ جبریت، توکل،
قناعت، اور وہ تمام خیالات جس نے ایک
عرصے سے مسلمانوں کو اپاہج اور نکما بنادیا ہے،
اور مادی ذرائع ترقی سے متنفر، وہ خیر سے
انہیں حضرت تصوف کی نظر کیمیا اثر کی برکت
ہے، لیکن اب بہت برکت ملچکی، اور ہم فیضیاب
ہوچکے، حقیقت اور معرفت کے میداں طے
کرچکے، اب ہم اس برکت سے پناہ مانگتے
ہیں، اور اس حقیقت و معرفت سے الامان!
اسوقت تو ہمکو مادیت کی ضرورت ہے۔
جس سے "توُلِ سیناء" طیار ہوسکے، اور ادبی

کے سالن سے شکم پوری کے سامان مہیا کرسکیں، جب یہ حاصل ہو جائے گا تو اسوقت العرفان کا نہایت پرجوش خیر مقدم کریں گے، اور عالم قدس ولاہوت کی سیاحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ابھی تو ہمیں اس دعوت سے معاف رکھا جائے۔

۱۹۰۸ء کے اختتام پر ہمارا فرض ہے کہ ہم "زمانہ" اور "ترقی" کو مبارکباد دیں جو سال بھر عام رسائل میں ایک خاص امتیازی حالت کے ساتھ کامیابی سے نکلتے رہے، "زمانہ" اس لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ بِنے بند ونگی سوشیل حالت میں ایک ضروری اصلاح کی بنیاد رکھنی چاہتے ہیں، جو دیگر اقوام سے اتحاد معاشرت میں ایک سخت رکاوٹ پیدا کرنے کے علاوہ قومی ترقی کا بھی سخت مخالف تھا "ترقی" نے علمی مضامین کی اشاعت میں جو ترقی حاصل کی ہے، وہ اس قابل ہے کہ اردو داں پبلک اسکا شکریہ ادا کرے، ظاہری صورت وشکل کے لحاظ سے بھی دونوں پرچوں کی حالت اچھی رہی، ہماری دلی تمنا ہے کہ اسی طرح روز بروز تیز قدمی سے میدان ترقی میں بڑھتے جائیں اور تنزل کے زہریلے اثر سے محفوظ رہیں

"پریس کانفرنس" کے خیالی نام سے اب تقریباً ہر شخص واقف ہو گیا ہے، اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۹۰۵ء میں منشی محبوب عالم صاحب کو یہ خیال ہوا کہ اگر اردو پریس کی ایک علیحدہ کانفرنس قایم کی جائے تو اردو اخبارات کی حالت پر، جو روز بروز محتاج اصلاح ہوتی جاتی ہے، بہت عمدہ اثر پڑے گا، انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا، اور تمام اخباروں کی رائے طلب کی، عام اتفاق کے بعد یہ قرار پایا، کہ سردست لاہور میں ایک ابتدائی جلسہ منعقد کیا جائے، اور پریس کانفرنس کے قواعد اور دستور العمل ترتیب دے کر آیندہ حالت کے متعلق غور و فکر کیا جائے"

چنانچہ مئی ۱۸۹۶ء میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا
اور تمام اردو اخبارات کے ایڈیٹروں کو ایک
مطبوعہ چٹھی کے ذریعے سے اطلاع دی گئی، "پیسہ اخبار"
میں اس جلسہ کی جو روئداد شائع ہوئی تھی اس
سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے
کاموں کیلئے ہمارے معزز اخبارات کہاں تک
آمادہ ہیں باوجودیکہ تمام ایڈیٹروں کو اطلاع
دی گئی تھی، اور نہایت زور کے ساتھ شرکت
کا وعدہ لیا گیا تھا، مگر دو ایڈیٹروں کے سوا جو
نزدیک مقامات میں رہتے تھے اور کوئی صاحب
شریک نہیں ہوئے۔ لیکن چونکہ جلسہ کے
انعقاد کی خبر مشتہر ہو چکی تھی اسلئے موجودہ حالت
ہی کو غنیمت سمجھکر جلسہ کی رسم ادا کر دی گئی،
اس ناکامیابی سے منشی صاحب کی ہمت
بالکل پست ہو گئی، اور وہ زور شور جس نے کچھ
عرصہ کے لئے اخبارات میں ایک ضروری
بحث کی صورت اختیار کر لی تھی اسطرح خاموشی
سے مبدل ہو گیا، یہانتک کہ "ایڈورڈ گزٹ
شاہجہانپور" کی وقتی ایڈیٹری کے زمانہ میں منشی

ایک نوٹ لکھکر منشی صاحب کو پھر پریس
کانفرنس کی طرف توجہ دلائے، منشی صاحب
نے "پیسہ اخبار" میں اس نوٹ کو نقل کر کے
یہ امید ظاہر فرمائی کہ بمبئی کانفرنس کے بعد
اسکا ایک اجلاس کر دیا جائے گا، جبکہ شرکت
کانفرنس کی غرض سے اکثر اخباروں کے
ایڈیٹر وہاں موجود ہونگے۔ چنانچہ وہ زمانہ بھی
آگیا، اور "محمڈن پریس ایسوسی ایشن" کے نام
سے ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جسمیں ہندوستان
کے چیدہ اخباروں کے متعدد ایڈیٹر موجود
تھے، قواعد اور دستور العمل ترتیب دیئے گئے،
عہدہ دار مقرر کئے گئے، "آفیشل سیکرٹ بل"
کی مخالفت میں رزولیوشن پاس کیا گیا، اور
وہ "مراسم" ادا کئے گئے، جو ایسے جلسوں میں
شور اشوری کے اثر سے ادا کئے جاتے
ہیں۔ لیکن جب ان کارروائیوں کے بعد
نظر اٹھا کر دیکھا گیا، تو تمام زور و شور باد ہوائی
معلوم ہوا، اور پھر وہی خاموشی چھا گئی، جو
اس سے بیشتر ہر طرف نظر آتی تھی، خود ان

لوگوں نے جو ایسوسی ایشن کے عہدہ دار اور روح رواں سمجھے جاتے تھے اس دستور العمل پر ایک لمحہ بھر عمل نہیں کیا، جس کو خود انہوں نے پیش کر کے منظور کیا تھا، اور اُن مقاصد کی کچھ پروا نہیں کی، جو خود انہوں نے ایسوسی ایشن کے حقیقی اغراض میں داخل کئے تھے، بلکہ انہیں وہ امراض روز بروز بڑھتے گئے، جنکے علاج پر وہ آمادہ ہوئے تھے اور وہ خرابیں ترقی کرتی رہیں، جن کے دور کرنے کے وہ مدعی تھے، والعجب ان لقیبع مثل ھذہ الافعال القبیحۃ من المصلحین، والاعجب من ھذا وذالک انہ اذا دعاھم داع الی اصلاح القوم!!

ابھی لکھنؤ کے اجلاس کانفرنس کا کچھ عرصہ باقی تھا کہ "علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" میں پھر ایک آواز بلند ہوئی، جسنے منشی محبوب عالم صاحب کو متوجہ کرنا چاہا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوا، منشی صاحب نہ تو کانفرنس میں شریک ہوئے، اور نہ انہوں نے اس کے متعلق کوئی خط و کتابت کی، یہاں تک کہ لکھنؤ میں جلسہ منعقد ہوا اور آخری جلسہ کے بعد حاجی ریاض الدین احمد صاحب بریلوی نے جنکو اس قسم کی کارروائیوں سے بڑی دلچسپی ہے مگر افسوس کہ صرف دلچسپی ہی ہے شب کو تمام حاضر الوقت ایڈیٹروں کو مدعو کیا، اور ایک مختصر سا جلسہ مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر کی صدارت میں منعقد ہوا، اس جلسہ میں جو کچھ کارروائی ہوئی، جدید سکرٹری کے لفظوں میں آگے درج کی جاتی ہے، اور ساتھ ہی وہ دستور العمل بھی نقل کیا جاتا ہے، جو دوبارہ کے بعد اس جلسہ میں منظور کیا گیا، اب رہی یہ بحث کہ پریس کانفرنس کا یہ دوبارہ قیام کہاں تک کامیاب ہوگا؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ نہ ہم کو اسکی پہلی کارروائیوں پر اطمینان تھا، اور نہ اس کارروائی پر اطمینان ہے، اور نہ صرف ہمکو، بلکہ کسی ذی فہم شخص کو ان جلسوں پر جو بلا مبالغہ

بچوں کا کھیل ہے" اطمینان ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ ایسی حالت میں کوشش اور امید سے دست بردار ہونا نتیجۂ موہوم کا گمان بھی مٹا دیتا ہے، اسلئے سردست ہم اسکے متعلق کوئی رائے نہیں دیتے سوا اسکے کہ آیندہ کارروائیوں کا انتظار کریں، اور دیکھیں کہ جدید سکرٹری کی کوشش کیا نتائج پیدا کرتی ہے؟

مسلم پریس کانفرنس کا دوسرا سالانہ جلسہ

بمقام لکھنؤ منعقدہ ۳۰،۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء

اکثر وہ ایڈیٹران اخبار جو کہ بغرض شرکت کانفرنس لکھنؤ تشریف لائے تھے، تاریخ مذکورہ پر (۶) بجے شب کو کانفرنس ہال میں جمع ہوے، اور "مسلم پریس کانفرنس" کا جلسہ منعقد ہوا، جس کی کارروائی حسب ذیل ہے،

علاوہ ایڈیٹران اخبار و رسائل کے اکثر معزز حضرات جن کی تعداد ۵۰ سے زیادہ تھی شریک جلسہ تھے۔

(۱) حاجی ریاض الدین احمد صاحب بریلوی کی تحریک اور شیخ جمال احمد علوی کزروی ایڈیٹر ہمدرد کی تائید سے مولوی بشیر الدین احمد صاحب پریسیڈنٹ جلسہ قرار دیئے گئے

(۲) سب سے پہلے "مسلم پریس کانفرنس" کے قایم ہونے اور نمونے پر بحث ہوئی، جسپر خواجہ غلام الثقلین صاحب ایڈیٹر عصر جدید، اور مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر، حاجی ریاض الدین صاحب ایڈیٹر "الریاض" مولوی ابو الکلام آزاد ایڈیٹر لسان الصدق اور شیخ جمال احمد صاحب ایڈیٹر ہمدرد نے نہایت تفصیلی بحث کی۔ اور کثرت رائے سے یہ بات طے پائی کہ مسلم پریس کانفرنس ضرور قایم کی جاے،

(۳) حسب ذیل رزولیوشن پاس ہوئے۔

(الف) چونکہ بوجوہات جو کہ منشی محبوب عالم صاحب کو خود معلوم ہیں وہ سنہ ۱۹۰۴ء میں پریس کانفرنس کے سکرٹری کا کام انجام نہیں دے سکے، اس لئے بغرض

کارروائی یہ جلسہ منشی جمال احمد صاحب ایڈیٹر ہمدرد کو ۱۹۰۵ء کیلئے پریس کانفرنس کا سکرٹری مقرر کرتا ہے۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب۔بی ایل۔ ایل۔بی نے تحریک کی اور منشی نظام الدین صاحب ایڈیٹر ذوالقرنین نے تائید کی۔کثرت رائے سے منظور ہوا۔

(ج) اپنی مدد کے واسطے سکرٹری کو اختیار ہے کہ کوئی جوائنٹ سکرٹری ایک سال کیلئے باطلاع اس جلسہ کے مقرر کرے۔

خواجہ صاحب نے تحریک کی اور ایڈیٹر البشیر نے تائید، سکرٹری نے اطلاع دی کہ میں اپنا جوائنٹ سکرٹری حاجی یاض الدین صاحب کو تجویز کرتا ہوں سب کو جلسہ نے منظور کیا۔ اور حاجی صاحب جوائنٹ سکرٹری مقرر ہوئے۔

(د) ایک سال کے مصارف سکرٹری صاحب نے ازراہ فیاضی اپنے پاس سے ادا کرنا منظور کیا ہے، اس لئے یہ جلسہ سکرٹری صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور اس سال کیلئے کسی قسم کا چندہ مقرر نہیں کرتا۔

ایڈیٹر البشیر نے تحریک کی، اور خواجہ صاحب نے تائید کی۔

(۴) اسکے بعد منشی جمال احمد صاحب ایڈیٹر ہمدرد نے دستور العمل کانفرنس پیش کیا جسپر خوب بحث کی گئی، اور ترمیم و تنسیخ کے بعد منظور کیا گیا جسکی نقل درج کیجاتی ہے۔

دستور العمل

جو مسلم پریس کانفرنس کے دوسرے سالانہ جلسہ میں منظور کیا گیا۔

(۱) اس کانفرنس کا نام "مسلم پریس کانفرنس" ہوگا۔

(۲) کانفرنس کا دفتر وہیں ہوگا جہاں سکرٹری کا قیام ہوگا۔

(۳) کانفرنس کے مقاصد مسلمانوں کے اخبارات کی اصلاح، اور انکو پولیٹیکل، سوشل، ایجوکیشنل

معاملات میں متحد پالیسی پر لانا ہے۔

(۴) مسلمانوں کے جو اخبارات اس وقت ہندوستان میں جاری ہیں، یا آیندہ ہوں انکے ایڈیٹر، نائب ایڈیٹر، پروپرائٹر اور منیجر اس کے ممبر ہو سکتے ہیں۔

(۵) کانفرنس کو اختیار ہے کہ کسی معزز ریگولر کارسپانڈنٹ کو اسکا ممبر بنا سے۔

(۶) بعد طے ہو جانے کسی خاص اصول کے ہر ممبر پر اُس اصول کی تعمیل لازم ہو گی۔

(۷) ممبروں کو اختیار ہوگا کہ اگر کسی دوسرے ممبر نے کوئی کارروائی خلاف مقاصد و تجاویز کانفرنس کی ہو تو اُسکی اطلاع سکرٹری کو دیں۔ اور سکرٹری کا فرض ہوگا کہ اُس سے دریافت کرے اور درصورت نہ ہونے اطمینان کے اس معاملہ کی اطلاع کل ممبروں کو دے، اور انکی ایک نقل خلاف ورزہ ممبر کے پاس بھیجدے۔ اور اگر اس پر بھی معذر نہو تو آیندہ کانفرنس کے اجلاس میں پیش کرے،

کانفرنس کا ایک سالانہ اجلاس کسی قومی مجمع کے زمانہ میں ہوگا۔ اگر آپ ممبر ہونا چاہتے ہیں تو ذیل کے فارم کی خانہ پوری کر کے سکرٹری کے پاس بھیجدیجئے۔

مقاصد	قیمت	نام پرچہ	پتہ	نام ممبر

جمال احمد ایڈیٹر ہمدرد سکرٹری کانفرنس

کرا، ضلع الہ آباد

"برامکہ" کی عام شہرت سے ہمارے مکرم دوست مولوی عبدالرزاق صاحب اب کسی تعریف کے محتاج نہیں رہے۔ مولوی صاحب ایک عرصہ سے سلسلہ وزرائے اسلام کے دوسرے نمبر نظام الملک سلجوقی کی لائف ترتیب دے رہے تھے اہل دوست حضرات کے لئے یہ خبر کچھ کم مسرت نہیں رکھتی کہ اب وہ لائف مکمل ہو کر نامی پریس میں چھپنے کے لئے چلی گئی ہے، اور عنقریب ملک میں پیش ہونے والی ہے، ہمکو اپنے مکرم دوست کے تاریخی مذاق اور حسن ترتیب سے کامل

امید ہے کہ انکی دوسری تصنیف اگر پہلی سے
بہتر نہو گی تو کسی حالت میں کم بھی نہو گی، ایسی
صورت میں کہ اسکی ترتیب میں کامل آٹھ برس
صرف ہوے ہوں، اور حتی المقدور تحقیقات
کے تمام ممکن ذرایع سے میٹیریل جمع کیا گیا ہو

منشی رحمت اللہ صاحب "رعد" نے جو شل
کمال لیتھو کی چھپائی میں اپنی کوشش اور خداداد
دماغی قابلیت سے بہم پہنچایا ہے، وہ ان
لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنکی نگاہیں سال
بسال نامی جنتری سے محظوظ ہونے کے
علاوہ، مثنوی معنوی، دیوان حافظ، رباعیات
حالی، اور بالخصوص "الکلام" کی چھپائی کی
خوبی، اور لکھائی کی نفاست سے محو حیرت
ہو چکی ہیں، اور منشی صاحب کی بے نظیر کوشش
کو زبان حال سے تسلیم کر چکی ہیں، حال میں
۱۹۰۵ء کی نامی جنتری جو انہوں نے معمولاً
شایع کی ہے، اسکی متعدد تصاویر نے منشی
صاحب کے کمالات میں اور زیادہ اضافہ
کرنے کی سفارش کی ہے، ٹائٹل کے الٹتے
ہی سن جلالی پر ایک کارآمد مضمون نظر آتا ہے
جسکے ساتھ حضور نظام اور سرکار مدار المہام کے
شاندار رنگین اور طلا کار فوٹو لگاے گئے ہیں،
جنکی نفاست اور خوش نمائی کا اندازہ عینی مشاہدہ
کے سوا اور کسی ذریعے سے نہیں ہو سکتا، معمولی
تاریخ وسنین کے صفحات کے علاوہ تاریخ روم
کا آخری نمبر بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے،
جسمیں ٹرکی کے موجودہ فرمان رواکے مختلف
عمروں کے تین فوٹو، اور شیر پلونا عثمان پاشا
مرحوم کا بارعب خاکہ موقعہ باموقعہ درج کیا گیا
ہے، عام چھپائی اور کاغذ کی خوبی، اور ٹائٹل
کی طلا کاری و رنگینی کے لحاظ سے کوئی کتاب
ہندوستان کی چھپی ہوئی اسکے مقابلہ میں آنے
کی جرأت نہیں کر سکتی۔ ان خوبیوں پر صرف
ایک روپیہ قیمت قرار دینا منشی صاحب کی
مخصوص خصوصیات میں سے ہے، ہم
سفارش کرتے ہیں کہ لسان الصدق کے ناظرین
اس عجیب جنتری کا ایک ایک نسخہ ضرور خرید فرمائیں

جسکا عمدہ کتابوں کی شاندار الماریوں میں ہونا لازمی اور ضروری ہے، درخواست کے لئے اسقدر پتہ لکھنا کافی ہے، کانپور، نامی پریس" درخواست میں جنتری درجہ اول کا لفظ بھی ضرور لکھا جائے کیونکہ اسکا معمولی ایڈیشن بھی چھپا کرتا ہے۔

"رباعیات حالی" پر ریویو کرتے ہوے، اکثر اخباروں نے اس امر پر اعتراض کیا تھا کہ کتاب کی جلد پر فارسی کی جگہہ انگریزی خط میں نام کا کندہ ہونا ایک اردو کتاب کیلئے سخت ناموزوں امر ہے، اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ اعتراض ایک حد تک صحیح تھا، لیکن اب منشی صاحب نے اس فروگذاشت کی عمدہ طور پر تلافی کردی ہے، اور باقی جلدوں پر انگریزی حرفوں کی جگہہ فارسی نستعلیق خط میں نہایت خوبصورت بلاک طیار کر کے رباعیات حالی کندہ کرایا ہے اسلئے اب مجموعی حیثیت سے کوئی بات ایسی نہیں رہی جو کتاب کی خوشنمائی کی مانع ہو، قیمت وہی ۱۰ روپے، اور منشی صاحب سے نامی پریس کانپور کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

شمس العلماء مولینا شبلی نعمانی کی جدید تصنیف "الکلام" جسکا پبلک نہایت بے چینی سے انتظار کر رہی تھی نامی پریس کانپور سے اس خوبی او خوشنمائی کے ساتھ چھپکر نکلی جس کی نظیر اردو کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی کہا جا سکتا ہے کہ بلحاظ اہمیت مضمون کتاب کی معنوی حالت جسقدر باعظمت ہے، اسی قدر کتاب کی ظاہری صورت بھی دلفریب، اور دلآویزی میں بے مثل اور بے نظیر ہے، مجلد کی قیمت ۸ ہے اور غیر مجلد کی قیمت ۱۲ قرار دی گئی ہے، "دفتر معتمدی تعمیرات عامہ حیدرآباد دکن" سے درخواست پر مل سکتی ہے۔

(مفصل انتقاد "ریویو" میں درج ہوگا)

نماز جمعہ اور عیدین میں خطبہ کا قایم کرنا درحقیقت
اسلامی ترقی کا کسی زمانہ میں ایک قوی سبب
تھا، ہفتہ میں ایک بار اصلاح و ترقی کا پرزور
لکچر طبیعتوں میں جوش اور ترقی کی تحریک کو
تازہ کرتا رہتا تھا۔ مگر ایک عرصے سے مسلمان
جہاں اور غفلتوں میں مبتلا ہیں، وہاں ایک
بڑی غفلت یہ بھی ہے، کہ اس قوی ذریعہ
ترقی کے نتایج سے غافل ہو کر ایک بہت
بڑے فائدے کو اپنے ہاتھوں ضایع کر دیا ہے،
ایک طرف بیجا تقلید قدیم خطبوں کے تمام
پرزور دیتی ہے جنکے مضامین اور نصایح
موجودہ زمانے میں محض بے سود ہیں اور
دوسری طرف خطبوں کے ملکی زبان میں نہونے
سے وہ فوائدہات نسے جا رہے ہیں، جنکے
لئے پہلے سمجھنے کی، اور پھر غور کے بعد متاثر
ہونے کی ضرورت ہے، زمانہ کے حالات
بدل گئے، ضرورتوں میں تغیر ہو گیا، اور تعلقات
نے دوسری صورت اختیار کر لی، اس لئے
اس زمانے میں وہ خطبے کیونکر مفید ہو سکتے

ہیں، جو آج سے سو پچاس برس پیشتر اپنی ضرورتوں
کے موافق قدما نے ترتیب دیئے تھے، اور
جو ان نصایح سے بھرے ہوئے ہیں، جنکی
ایک ایسے مریض کو ضرورت ہے جو چنگا بھلا
ہو مگر دفع ضعف اور ترقی قوت کیلئے کسی نسخہ
کا طلبگار ہو، برخلاف ہماری حالت کے کہ ہم
بیمار ہیں اور اس لئے ایسے نسخوں کے طلبگار
ہیں، جو پہلے مرض کا استیصال کریں اور پھر قوت
اور طاقت پیدا کریں؛ اس لئے موجودہ زمانہ
ایک ایسے مجموعۂ خطب کا نہایت بے چینی سے
انتظار کر رہا تھا، جسمیں مسلمانوں کی حالی ضرورتوں
پر نظر رکھکے اصلاح و ترقی کے مضامین ترتیب
دیئے جائیں، اور بیہودہ قصوں، لایعنی اور
موضوع حدیثوں سے پاک ہو، طرز بیان اُسکا
ولولہ انگیز ہو، اور طرز نصیحت موثر اور دلآویز ہو،
لٹریچر کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ ہو، تاکہ فصاحت
و بلاغت آمیز الفاظ اپنے مفید مفہوم و مدلول کو
دلفریبی کے ساتھ سامع کے ذہن نشین کر سکیں،
محققانہ علوم و فنون کے جستہ جستہ مضامین سے

مزین ہو، تاکہ سامعین کی معلومات میں وسعت
ہو، اور علوم وفنون کی لذت سے آشنا ہوں،
اخلاق وتمدن کے اعلیٰ اصول لطیف اور نتیجہ
خیز پیرایوں میں بیان کئے جائیں تاکہ آسانی
اور سہولیت سے سننے والا اس سے فائدہ
اٹھائے اور خطبہ خاص جماعت کے لئے مخصوص
نہ ہو جائے، شرک وبدعت کی تردید، اور غلط فہمی
اور توہمات کی مخالفت ایسے موثر طریقہ سے
کی جائے کہ عوام بغیر اسکے کہ انکو ناگوار گذرے
اُسکے ترک پر آمادہ ہو جائیں۔ خطبوں میں خاص
دنوں کے لئے تعین نہ ہو، تاکہ خطیب اپنے
اردگرد کی ضرورت وحالت کا اندازہ کرکے جس
خطبہ کو مناسب وقت سمجھے اُسی کو پڑھکر سنادے،
تطویل فضول اور ایجاز غیر معقول سے پاک ہو،
تاکہ پہلی حالت میں سامعین کو ناگوار نہ گذرے،
اور دوسری صورت میں مطلب خبط وبے ربط
نہ ہو جائے، چنانچہ ہم نہایت مسرت اور خوشی
سے یہ خبر شایع کرتے ہیں کہ ہمارے مخدوم اور
محترم دوست حضرت سید عبدالحق صاحب

بغدادی جو مصر کی مشہور اور اعظم ترین یونیورسٹی
جامع ازہر کے تعلیم یافتہ اور بالفعل بمبئی کی
شاندار مسجد کے خطیب اور امام ہیں، آجکل ایک
ایسی ہی مجموعہ خطب کی ترتیب میں مصروف
ہیں، جو ان تمام ضروری صفات کا جامع،
اور اس قسم کی کوشش کا بہترین نمونہ ہے،
سید موصوف کا نام اخباری دنیا کے لئے کوئی
نیا نام نہیں ہے ۱۹۰۰ء میں مشہور سیاح
ممالک اسلامیہ حافظ عبدالرحمن صاحب امرتسری
کے ہمراہ یہ ہندوستان تشریف لائے تھے،
جسکے بعد عرصہ تک ہندوستان کے مختلف
مقامات کی سیر کرتے رہے، پھر ۱۹۰۱ء
کی انجمن حمایت اسلام لاہور میں ایک نہایت
مفید اور اہم لکچر عربی میں دیا، جو عرصے تک
اردو اخباروں میں گشت کرتا رہا، اور آخر میں
روئداد کے ساتھ شایع ہوا سید موصوف کے فضل
وکمال، اور اسکے ساتھ روشن خیالی کا (جو مصر
کی تعلیم یافتہ سہائی) اور بالخصوص شیخ
محمد عبدہ کی صحبت کا نتیجہ ہے) اس عربی لکچر

کے علاوہ اُن مضامین سے اندازہ ہوسکتا ہے، جو سعت کے مختلف اخبار و رسائل میں شایع ہوئے ہیں، اور اب بھی گاہ گاہ شایع ہوتے رہتے ہیں، اسلئے ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے سید موصوف سے بڑھکر اور کون موزوں ہوسکتا ہے عربی انکی ملکی زبان ہے، مذہبی تعلیم کے لحاظ سے وہ اسلامی ممالک کی اعظم ترین یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، اور موجودہ زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے ناعاقبت اندیش روشن خیالوں سے بہتر اور صائب الراے روشن خیال ہیں،

سید موصوف نے عام راے سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے بالفعل ایک نمونہ شایع کیا ہے جسکا نام "نموذج الخطب" ہے اور جس میں صرف بارہ خطبے مختلف مضامین کے متعلق جمع کئے ہیں۔

ہر خطبے قوم کی بے اعتدالیوں اور غفلتوں کا دردانگیز مرثیہ ہے، اسمیں کہیں ترغیب دلاکر ترقی کی دلفریب صورت دکھلائی گئی ہے، اور کہیں ترہیب دلاکر غفلت و بے اعتدالی کا افسوسناک نتیجہ بتلایا ہے۔

کہیں دنیا کی خوش حالی کو اس پر موقوف بتلایا ہے کہ دین کے آگے سر جھکایا جاے، کہیں دین کی ترقی کیلئے اسکی ضرورت ثابت کی ہے کہ دنیا کو نہ چھوڑا جاے، عام وعظ و خطب کی طرح اسمیں اسلام کے اصلی منشار کے خلاف صرف دین دین ہی کی آواز نہیں بلند کی گئی ہے اور مسلمانوں کو رہبانیت کے طرف نہیں بُلایا ہے، بلکہ صاف لفظوں میں معاش و معاد کی ضرورت بتلاکر مسلمانوں کی ترقی دین و دنیا کے باہمی رشتہ کو مضبوط پکڑنے پر موقوف ثابت کی ہے، ہم تمام مسلمانوں کی طرف سے اپنے محترم دوست کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے موجودہ زمانے کی ایک بہت بڑے اشد ضرورت کو محسوس کر کے اسپر توجہ کی، اور نہایت کامیابی سے اس کام کو انجام دیا، مسلمان ابھی آمادہ نہیں ہیں کہ ایسے کاموں کی

قدر کرین اسلئے انکو قدر دانی کی توقع نہ رکھنی چاہیے"
بلکہ بہ حیثیت ایک اسلامی عالم ہونے کے اپنا فرض
سمجھکر اسکے ادا کرنیکی کوشش کرتے رہین ایک زمانہ آئیگا
جبکہ آنیوالی نسلین ان کامون کی قدر کرینگی اور ایسے
لوگون کے نام عظمت کے ساتھ لین گی اسی مستقبل
قدر دانی کو اپنی جانفشانی کا کافی معاوضہ سمجھنا چاہیے

یہ نمونہ خطبہ نہایت اعلیٰ درجہ کے مصری
ٹائپ پر چھپا ہے اور ۸ ار قیمت ہی مصنف سی
بمبئی بلائی مسجد منیار" کے پتہ سے مل سکتا ہے۔

حال مین ایک عجیب و غریب کتاب "موسیو لیورش"
ایک مشہور فرانسیسی مدبر نے شایع کی ہے جو اُسنے
تیس برس بلاد اسلامیہ مین رہکر اور عربی زبان کی
ساتھ اسلامی علوم و فنون کو کامل طریقہ پر حاصل
کرکے اپنی سرگذشت اور اسلام کے حسن و
قبح مذہبی پر لکھی ہے پچھلے دنون مصر کے مشہور
روزانہ اخبار "اللوا" مین ایک دلچسپ مضمون اس
کتاب پر نکلا تھا، جس میں اسلام کے متعلق
اُسکی راے اُسی کے لفظون مین نقل کرکے
یورپ کو توجہ دلائی تہی کہ کیا اس اسلام کی ویسی
بدنما صورت ہے؟ جیسی یورپ کو نظر آرہی ہے
یا ویسی دلفریب موثر جسنے ایسے مدبر اور عالم و فاضل

کو اپنا شیفتہ بنالیا ہے؟ موسیو مذکور لکھتا ہی کہ
وہ ایک طول و طویل زمانہ مین امیر عبد القادر کے
پاس اسلام کی تحقیقات مین صرف کیا، امیر تک
میری رسائی اسطرح ہوئی کہ ابتدا مین مین نے
نہایت فریب اور چالاکی سے امیر پر اثر ڈالنا شروع
کیا اور پھر خود کو اسکا خیر خواہ ظاہر کرکے اسکو
اپنے دام مین پھنسالیا، یہانتک کہ اُسنے مجھکو
اعتبار کی نظرون سے دیکھنا شروع کیا اور اپنا
سکرٹری مقرر کرلیا، پس جب مین نے اس زمانہ
اطمینان مین اسلام کی تحقیق کی تو مجھے ثابت ہوا کہ
یہ دین جس پر بہت سے لوگ عیب لگاتے مین تمام
ادیان مین افضل دین ہے اور انسانی فطرت کی
موافق ہے، بلکہ وہ مذہب جسکو "شریعت طبیعی"
کے نام سے موسوم کرتے ہین حقیقتاً اسی مذہب
اسلام سے ماخوذ ہے پھر جب مین نے اس امر پر
نظر کی کہ اس مذہب کا پیرو پر اثر کیا پڑتا ہے تو مجھکو
معلوم ہوا کہ یہ مذہب انسان مین شجاعت، شہامت
فیاضی، ہمدردی، اور تمام عمدہ صفات پیدا کردیتا
ہے اور جھوٹ، اور لغو باتون سے باز رکھتا ہے
ایک مسلمان شخص کو تم دیکھو گے کہ وہ طلب معاش
میں کبھی حرام ذرایع سے کام نہیں لیگا، اور کسی کے

متعلق کبھی بدظنی نہین کریگی!

یہ وہ صفات ہین جو عیسائیون اور یہودیون مین بہت کم پایے جاتے ہین۔

اسی زمانہ مین میری ایک نوجوان لڑکی سے جو جزائر کی رہنے والی تھی محبت ہوگئی تھی، اسکا نام خدیجہ تھا اور وہ بھی مجھ سے شدید محبت کرتی تھی اسکا گمان میرے متعلق یہی تھا کہ مین مسلمان ہون لیکن جب مین اپنے مدرسہ سے فارغ ہوگیا تو مینے ارادہ کیا کہ خدیجہ سے نکاح کرون اور اسکو اپنے ساتھ فرانس لے چلون ایک دن مینے اپنا اصلی راز اُسپر ظاہر کردیا اور اس دہوکہ سے پردہ اوٹھادیا، جسنے اتنے عرصہ تک میری حقیقی صورت کو چھپا رکھا تھا جب اُسکو یہ حالت معلوم ہوئی کہ اُسکا سابق گمان حیرت انگیز طریقہ سے غلط ہے تو وہ یکایک میرے پاس سے علحدہ ہوگئی اُسکا رنگ زرد ہوگیا اور چہرہ پر ہوائیان چھوٹنے لگین اُسنے پکارا کہ "الوداع! الوداع!!" اور نہایت حسرت کے ساتھ بولی کہ "مین تجھسے محبت کرتی ہون اسلیے کبھی اس امر کو جائز نہین رکھہ سکتی کہ تیرا راز فاش ہوجاے مگر اس کے ساتھ ہی اپنی قوم سے بھی محبت رکھتی ہون اسلیے یہ بھی جائز نہین رکھ سکتی کہ مین انمین ایک ایسے راز سے واقف ہوکر رہون جو انکو مضرت پہونچانیوالا ہو، بس اب مین نہین چاہتی کہ زندہ رہکر عیش حاصل کرون الوداع! الوداع!!"

یہ کہا اور خنجر اپنے سینہ کے پار کرکے دنیا سے رخصت ہوگئی، مین مرتے دم تک یہ واقعہ فراموش نہین کرسکتا یہ ہے اس بزرگ دین کی تاثیر جو درحقیقت صدق اور فضائل کا مجموعہ ہے،

لیکن افسوس ہے کہ اسلام مین ایسے علما بھی پایے جاتے ہین جو اسکی تعلیم مین تحریف کردیتے ہین اور اسکی خوشنما صورت کو بگاڑ دیتے ہین اور وہ لغو اور خرافات باتین اُسمین ملا دیتے ہین جو درحقیقت اُسمین نہین ہین مینے اسی زمانہ مین قیروان اسکندریہ اور مکہ کے بعض علما ایسے دیکھے جنہون نے تحریرون مین لکھکر جزائر مین اس امر کے فتوے لکھکر بھیجے کہ فرنچ گورنمنٹ کی اطاعت مسلمانون پر فرض ہے، اور وہ سب سے بہتر حکومت ہے وغیرہ وغیرہ۔

فی الحقیقت اسی قسم کے علما ہی مسلمانون کی تنزل اور غفلت کے اصلی باعث ہین یہی ہے وہ جماعت جو اسلام کو اپنی ملکیت سمجھتی ہے، اور دوسرونکو لیے اسکی تغیر و تشریح جائز نہین رکھتی امین فی جزائر

...یونس مین مفتی شیخ محمد عبدہ مصری نے علم
تمدن کے مطابق قرآن کی تفسیر لکھی ہے چنانچہ اکثر مولویون
کو ... آپ کی تفسیر مین بہت سی بیانات بدعت قرار دیتے
ہین ... عمل کرتے ہین کہ اس قسم کی تفسیر سلف مین سے
کسی نے نہین کی! گویا انہون نے اسلام کو ...
... سیوطی کا مخصوص سرمایہ سمجھ لیا ہے جیسے قدیم
مفسرین اور علما و مجتہدین کے سوا اور کسی کا کچھ
حق نہین، جب تک خدا تعالیٰ اسلام مین شیخ
محمد عبدہ مصری جیسے عقلا زمانہ ...
پیدا نہین کریگا مسلمان ترقی نہین کر سکتے۔

اس عالی دماغ مدبر نے شیخ عبدہ مصری کا ذکر
کیا ہے، اور اونکے وجود کو ان مصلحین کا نمونہ قرار دیا ہے
جنکی اصلاح کا اسلام آجکل محتاج ہو رہا ہے لیکن
افسوس ہے کہ یہ فرانسیسی مصنف ہندوستان کے دور
آخر کے علمی اور مذہبی انقلاب سے واقف نہین، جسکو ایک
ایسے مجدد اور مجتہد کی کوششون نے پیدا کیا جسکی عالی دماغی
روشن ضمیری شیخ محمد عبدہ مصری اور ایسے ہی آنیوالی زمانہ کی تمام
اسلامی مصلح مقلد ہونگے انکی تمام کوششین تقلیدی تعریف کی
جائینگی اگرچہ انکو ناواقفیت سے تقلید کا احساس نہو
اس سے چالیس برس پیشتر جبکہ مرحوم سر سید احمد خان نے
اپنی علمی اور مذہبی اصلاح کی بنا رکھی اور موجودہ حیثیت
پر نظر کرکے ایک نئے علم کلام کی بنا ڈالی کون کہہ سکتا تھا
کہ آگے چلکر اس واحد اور یکتا منادی کرنیوالے کے بہت سے
شریک پیدا ہو جائینگے، اور وہ بھی آواز بلند کرینگے جو اس
مظلوم کی مبلغ زبان سے نکلکر کفر و ضلالت کا خطاب پا چکا
ہے، شیخ محمد عبدہ مصری تفسیر القرآن کا مصنف ہو
یا فرید وجدی "تطبیق دیانۃ الاسلامیہ" "نور الاسلام
فی عصر العلم" کا شیخ حسین طرابلسی الحمیدیہ کا یا ہمارے
مخدوم مولنا شبلی "الکلام" کے، ان بزرگون کی اصلاح
کی کوشش چاہے کیسی ہی قابل قدر و شکریہ ہو لیکن اولیت
اور تقدم کے فضل کا سہرا اسی شخص کے سر قدرت باندھ
چکی ہے جسنے اپنے نصف صدی پیشتر جبکہ دنیائے اسلام
پر علم تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضرورتون کا کسی کو
احساس بھی نہوا تھا اس ضرورت کو محسوس کیا، اور
شخصی کوشش سے جسقدر ممکن ہوا اس کوشش مین
کامیابی حاصل کی۔

پس اگرچہ شیخ ممدوح کی کوششین بیشک اس امر کی
مستحق ہین کہ انکو شکریہ کے صلہ سے سرفراز کیا جائے
لیکن یہ خیال کبھی صحیح نہین ہو سکتا کہ اس اصلاح
کی حقیقی نسبت انہین کی طرف ہے، اور
وہ ہی حقیقی شکریہ کے مستحق ہین۔

شیخ محمد عبدہ مصری کے نام نامی سے ہمارے وہ احباب ناواقف ہونگے جو مصر کے عربی رسائل و اخبارات سے دلچسپی رکھتے ہیں اور بالخصوص "المنار" کو ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں۔

شیخ ممدوح مصر کی قدیم سوسائٹی کی یادگار ہیں اور بلحاظ ان واقعات اور حوادث کے جو انکے سامنے مصر پر گذر چکے ہیں ایک تاریخی شخص ہیں۔ عربی پاشا کی فوجی تحریک سے پیشتر یہ سرکاری اخبار "الوقائع المصریہ" کے اڈیٹر تھے لیکن چونکہ عربی کی شورش سے بعد کو انکا بھی کچھ تعلق ثابت ہوا اس لئے تین سال کیلئے بیروت جلاوطن کر دیئے گئے،

اسی زمانے میں تعلیمی ضرورتوں سے انہوں نے "التوحید"، کا مواد جمع کیا، جو پچھلے دنوں چھپ کر شایع ہوئے، اسکی چند فصلوں کا ترجمہ علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ مین شایع ہو چکا ہے، جس سے انکی دقت نظر، اور روشن خیالی کا اندازہ ہو سکتا ہے، انکی روشن خیالی کو دیکھکر عربی پاشا مزاحاً کہا کرتا تھا کہ "شیخ محمد عبدہ کے سر پر عمامہ کی جگہ ہیٹ زیادہ زیب دیتا ہے"۔

سنہ ۱۹۰۳ء کے سفر یورپ میں خدیو مصر کے ہمراہ شیخ ممدوح نے فرانس و انگلینڈ کے بڑے بڑے مصنفوں اور فلاسفروں سے ملاقات کی جنہوں نے اس مشرقی فاضل کا نہایت پرجوش خیر مقدم کیا، "ہربرٹ اسپنسر" نے باوجود غایت درجہ کی پیرانہ سالی کے اپنے شوق ملاقات کو ضبط نہ کر سکا، اور تعریف آمیز الفاظ میں شیخ کی صحبت سے مسرت ظاہر کی آج کل انکے درس قرآن کا اقتباس "المنار" (مصر کے ایک مشہور اسلامی رسالہ) میں شایع ہو رہا ہے، جسکی طرف اس فرانسیسی مدبر نے اشارہ کیا ہے، اتفسیر کا اندازہ تقریباً وہ ہے جو سرسید کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اسکی طرز تحریر و تفسیر میں بالکل آزادی پائی جاتی ہے اور یہ قدیم تفسیروں کے دائرے مین خود کو کسی قدر مقید ظاہر کر کے انھیں خیالات کو ظاہ

کرتا ہے،

اسمین کوئی شک نہیں کہ شیخ ممدوح کا وجود اسلامی دنیا کیلئے نہایت قابل قدر ہے، اگرچہ انکی تعلیم بالکل قدیم طریقہ پر ہوئی اور سید جمال الدین افغانی کی صحبت نے جدید رنگ سے آشنا کیا، لیکن زمانہ کی ضرورتون نے انکو جدید دنیا سے اسقدر واقف کر دیا ہے، اور قدیم و جدید علوم پر اسقدر حاوی ہوگئے ہین کہ انکی ان لوگون سے ہرگز توقع نہیں ہوسکتی جنہون نے جدید تعلیم کو باضابطہ حاصل کیا ہے، اور جدید سوسائٹی مین پرورش پائی ہے، کیونکہ وہ اُس اثر مین محیط ہوکر جبراً اُن خیالات کو ظاہر کرتے ہین، جو یہ فاضل مصری اپنی کوشش و محنت سے تحقیق کر کے اجتہاداً پیش کر رہا ہے وشتان بینھما۔

ایڈیٹر

ترقی اُردو

نمبر ۲

انجمن ترقی اُردو

اُردو زبان مین آجتک جسقدر کتابین شایع ہوئین، چونکہ وہ کسی خاص ترتیب اور انتظام سے تعلق نہیں رکھتی تھین، اِس لئے بجائے اسکے کہ اُردو لٹریچر مین کارآمد کتابون کی افراط ہوتی، فضول، اور بیہودہ کتابون کی تعداد بڑھتی گئی، مصنفین نے اپنا قلم پبلک کے مذاق کا تابع کر دیا، اور پبلک روز بروز اسی مذاق کی عادی ہوتی گئی۔ ایک جماعت نے تجارتی اصول پر قلم کو معاش کا ذریعہ بنانا چاہا، تو تجارت نے مصنفین کی رہی سہی قابلیت بھی تباہ کردی۔

یورپ مین بیشک کتابین تجارتی اغراض سے شایع کی جاتی ہین، اور تصنیفات نے درحقیقت تجارت کی صورت اختیار کرلی ہے،

لیکن یورپ اور ہندوستان کی حالتون
مین، اسقدر عظیم الشان فرق ہے تاکہ ہمارے
لئے اسکی تقلید نفع کی جگہہ مضرت کا باعث
ہے، اول تو یورپ مین خود پبلک کا مذاق
اعلیٰ درجہ کا شائستہ ہے، اور جس قسم
کی عمدہ تصنیف شایع کی جائے اُسکے
خیر مقدم کے لئے طیار ہے، ثانیاً ہر قسم
اور ہر فن کے مذاق کے لوگ کثرت سے
وہان موجود ہین۔ علوم و فنون کی کوئی شاخ
مشکل سے ایسی ملیگی، جسکا پبلک کی کسی خاص
جماعت کو مذاق نہو اور جو اس فن کی تصنیفات
کی خواہشمند نہو اسلئے جس فن کی کتاب
شایع کی جائے فوراً ملک مین کھپ جاتی
ہے۔ اور پبلیشر کو شایع کرتے ہوئے
کسی قسم کا خوف نہین ہوتا، برخلاف
ہندوستان کے، جہان اس سرے سے
اُس سرے تک عام طور پر فضول قصون اور
سطحی تصنیفات کا مذاق عالمگیر ہو رہا ہے،
اور ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہین جو فسانہ آزاد
اور جعفر و عباسہ کی جگہہ "ہیروز اینڈ ہیروورشپ"
"اور ایجوکیشن" کے خشک ترجمون کو خریدنا
پسند کرین گے۔

باوجودیکہ یورپ مین علمی روشنی نے پبلک
کو اچھے بُرے مین تمیز کرنے کا کافی موقع
دے رکھا ہے۔ لیکن پھر بھی بعض اوقات
پبلک کے مذاق پر توجہ نہ کرنے سے مصنفین
کو سخت دقتین پیش آئی ہین، "اسمائل"
جیسا مشہور مصنف جسکی تصنیفات کو
آج علمی دنیا اپنی آنکھون مین جگہہ دیتی ہے
جب پہلے پہلے اسکی ابتدائی تصنیف
شایع ہوئی وہ تصنیف جو آگے چلکر مقدس
بائبل کے ہم پہلو ہونے کا دعوا کرنے والی
تھی۔ تو مدت تک اُسکے تمام نسخے الماریون
مین بند پڑے رہے، اور ایک عرصہ مین
وہ اڈیشن ختم ہوا، "ہربرٹ اسپنسر" تمام
عمر شاکی رہا، کہ زمانے نے اسکی تصنیفات
کی قدر نہین کی، کیونکہ اشاعت مین وہ
ہمیشہ نقصان اُٹھاتا رہا، جب "یورپ"

کا یہ حال ہے، تو ہندوستان مین کیونکر توقع کیجا سکتی ہے، کہ کتابین اعلیٰ درجہ کی شایع کیجائین، اور پبلک اپنے مذاق کو چھوڑ کر یکایک انکو قبول کرلے؟

اگر کسی سال کی سرکاری رپورٹ دیکھی جاے تو اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملک مین کس قسم کی کتابین زیادہ چھپتی ہین؟ اور پسندیدگی کی وجہ سے کتنے ایڈیشنون تک ان کی نوبت پہنچتی ہے؟ سنہ ۱۹۰۱ء مین ۴۵۷ کتابین شایع ہوئین، جنمین ۲۳۱ کتابین بیہودہ نظمون، ناولون اور ادنیٰ درجہ کے مضامین کی تھین، اور تقریباً ۱۰۰ کتابین معمولی درجہ کی، جنمین زیادہ تر درسی کتابین ہین اور کچھ چھوٹی چھوٹی سوانح عمریان جو پنجاب کے مختلف پریسون سے نکلا کرتی ہین، انکے مقابلہ مین کل سولہ کتابین تاریخ، ادب، سائنس، اور صنعت و حرفت کی ملتی ہین، جنمین درحقیقت سوا ایک کتاب کے جس نے گویا اس سال اردو لٹریچر کی شرم رکھ لی، اور کوئی کتاب قابل ذکر نہین ہے!!

اس فہرست مین کوئی ناول اور نظم ایسی نہین ہے جسکا اس سال دسوان یا بارہوان ایڈیشن ہو، اور ہر مرتبہ دو ہزار سے زائد نہ چھپی ہو، برخلاف اسکے دو حیات جاوید کا پہلا ایڈیشن اب تک ختم نہین ہوا، باوجود کہ وہ ایک ایسے شخص کی لائف جسکو مخالف موافق ایک عجیب و غریب وجود سمجھکر دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

جب ہمارے ملکی مذاق کا یہ حال ہے کہ سال بھر کی پانچسو کتابون مین صرف کتاب اعلیٰ درجہ کی نکلتی ہے، اور اسکی طرف بھی پبلک خاطر خواہ توجہ نہین کرتی تو پھر یہ کیونکر توقع کی جاسکتی ہے، کہ کتابین تجارتی اغراض سے شایع کیجائین اور قوم کا مذاق بھی درستی پر آجاے؟

مصر مین جب ابراہیم پاشا نے طریق تعلیم کی اصلاح کرنی چاہی اور عام طور پر علمی مذاق پیدا کرنا چاہا تو اس نے اسی غرض

سے ایک سرکاری انجمن قایم کی جسکا مقصد
یہ تھا کہ یورپ کی مختلف زبانون سے اور
بالخصوص فرنچ سے اعلیٰ درجہ کی کتابین مختلف
علوم وفنون کے متعلق انتخاب کی جائین،
اور انکا ترجمہ عربی مین شایع کیا جاے،
اسی صیغۂ تراجم مین وہی اشخاص شریک
کئے جاتے تھے، جو عربی لٹریچر مین کامل ہونے
کے علاوہ یورپ کی مختلف زبانون سے واقفیت
رکھتے ہون، اس انجمن نے علوم وفنون
ہر شاخ مین متعدد کتابین ترجمہ کر کے شایع کین
جس سے ملک مین عام مذاق پیدا ہو گیا،
کتاب شایع کرتے ہوئے نہ انجمن کو اسکی فکر
ہوتی تھی، اور نہ مترجم کو، کہ یہ کتاب پبلک کے
مذاق کے موافق ہے یا نہین؟ اور کوئی اس
کتاب کو خریدے گا یا نہین؟ انجمن سرکاری
تھی، اور مصنف ومترجم اسکے ملازم، انکا کام
یہی تھا کہ وہ پبلک مین عمدہ مذاق پیدا
کرین، جب پبلک کا مذاق عمدہ حالت پر
آگیا، تو پھر عام طور پر اس قسم کی کتابین شایع

ہونی لگین، اور لوگ ذوق وشوق سے خریدنے لگے،
"انجمن ترقی اردو" کو پہلی مشکل جو پیش آئی،
وہ یہی ہے کہ اگر کتابین اعلیٰ قسم کی شایع
کی جائین تو لے گا کون؟ اور اگر تجارتی
صورت سے شایع کی جائین تو لامحالہ پبلک
کے مذاق کی پیروی کرنی پڑے گی، تو اسکے
لئے تو نولکشوری پریس اور کارخانہ پیسہ اخبار
ہی کافی ہین، پھر انجمن ترقی اردو کی کونسی
ضرورت ہے؟! انجمن سردست اسقدر
سرمایہ کہان سے لاے؟ کہ بلا خیال عام
مذاق کے عمدہ کتابین شایع کرتی رہے، اور
پبلک کو ایک عرصہ مین اپنی طرف متوجہ
ہونے پر مجبور کرے؟ لیکن درحقیقت
اسکا کوئی علاج نہین ہے جب تک کہ ایک
مستقل فنڈ انجمن کے پاس جمع نہو جائے
کتابین شایع کی جائین اور اسکی بالکل پروا
نکی جاے کہ جلد نکلین گی یا بدیر، بضرورت،
اور تعلیمی ذوق تھوڑے ہی عرصہ مین ناول
مین اور دیوان پرست جماعت کو مجبور کریگا

کہ وہ "ایجوکیشن"، "" اور فلسفہ حسن"، کو خرید کر
اور ناولوں کے ساتھ اپنی الماریوں میں ان
کے لئے بھی جگہ نکالیں۔

فنڈ کا جمع ہونا بیشک ایک وقت طلب
امر ہے، لیکن جب یہ سوچا جائے کہ اس فنڈ
کا کونسا مقصد ہے جو وقت طلب نہو، اور
ساتھ ہی جسکا پورا ہونا اشد ضروری ہو، تو پھر
ہمت ٹوٹ جاتی ہے! اور آمادگی پیدا ہو جاتی ہے
کہ انجمن ترقی اردو کیلئے قوم کو قطعی ایک
کافی فنڈ مہیا کرنا چاہیے، بشرطیکہ قوم
ملکی زبان کی ترقی کو ایک ضروری بات تسلیم
کرتی ہو، ورنہ یوں تو علیگڈہ کالج۔ ندوۃ العلماء
حمایت اسلام سبھی قوم کا منہ تک رہے ہیں
اور منتظر ہیں کہ ہماری ضرورتیں تسلیم کی جائیں
لیکن ضرورت اس قدر معرض بحث میں
ہے کہ یہ مسئلہ طے ہی نہیں ہوتا؟

انجمن ترقی اردو نے جس قسم کی کتابوں
کا ترجمہ کیا ہے، اور جنکے ترجمہ ہو رہے
ہیں، انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
انجمن نے کسی خاص صیغہ علمی کی اشد
ضرورت تسلیم کرکے اسپر توجہ کرنے کی جگہ
مختلف سلسلے جاری کر دیے ہیں، جنسے
کام نہایت پریشان ہو گیا ہے ایجوکیشن
ہے کارلائل، رہنمائے ہند، نامہ
دانشوران، سولر سسٹم، فلسفہ حسن،
ان چھ کتابوں میں ایک کتاب فن تعلیم
سے تعلق رکھتی ہے، ایک کتاب تاریخ کے
ساتھ اخلاق پر مشتمل ہے۔ دو کتابیں
مختلف لوگوں کے حالات، اور تاریخ کے
متعلق ہیں، سولر سسٹم علم ہیئت کا ابتدائی
رسالہ ہے صرف آخری کتاب فلسفانہ مضمون
کی ہے بیشک! یہ کتابیں اعلیٰ درجہ کی
ہیں، اور انکا ترجمہ اردو میں کبھی غیر مفید نہیں
ہو سکتا، لیکن اردو کی کم مائگی اور قوم کی حالت
کو دیکھتے ہوئے ہر صائب الرائے شخص
یہی کہے گا، کہ ابھی صرف سائنٹفک، اور
فلسفانہ کتابوں کی اشد ضرورت ہے،
ان تمام کتابوں میں صرف تین کتابیں

ایجیوکیشن، سولر سسٹم، فلسفہ حسنی" اسی قابل ہیں کہ انکا ترجمہ اردو مین نہایت ضروری سمجھا جاے باقی کتابون کی ترقی اردو کے لیے ابھی ایسی ضرورت نہ تھی کہ انکو اور فلسفانہ تصنیفات پر ترجیح دی جاتی، ابھی ہمکو یہ سمجھنا چاہیے کہ علم کس چیز کو کہتے ہین؟ سائنس کیا چیز ہے؟ کس قدر وسیع ہے؟ اور اسکی کتنی شاخین ہین؟ دنیا نے اس سے کیا فائدے حاصل کیے؟ اور ہم کیا حاصل کرسکتے ہین؟ انھین کتابون کی ہمکو ضرورت ہے، جو ہمکو ان امور کے سمجھنے مین مدد دین اگر ہم راہ نمایان ہند کے حالات سے واقف ہو گیے، یا ایک بہت بڑی جماعت علما، و شعرا کے حالات معلوم ہو گئے، تو گو وہ ہمارے لیے مفید ہون لیکن ابھی وہ ہمکو اسقدر فائدہ نہین پہنچا سکتے جس قدر کہ سائنس اور فلسفہ سے ہمکو توقع ہے، پس انجمن ترقی اردو کا کتابون کو انتخاب کرتے ہوئے اسی نکتہ کو بھلا دینا ہمارے لئے نہایت مضر ہوگا، اگر ایسی فاضل جماعت نے اس نکتہ پر توجہ نہین کی تو پھر کس سے امید ہو سکتی ہے

قسمت

(اور اس کے لکھے کو کوئی مٹا نہین سکتا!!!)

ہمارے دلی دوست مسٹر علی محمود صاحب بانکی پوری کے متعدد مضامین مخزن اور اردوے معلی مین شایع ہو چکے ہین، ذیل کے مضمون مین اُنھون نے مذہب کے ایک معرکۃ آلارا اور لاینحل عقدے کے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو درحقیقت مذہب اور سائنس کا ایک قدیم مختلف فیہ مسئلہ ہے، قدیم علم کلام اس پر نہایت طول طویل بحث کر چکا ہے اور جدید علم کلام کا جس قدر دفتر طیار ہو چکا ہے، اُسمین بھی اسپر کافی نظر ڈالی گئی ہے، مگر ان کوششون کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابتک اُسکا کوئی تشفی بخش فیصلہ نہین ہوا، کیا عجب ہے کہ ایسی ہی متفرق اور سادی بحثین کسی دن مجموعی حیثیت سے قسمت پر نہایت مفید اور فیصلہ کن روشنی ڈالین؟

سائنس نے اپنی خشک لغت سے بہت سے الفاظ قطعی رد کردے ہین فرشتے، جنات،

جھوٹ پلید، بہشت، دوزخ، حور و غلمان،
معجزات، کرامات، اتفاقات، اقبال، تائید غیبی،
وغیرہ وغیرہ بہت سے الفاظ، جنپر لاکھون آدمیون
کا دلی اعتقاد ہے، وہ کہتا ہے کہ بالکل غلط اور
مہمل ہین! انھین بدقسمت الفاظ کی فہرست
مین یہ لفظ بھی موجود ہے، جو مضمون کی پیشانی
پر لکھا گیا ہے۔

سائنس اور فلسفہ نے جو گرانمایہ احسان ہمپر
کئے ہین، ہم اُن کے منکر نہین، مگر جہالت،
تعصب، توہم، اور ضعیف الاعتقادی کی دشمنی
مین اسکے ہاتھون کہین کہین سچائی کا بھی خون
ہوگیا ہے، جو ہر طرح قابلِ افسوس ہے، وہ
مذہبی باتون کو عموماً حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے،
اور بہت جگہ اپنے سرسری فیصلہ سے ہمکو
راہنمائی کی جگہہ بالکل گمراہ کر دیتا ہے، اسکی
زبردست منطق، حسی شہادات، حیرت انگیز استقرا
سے ہماری گردنین خواہ مخواہ اُسکے آگے جھک جاتی
ہین، یہ سب کچھ سہی! مگر یہ نہین ہو سکتا، کہ ہم
اسکو بالکل معصوم سمجھ لین! اس سے غلطیان

ہوئی ہین، اور ہوتی رہین گی، لیکن ہان! ہمارا
برتاؤ ایسا ہونا چاہیئے کہ

نہ بے وجہ الفت، نہ بے وجہ نفرت!

قسمت کے لفظ کی بھی اُسکے ہاتھون مٹی پلید
ہونی تھی، اُسکا کچھ قصور نہین، صرف اتنا!
کہ وہ مذہبی الفاظ کی فہرست مین داخل ہے،
خوش اعتقادی اور قبولیت عامہ کی گہری دارنش
نے اصلی جوہر چھپا کر انکو زرد و کر دیا ہے، مگر خیر!
سائنس پر عجلت پسندی، تعمق نظری کی کمی،
اور بے پروائی کے ہزارون الزام لگائین، لیکن
یہ نہین کہہ سکتی، کہ تعصب اور خود رائے بھی
اُسکا شیوہ ہے، وہ اپنی غلطیان اُسی قدر
جلد تسلیم کر لیتا ہے، جس قدر کہ وہ دوسرونکی
جہالت اور تعصب کے ثابت کرنے مین تند اور
تیز ہے،

اب ہم غور کرین، کہ سائنس کو اِس لفظ کے
سمجھنے مین غلطی کیون ہوئی؟ ہم محاورے مین
کہتے ہین کہ "ایسا ہونا قسمت مین لکھا تھا"
قسمت کے لکھے کو کوئی نہین مٹا سکتا، سائنس

کے کان لکھے ہوئے،، کے لفظ پر کھڑے ہو گئے
کہ لکھا ہونا چاہیے معنی وارد ہ کسی خوش اعتقاد نے
جوش مین آکر انسان کی کھوپڑی کی ٹیڑھی میڑھی
لکیرون کو جو کاسہ سر کے جوڑون کے وصل
ہونے سے پیدا ہو جاتی ہین خط تقدیر بتادیا
اور کہا کہ وہ یہ لکھا سوا خدا کے اور کوئی نہین پڑھ
سکتا، جس پر سائینس نے خوب قہقہہ لگایا،
اور فلسفہ نے خندہ زنی کی، مگر ہمکو انکی ہنسی
پر رونا آتا ہے، گو اس سیدھے اور عقیدت
مند آدمی نے بہت بھولے بھالے طریقہ سے
کہا اور اپنے دعویٰ کو مضبوط دلائل سے
ثابت نہ کرسکا، مگر جو کچھ کہا، قریب قریب صحیح کہا
ہمکو ڈر ہے، کہ کہین ہم پر بھی خندہ زنی
ہو، مگر اس بات کے دکھلانے کی کوشش کرنیسے
کہ غالباً ہم اُس شخص کی بیجا تائید نہین کررہے
ہین۔

صرف "لکھے ہوئے" کے لفظ پر دھیان نہین کرنا
چاہیے، معلم کی زبان کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی
گفتگو مین تشبیہون اور استعارون سے ضرورتاً
زیادہ کام لیتا ہی کیونکہ اسکے مخاطب صرف عقلاء
اور فلاسفر ہی نہین ہوتے جو مشکل اور دقیق
مضامین کو اشارون مین سمجھ لین، بلکہ بڑی جماعت
اسکے مخاطبین کی ایسی ہوتی ہے، جسکے قوائے
ذہنی ایک موٹی سی بات کے سمجھنے کے لئے
بھی اُسی وقت طیار ہو سکتے ہین جبکہ تشبیہات
اور مثائل و نظائر سے اسکے ذہن نشین کرنے
کی کافی کوشش کی گئی ہو، اس لئے معلم
کیلئے اس امر کی سخت ضرورت ہوتی ہے
کہ وہ تمام اعلیٰ مضامین ایسی حکمت سے بیان
کرے کہ مضامین کا زور ہر طبقے پر برابر پڑے
قرآن مجید اور دوسری الہامی کتابین
ایسی ہی تشبیہون اور استعارات سے بھری
پڑی ہین، بعض مقامات پر لفظی معنون پر خیال
کرو، تو بالکل حکمت اور فلسفہ کے خلاف
پاؤ گے، لیکن اگر اسکا تم نے صحیح صحیح پتہ لگالیا
کہ متکلم کا طرز بیان کس رنگ مین ہے، تو
غالباً پھر اصلی معنی کے سمجھنے مین دقت نہ ہوگی،
الہامی کتابون کی الفاظ پرستی سے نفع اور

نقصان دونون ہوئے وہ لوگ جو سوچنے
والی طبیعت نہین رکھتے اُنکو اسی الفاظ پرستی
ہی سے وہ نفع پہنچا، جو اُسکے حقیقی مفہوم
کے ذریعہ سے کسی فلاسفر کو پہنچ سکتا ہے
مگر نقصان اُن لوگون کو ہوا، جو متوسط درجہ کی
قوت فکر رکھتے ہین، نہ تو اسطرح کے سادے ہین
کہ معمولی قسم کا سمجھانا اُنکو کافی ہو، اور نہ اتنی
باریک بینی ہے کہ باریک باریک مسئلون کی تہ
کو پہنچ جائین، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ اپنی
نارسائی طبع کے عوض زبردست اور مستحکم
مسائل کو غلط سمجھنے لگتے ہین۔
تقدیر کے مسئلہ مین بھی یہی ہوا ہو کہ ہوا ہے اس
تمہید کے بعد اب ہم سمجھنے کی کوشش کرینگے
کہ کیونکر انسان کی قسمت لکھی ہوئی ہے؟
اور وہ کسی طرح مٹائے نہین مٹ سکتی؟
اس امر سے غالباً کسیکو انکار نہین ہوسکتا کہ دنیا مین ہر شخص
صورت مین مختلف ہے، اسیطرح ہر آدمی اعضا کی بناوٹ مین بھی
مختلف ہے، بالکل اسیطرح ہر فرد بشر کی دماغی ساخت بھی الگ
الگ ہے، علی ہذا ہر ملک و سرزمین ایک

دوسرے سے باہم مختلف ہین، کہین تمام
سال کہر چھایا رہتا ہے، برف باری کثرت
سے ہوتی ہے، سرد ہوائین چلتی رہتی ہین،
کہین کوہ آتش فشان سے میلون آسمان
خاک اور آگ سے بھرا رہتا ہے، کہین کڑاکے
کی سردی پڑتی ہے اور کہین لوؤنکی لپیٹ
بادصرصر کے طوفان ہین، کہین مطلق پیداوار
نہین ہوتی، اور کہین ایسی زرخیزی اور شادابی
ہے کہ رکھنے کو جگہہ تک نہین ملتی۔
مذکورہ بالا اختلاف حالات کو عام نگاہین
نہایت معمولی خیال کرتی ہین، مگر درحقیقت
یہی وہ اسباب ہین، جن سے دنیا مین
یہ نیرنگیان پھیلی ہوئی ہین، ورنہ ہم اُمّ البلاد
سے آگے قدم تک نہین رکھتے، اور ہملوگون
کی طرز زندگی اسقدر مختلف نہ ہوتی، دیکھو!
جیسے دنیا قایم ہے، جانور پرند چرند سب
ہمیشہ ایک ہی قسم کی زندگی کر رہے ہین،
اور ایک ہی قسم کی زندگی کرتے رہین گے مگر
انسان کی حالت آجتک تغیر پاتی رہی، اور

اب بھی روز بروز بدلتی رہتی ہے، آخر یہ تبایئج کن اسباب کے ہین ؟ انہین مذکورہ بالا اسباب کے !

فرنی او نوجسٹ جماعت نے اس بات کو مستحکم طور سے ثابت کر دیا ہے کہ ہر انسان کی کھوپڑی کی ساخت ایک دوسرے سے مختلف ہے، کسی کا سر چھوٹا ہے کسی کا بڑا، کسی کی پیشانی اُبھری ہے، کسی کی چپٹی، کسی کے سر کا پچھلا حصہ نکلا ہوا ہے، کسی کا دبا ہوا، کسی کی چندیا محراب دار ہے، تو کسی کی سطح، غرض کہ ایک مدت کے باضابطہ غور اور تجارب سے اسی جماعت نے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ جسطرح برتن کی شکل کے مطابق پانی اپنی جگہہ نکالتا ہے، اسی طرح کاسہ سر کے مطابق بھیجا اپنا مکان بناتا ہے اور یہی بھیجا ہے، جو انسان کے تمام حاسون کا مخزن ہے بھیجے کے ہر حصہ کا مختلف فعل ہے، اس لئے جو حصہ زیادہ قوی ہوتا ہے، اُسکا فعل لازمی طور پر بہ نسبت اور قوتون کے زیادہ قوی ہوتا ہے، اور جو حصہ کمزور ہوتا ہے، اُسکا فعل اُسیطرح ضعیف ہوتا ہے، اگر کسی کا حافظہ کمزور ہے، جو در حقیقت وہ نتیجہ ہے اُس قوت کی کمزوری کا جسکا فعل یاد رکھنا ہے، یا اگر کسی کا ذہن تیز ہے، تو اُس کا یہ مفہوم ہے، کہ اس کی وہ قوت جسکا فعل سوچنا اور سمجھنا ہے، قوی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہاتھ پیر لنبے رکھتا ہے، اور ساتھ ہی اسکے اور اعضا بھرے بھرے بھی ہین، تو (مستثنیات کو چھوڑکر) یہ بات یقینی ہے کہ وہ پست قد اور دُبلے، پتلے آدمیون سے زیادہ قوی اور زور آور ہوگا، افغانیون کی ہڈیان اُنکے جوڑ بند، اُنکا تن و توش، ہمکو صاف بتلا رہا ہے، کہ وہ جنوبی بنگالہ کے باشندون پر یقینی فوقیت رکھتے ہین، یہ صرف تعلیمی اثر ہے کہ یہ کھلا ہوا سر باوجود ظاہر ضعف و سختی کے فخریہ کہہ رہا ہے کہ وہ تمہارے بڑے بڑے دستارون سے چھپے ہوئے سر سے وزنی، اور قابل عزت سر کے آگے بالکل ہیچ ہین، اسی طرح کی بہت سی مثالین دی جاسکتی ہین،

کہ ایک قوت جو ایک شخص مین قوی ہے، وہی ایک دوسرے شخص مین ضعیف ہے، اور جو اسمین تیز ہے، وہی اُسمین کمزور ہے!

اوپر کی سطرون سے یہ بات ثابت ہوگئی، کہ انسان، انسان برابر نہین، فطرت نے جسطرح صورتین مختلف بنائی ہین اور جس طرح اعضا مین فرق رکہا ہے، بالکل اُسی طرح دماغی قویٰ میں بھی فرق ہے، اسیطرح ملکون کے طبعی اثرات مین بھی فرق ہے، پس ان تمام حالتون کے زبردست نتائج لازمی طور پر ایک نہین ہو سکتے کہین بدن انسانی کی جلد ایسی سیاہ ہے، جیسے کوئلہ کی طبعی سیاہی، کہین ایسی سفید، کہ سنگ مرمر کا دہوکہ ہوتا ہے کہین ایسی سرخ کہ خون جھلک رہا ہے، اور ان تینون حالتون کے خلاف کہین ایسی زرد، کہ سرے سے خون کے ہونے کا یقین ہوتا ہے یہ تو ایک رنگ کا اختلاف ہے، ذہنی قویٰ کے لحاظ سے دیکہین، تو کوئی قوم ایسی وحشی ہے جسکی جہالت فرنیالوجسٹ کو دہوکہ مین ڈالتی ہے، کہ "اِن کے اور حیوان کے ساتھ کے بھیجے مین کیا فرق ہے؟! اور کسی قوم کی تربیت کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے "عقل کے دیوتاؤن نے اوتار لیا ہے"!

تو جب ہمنے ان تمام باتون کو واضح طور پر سمجھ لیا، کہ جو فطرتی قوتین انسان کے دماغ مین یا جو ملکی اثر اسکے بدن اور دماغ پر موثر نظر آتا ہے اُسی کے مطابق اُسکے تمام افعال اور عادات ہوتے ہین، تو کیا پھر بھی اسمین شک کا موقع ہے؟ اور جب ہمکو اس پر کافی طور پر یقین ہوگیا، کہ ہر شخص کی دماغی قوتین باہم مختلف ہوتی ہین، جنسے اُسکی زندگی مین مختلف افعال سرزد ہوتے ہین! اور مختلف عادتین اُسمین پائی جاتی ہیں، تو کیا اس حالت مین اس قسم کی تشبیہات اور استعارے، کہ

"جو قسمت مین لکہا ہے، وہی ہوتا ہی"
قسمت کا لکہا مٹ نہین سکتا"!

غلط ہین؟ بلکہ خود قسمت نہایت واضح طور سے

اپنا اصلی مفہوم بتا رہا ہے، کہ ہر شخص کے حصے
مین جو قوتین آئی ہین، اور اُن کے قوی و
ضعیف ہونے کے متعلق جس دماغی حالت
پر وہ مجبول ہین، اُسی کے مطابق اُنکی زندگی
بسر ہوگی، اور اُسی قسم کے افعال اُن سے
سرزد ہونگے، ہاتھی، باوجود ایک عظیم الشان
مخلوق ہونے کے ہرن کے برابر نہین دوڑ سکتا
اسلئے کہ اُسکے پیر اس ساخت کے نہین ہین
کہ وہ تیز رفتاری کا کام انجام دیسکین، اسکے
رگون اور پٹھون مین وہ قوت ہی نہین ہے
جس سے ایسا فعل سرزد ہو، ایسی حالت مین
اگر ہم کہین، کہ
ہاتھی کی قسمت مین ہرن کی برابر دوڑنا نہین لکھا ہے
تو کیا تم لکھے ہونے کے لفظ پر ہنس دوگے؟
اور اس صاف استعارے پر توجہ نہ کروگے
جو اسمین پوشیدہ ہے؟
خلاصہ اس کا یہ ہے، کہ انسان کو جس قدر
طاقت بدنی یا دماغی ملی ہے، اُس سے بڑھکر
وہ کام نہین کرسکتا، یعنی اُسکے افعال اُسکی
طاقتون کے تابع ہین، تو کیا غلط کہا گیا، اگر
کہا کہ انسان کی قسمت مین جو لکھا ہے وہ مٹ
نہین سکتا؟ ہان اگر کوئی ہاتھی کو ہرن کے
ساتھ دوڑ سکے یا چمگادڑ کو گدھ کی سی تیز آنکھ
دے سکے، تو بیشک! اُسوقت یہ کلیہ غلط ہوگا
لیکن جب ہم دیکھتے ہین کہ دونون محض غیر
ممکن ہین، فطرت نے جو قوت تقسیم کردی ہے،
اسمین ترمیم و تنسیخ محض محال ہے، تو ایسی
حالتمین ڈنکے کی چوٹ ہم کیون نہین پکارین
کہ سچ ہے!

خطِ تقدیر مٹ نہین سکتا!!

انسان، اور انسان کا دماغ صرف اپنی ہی قوتون
کا تابع نہین ہے، بلکہ یہ قوتین بھی دوسری
قوتون کی محکوم ہین، جنکے وہ اسقدر مجبور ہین
کہ انگلیون کے اشارے ناچتی ہین، نیچر کے
قوی اور زبردست کارکن، جو بادلون کو اُڑاے
اُڑاے پھرتے ہین، مینہہ برساتے ہین، طوفان
آندھیان چلاتے ہین، سمندرون مین جوار
بھاٹا پیدا کرتے ہین، اونچے اونچے پہاڑ

قایم کر دیتے ہین، ہماری بھاری بھرکم زمین
تک کو ہلا دیتے ہین کہین اراضی کو اسقدر
نا قابل زراعت بنا دیتے ہین کہ جانورون کو
گھانس تک نہین ملتی! اور کہین عجیب سبزی
پیدا کر دیتے، زمین اتنا اوگلتی ہے کہ رکھنے
تک کو جگہہ نہین ملتی، ان تمام مختلف قوتون کا
انسان محکوم ہے، اور اُن کے اثرات کے
خلاف اس پر کوئی چیز موثر نہین ہو سکتی، اسی
مطلب کو صاف لفظون مین بکل نے ادا کیا ہے کہ
ملک کی آب وہوا، پیداوار ملکی، وہانکے قدرتی مناظر،
اور موقع پر قومون کی قسمتون کا انحصار ہے،
دیکھو! بیج ایک ہی ہوتا ہے، لیکن جب
مختلف زمینون مین بویا جاتا ہے، تو مختلف
رنگ و ذائقہ کے پھل پیدا ہوتے ہین۔
آم کا بیج اگر بنگالہ سے لیکر عدن مین
لگا یا جائے تو کیا وہی آم پیدا ہوگا،
جسکی بنگالہ مین توقع کی جاتی ہے؟ بالکل اسی
طرح انسان اور اُسکے دماغ پر آب وہوا، پیداوار
ملکی، اور طبعی حالات و خصوصیات کا اثر پڑتا ہے

اُن نہ مٹنے والے اثرات دماغی اور بدنی کو ہم
بلا تامل کے قسمت کہہ سکتے ہین: چینی لوگون
کی قسمت مین۔ کیا ہمکو یہ کہنے کا حق نہین ہے
کہ۔ چپٹی ناکون کے سوا لنبی ناک نہین ہے؟
یا حبشیون کی قسمت مین سیاہ رنگت کے
سوا سرخی و سپیدی نہین ہے؟ یا یورپ والونکو
افریقہ والون کے سے سیاہ بال، اور سیاہ
آنکھین نصیب نہین ہین؟ یا اُن کی قسمت
مین نہین ہین؟

توجسطرح ہمنے ان اسباب کے لازمی نتائج
کو اس صورت مین پیش کیا ہے، اسیطرح
اگر کسی شخص کے دماغ کی کل قوتین، اور انکی
قوت، اور اُن کا ضعف، (اگرچہ مجکو یقین ہے
کہ علم فرنیالوجی کو بھی ایسی یقینی تخفیف مین
خصوصیت کے ساتھہ کامیابی مشکل ہے
اور ساتھہ ہی اُسکے ملک کی آب وہوا پیداوار
اراضی، رسم ورواج، ارد گرد کے کل اثرات،
اور دنیا کے پر پیچ اسباب کے نتائج معلوم
ہوجائین، تو بیشک ہم انسان کا خط تقدیر

بڑھ سکین! مگر نہ ایسا ہوا ہے، اور نہ ہونا ممکن
ہے، پس یہ جملہ کیونکر غلط ہو سکتا ہے کہ
کسی کی قسمت کا لکھا پڑھا نہین جا سکتا
اور جو لوگ کسی قسم کی پیشین گوئی کسی قوم
یا ملک کے متعلق کرتے ہین، وہ سلسلۂ
اسباب اور تجارب کی قدیم عینک لگا کر اُس
عجب لکھے کو پڑھنا چاہتے ہین، مگر سوا اسکے
کہ، چند حرفون کو اندازہ اور اٹکل کے غبار مین
بڑھ لین، حقیقت یہ ہے، کہ وہ اور کچھ نہین کر سکتے

غرضکہ۔ یہ سمجھنا، کہ تقدیر کوئی چیز نہین ہے
اور انسان بالکل با اختیار ہے، محض غلط
ہے، مگر یہ بھی سمجھنا، انسان بالکل بے اختیار
ہے، اس سے بڑھکر لغو ہے،
پس مسئلہ تقدیر پر کافی غور کر لینے کے بعد کیا وجہ
ہے، کہ ہم اس پر دل سے یقین نہ کرین، کہ
وَكُلَّ اِنسانٍ اَلزَمنٰهُ طٰئِرَهُ فِي عُنُقِهِ ؟

علی محمود
از بانکی پور

ڈِمی ملس تھنیز

(یونان کا ایک فاتح لیکچرار)
ڈیماس تھنیز ۳۸۵ ق م مین پیدا ہوا اس کا
سادہ لوح مگر دولتمند
باپ سپاہیانہ زندگی
بسر کرتا تھا۔ یہ ابھی کھیل
کود کی دنیا مین ننھا
اور یتیمی اس کے سر پر
کھیل رہی تھی۔ باپ نے
ہمیشہ کے لئے دنیا
سے رخصت ہوتے
ہوئے چند ایسے
غیر منتظم ہاتھون مین اپنے
ننھے بچے کو سونپا۔
جنہون نے نہ صرف
اسکی تربیت و تعلیم
مین کوتاہی کی بلکہ
اسکی والدہ کی غفلت
سے فائدہ اٹھا کے

بہت سا مال غبن کر لیا! ڈی ماس تھینیز جوان ہوا تو ایک اچھا خاصا آوارہ شخص تھا۔ نہ وہ اپنی ماں کے دباؤ مین رہ سکتا تھا اور نہ اسے سوسائٹی دبا سکتی تھی۔ اخلاقی برائیون کی وجہ سے لوگون نے اسے سانپ کے لقب سے مشہور کر دیا۔ اِن باتون کے علاوہ اس کی آواز بھی پست تھی جو زبان کی لکنت سے اور زیادہ بدنما ہو جاتی تھی۔ اگر اس موقع پر کوئی کہنے والا کہتا کہ یہ ایک زبردست اور فاتح خطیب ہوگا، تو شاید اِن جملون کی وقعت ایک لطیفہ سے زیادہ نہوتی مگر یہی خودسر لڑکا اپنی کامیابی کے زمانہ مین یونان کا مجتہد خطیب اور سب سے اونچے پایہ کا قومی لیکچرار ہوا!!

اتفاقاً جبکہ ڈی ماس تھینیز اپنی عمر کے ۱۷ سال مین تھا۔ یونان کے سیاسی اسٹیج پر شہر اروپس کے متعلق کوئی خاص بحث چھڑ گئی اور یونانی مدبرون نے اسکو اہم ترین مسئلہ سمجھ کے اپنی مردم خیز زمین کے مشہور سیاسی لیکچرار "کالیسترانس" سے بعض غلط فہمیون کی تردید کرانی چاہی، ڈی ماس تھینیز نے اپنے اُستاد کی وساطت سے ایک محفوظ اور مستور مقام مین بیٹھ کے اس کامیاب تقریر اور تقریر کے فوری اثر کا دیر تک مطالعہ کیا۔ پہلے تو اس نوعمر ناتجربہ کار کو سخت حیرت ہوئی پھر اس فن کی عظمت نے دلمین گھر کیا اور یہ اسقدر اثر لیکے گھر آیا کہ شبانہ روز کے تمام تفریحی کام ترک کر دیئے۔ مطالعۂ کتب اور مشق تقریر شروع کر دی۔ فن بلاغت کے ایک مشہور استاد "ایسیوس" کے حلقۂ درس مین داخل ہو گیا۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہین گذرا تھا کہ اُس نے اپنے مین تقریر کرنے کی جرأت محسوس کی! اسکو عدالت کے عام مجمع مین تقریر کرنے کا وہ پہلا موقع ملا جو اس کے اوصیا کے غبن اور ناجایز دخل کے متعلق تھا، مگر اسکی آواز کی پستی، سینہ کی تنگی، زبان کی لکنت، اور دلائل کے گڈمڈ کرنے کی وجہ سے سامعین نے کچھ نہ سمجھا۔ ہر بات کو سہ کرر اعادہ کرنے کی اسکو بیہودہ

عادت تھی، اس خاص شغل نے سامعین
کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا کہ سب کے سب کانون
مین انگلیان ڈال کے پکارنے لگے چپ
کرادو - بٹھادو - ہٹادو -
ڈی ماس تھینز کی خفت کا کیا پوچھنا ہے ان
جملون کے ساتھ اس نے سلسلہ تقریر موقوف
کیا، مین... مین کہونگا.... کہونگا وہ وقت
آنے والا ہے، اس کے بعد ایک دوست کو جس کا
نام "بونوموس" تھا اس سے بہت ہمدردی
تھی اس نے صلاح دی کہ تم گانا سیکھ کے
"پیریکلیس"[۵۱] کے ڈھنگ کی تقریرین کیا کرو،
ڈی ماس تھینز کو اس کوشش مین بھی ناکامی
ہوئی اور عدالت کے ایک بہت بڑے مجمعی
جلسہ سے شرم سے مُنھ چھپا کے نکل جانا پڑا؛
اس دن "ساتیروس" نام ڈی ماس تھینز کا
ایک ہم عمر دوست بھی وہان موجود تھا جسکو
اس واقعہ سے سخت صدمہ ہوا دوسرے دن
وہ ڈی ماس تھینز کے گھر پر آیا اور اپنے دوست

۵۱ اس کا زمانہ مسیح سے پانچ سو برس پہلے تھا۔ منہ

کی مایوسانہ گفتگو سن کے زمانہ کی نا قدر دانی
کا گیت گانے لگا، پھر ڈی ماس تھینز کو
تسلی دیکے اس سے اپنی ہدایت پر چلنے کا
وعدہ لیا اور صلاح دی کہ وہ "یوری پیدیس"
اور "سوفکلیس" کے رزم و بزم کے اشعار
زبانی یاد کرے۔ اور اس قدر ازبر کرے
کہ نہ صرف اس کی فصاحت و بلاغت
ڈی ماس تھینز کی زبان اور تلفظ پر قبضہ کرے
بلکہ عندالنطق کوٹیشن بھی پیش کر سکے۔
ڈی ماس تھینز ہکلا ہکلا کے پڑھا کرتا تھا اور
اس کا مصلح دوست تلفظ کی غلطیان سمجھا
سمجھا کے مکرر سکرر کہلواتا تھا اور بلند آوازی کی
مشق کراتا تھا۔ بلند اور آہستہ گوئی کے مواقع
دکھاتا تھا۔ بہت مدت تک ڈی ماس تھینز
نے مکان کی دہلیز مین اپنے دلسوز دوست
کے ماتحت کام کیا۔ سارے دن سوا لیکچر
خوانی کے اور کوئی کام نہ تھا۔ وہ جب تقریر
کرنے کھڑا ہوتا تو اپنے دوست کی راے
کے مطابق صرف تلفظ ہی ادا نہین کرتا بلکہ

دست و پا، چشم، گردن، اسے بھی ہدایت کردہ کام لیتا یا بہت سے ایسے لفظ منہ سے نکلتے جن پر ہاتھ اٹھتا اور بعض اعضا کو حرکت ہوتی۔ کبھی گردن اٹھتی آنکھیں بند کر لی جاتیں کبھی تمام اعضا اپنی اصلی حالت پر رہتے صرف ایک ہاتھ بشکل عمودی بلند ہوتا، ان مشکلات کے علاوہ ایک اور مشکل تھی جس نے ڈی ماس تھینز کو اپنے آدھے سر کے بال منڈوا دینے پر مجبور کیا تھا! یعنی مذہب، جسکے بغیر وہ ترقی کا خواب دیکھ سکتا تھا اور نہ پبلک سے بغیر عزت کی توقع تھی۔

ڈی ماس تھینز نے اپنی لکنت اور سختی زبان کی یوں اصلاح کی کہ جب وہ تقریر کے لئے کھڑا ہوتا تھوڑے سے سنگریزے منہ میں رکھ لیتا!

اس نے اپنی آواز کی پستی، سینہ کی تنگی، سانس کے پھولنے کا یوں علاج کیا کہ جب اسے اپنے شفیق دوست کی مہربانیوں سے فرصت ملتی، شہر سے باہر نکل جاتا، اور پہاڑ کے بڑے بڑے پتھر ونمین چیختا کرتا، زور زمین پر دوڑتا، بھاگتا، کودتا، اور بے تکان بولتا، تھک جاتا تو زمین پر لیٹ کے "سوفکلیس" کے اشعار گاتا۔ تنہائی کے موقع پر جبکہ اسکے گھر میں اس کا معلم دوست بھی موجود نہوتا، آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کے گھنٹوں لیکچر دینا اور اعضائی اشارات کی مشق کرتا، ان باتوں سے جب اس نے فرصت حاصل کی تو متواتر کئے سال تک دریا کے کنارے کھلی ہوا میں تقریر کرتا رہا۔ اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ میری آواز اپنی رفعت میں دریا اور ہوا کی تموجی صوت سے بلند رہے!

اندلون ایتھنا اور تمام یونان اسکندر اعظم کے باپ فیلیبس مکدون کے قبضہ قدرت میں تھا جسکی زبردستیوں نے نہ صرف یونان کی مٹھی سے اسکی آزادی چھین لی تھی بلکہ بہت عذابوں اور دردناک مصیبتوں میں ڈال رکھا تھا۔ تقریر کے فرشتے نے ڈی ماس تھینز کو جب

اور ہمدردی کی برکت دیکھئے نیکی کا ہاتھ سر پر رکھا تاکہ وہ یونان کی گردن سے غلامی اور عبودیت کا طوق اتار کے ان کی تلف شدہ آزادی اور حریت انہین واپس دلادے۔

اب ڈی ماس تھینز کی عمر ۳۱ برس کی ہوگئی ہے اور اسکی ریاضت کا تقریری نتیجہ مجلس کے کان، اور اثر لوگون کے دل ڈھونڈھتا ہے یہ خطرناک سے خطرناک مخالفتون کا سامنا کرنے اور اپنی قوم کے لئے اپنا خون بہانے پر آمادہ ہے، "فوکیون" کی وقتی مخالفت کو یہ غنیمت سمجھتا ہے، اس لئے کہ وہ باوجود قوم کا طرفدار اور سیاسی لیڈر ہونے کے اپنی پوزیشن کو پوزکرنے کے عوض پبلک مین اپنے آپ کو غیر مفید ثابت کر رہا ہے، ڈی ماس تھینز کو اسپر فتح حاصل ہونی تھی، ہوی، اور برابر ہوتی گئی، جبکہ وہ ایک دفد کے ساتھ اصلاح اصلاح آزادی آزادی پکارتا ہوا یونان کے وسیع دائرہ مین چکر لگا رہا تھا۔

ایک دن کسی شخص نے فیلیس کا ذکر کرتے ہوئے کہا، واقعی حق تلفی ہوگی اگر ہم فیلیس کی فصاحت اسکے حسن اسکے شراخوری کے اقتدار کی تعریف نہ کرین، ڈی ماس تھینز نے کہا مین متعجب ہون کہ ان تعریفون کے اس سے زیادہ مستحق سوفسطائی اور عورتین اور اسفنج ہین!

جب ڈی ماس تھینز کی جایز مخالفتون اور حقوق حاصل کرنے کی کامیاب کوششون کا نتیجہ جنگ صورت مین ظاہر ہوا تو اس نے اپنی عقل اور جسم کے جہاد سے قومی جہاد کی ابتدا کی۔ یونان کے تمام حصص کا دوبارہ دورہ کیا اور آگ لگا دینے والی تقریرون سے ۱۵۰۰۰ پیادہ اور ۲۰۰۰ سوار کی ایک عظیم الشان جماعت مہیا کر کے ایتھنا کیطرف کوچ کیا، راہ مین فیلیس کے ایک جنگی دفدسے، طیوہ، مین مقابلہ ہوگیا۔ ڈی ماس تھینز کو فتح ہوئی۔ اور اسکی اسپیچون نے طیوہ کے مجاہدین کا ایک بڑا گروہ شریک حال کرلیا! سنرونیا، مین ایک

اور سخت لڑائی ہوئی جسمین خود فیلبس بھی شریک تھا، اس جنگ مین ہی ڈی ماس تھینز کو فتحیابی ہوئی اور مخالفین کے پاؤن اکھڑے، فیلبس ایتھنا مین آکے قلعہ بند ہو گیا، دوسرے دن ڈی ماس تھینز اپنی فوج ظفر موج سمیت پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لڑائی مین ایسی پیچیدگیان واقع ہوتی گئین اور محاصرہ کا زمانہ اس قدر دراز ہوتا گیا کہ ایک دفعہ ڈی ماس تھینز کو اپنی جماعت کے اگتا جانے سے ناکام لوٹ جانے کا یقین ہو گیا تھا اور پھر دفعتاً فیلبس کے مرنے کی خبر نے ڈی ماس تھینز مین جان ڈالدی اس نے فوراً لوگون کو جمع کر کے ایک رجز کے پیرایہ کی زبردست تقریر کی۔ سامعین کا عالم ہی کچھ اور ہو گیا۔ کاہل مستعد ہو گئے مردون مین جان پڑگئی۔ زندونین کیفیت پیدا ہو گئی۔ ایک بے اختیاری سی چھا گئی جس نے مجلس کو تہ و بالا کر دیا۔ ڈی ماس تھینز کی یہ تقریر اپنے خاص رنگ مین سب سے علیحدہ تھی اور ایسی ولولہ انگیز اور جرات خیز تھی کہ اسکی ہمت ہاری فوج اور بزدل جماعت مین پھر سے دلیری اور شجاعت جوش مارنے لگی،

فیلبس کے مرنے کے بعد اس کے نامور بیٹے سکندر اعظم نے تاج و تخت سنبھالا بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ امن و اطمینان لہرین لینے لگا۔ اسکندر اعظم نے ڈی ماس تھینز کو سات مشہور لیکچرارون کے حلقہ مین اپنے حضور مین بلا کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور اطمینان دلایا کہ یہ سلطنت ہمیشہ تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریگی۔

اخنیوس" نام ایک مکدونی شرارت مجسم شخص جس نے فیلبس کے زمانہ مین ڈی ماس تھینز سے اکثر مخالفت کی اور ناکام رہا اب اسے بدقسمتی یہ چانس تو نہین ملسکتا تھا کہ اسکندر اعظم کو دوبرو ہی مین ڈی ماس تھینز سے بحث کرے اس لئے کہ ڈی ماس تھینز کی دربار مین خلاف توقع توقیر ہوئی اور عزت کے ساتھ بری کر دیا گیا۔ ہان ڈی ماس تھینز ایک قدیم دست

اور ہمدرد قوم ’’کیتسیفون‘‘ سے مطالبہ
کیلئے آمادہ ہو سکتا تھا جس نے ایام بغاوت
مین ڈی ماس تھینیز کو اسکی حب الوطنی
اور قومی خدمت کے صلہ مین ایک سونیکا
تاج بھیجا تھا، یہی وہ بات تھی جس نے
اس شریر کو اپنی طبعی شرارت کے استعمال
اور جلے پھپھولے توڑنے کا موقع دیا۔ ڈی ماس تھینیز
کو اپنے دلی دوست کی مدد اور سانپ کا سر کچلنے
کے لئے جانا پڑا، خبر کے اڑتے ہی دور دور
سے مخلوقات آنی شروع ہوئی، سب کے
دل مین یہی اشتیاق اور یہی جوش اور یہی التہاب
کہ ڈی ماس تھینیز کا مناظرہ ضرور چلکے سنین!
ڈی ماس تھینیز کو مجلس نے حکم بنایا۔ اس
بے باک اور آزاد فطرت نے بڑے جوشیلے
لفظون مین اخنیوس کے تمام دعوے باطل
کر دیے یا ڈی ماس تھینیز کے ادبار کی گھڑی سر پر کھیل
رہی تھی کہ مین آپہنچی ہون، قوم نے غیر منصفی
اور طرفداری کی تہمت لگا کے یونان کی سرحد
سے خارج کر دیا۔

اسکندر اعظم کے دم مین جب تک دم رہا۔
ڈی ماس تھینیز کی امیدین مردہ رہین، سکندر کا
مرنا تھا کہ سوکھے دھانون مین پانی پڑ گیا، حب الوطنی
کے جذبات پھر سے زندہ ہو گئے۔ اس نے
اثینا کے سفرا سے رحم کی درخواست کی کہ وہ
مکدونیوں کو ان کے قبض شدہ حقوق واپس
دیدین تا کہ وہ مقابلۃً ترقی کر سکین۔ اسکی
درخواست پر توجہ ہونے کی عوض اثینیوں کے
کان کھڑے ہوئے کہ کہین پھر اگلا سا انقلاب
نہ آجائے اور اسکی قوم۔ قوم۔ اٹھو۔ اٹھو
پھر حشر برپا نہ کر دے، یہ دل خراش احساس
تھا جس نے اس فاتح قوم کو ڈی ماس تھینیز کی
نظر بند کرا دینے پر مجبور کیا۔

جب حکومت کی باگ ’’انیتپاتر‘‘ کے ہاتھ
آئی اس نے اپنے اس آبائی مراسم و اتحاد
کا جو ڈی ماس تھینیز کے ساتھ سلطنت کی
حیثیت مین تھا۔ پاس نہ کیا اور قتل کا
اعلان کر دیا۔

ڈی ماس تھینیز نے بڑی ہشیاری سے

،کالڈیا، پہنچکے مندون ہیکل مین پناہ لی" اقبار" کے بیرحم متجسس عملی نے سراغ لگاکے باہر نکلنے کی ہدایت کی پہلے نرمی سے کہا اور پھر دھمکی دی کہ ہم حکومت کے زور سے وہ کام کرسکتے ہین جو تم نہین چاہتے۔

ڈی ماس تھینز کے۔۔۔ سنے موت پھر رہی تھی وہ جسقدر اس سے دور ہونا چاہتا تھا وہ اسکے قریب ہوتی جاتی تھی اسکی کھلی ہوئی۔۔۔ وحشی آنکھین ہولناک منظر دیکھ رہی تہین ۔ اور وہ اپنی جان بچانے کے اہم فکر مین اپنے آپکو فراموش کرچکا تہا۔ اس کے کرب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنی تمام زندگی پر ایک طویل نگاہ ڈال کے جس نتیجہ پر پہنچا وہ صرف یہ تھا۔ "مین ابھی کچھ کرنے نہین پایا"،

عین اس موقع پر جبکہ چارون طرف سے راہ مسدود کرلی گئی تھی اور اس رحم کے ملتجی کو

اپنے قتل کا پورا یقین ہوچکا تہا تڑی بیکسی کے عالم مین سنکھیا کی ایک قلم کو چوس چوس کے دم توڑنے لگا، اثینیون نے اسکے اسٹیچو پر یہ عبارت کندہ کی۔

متوفی ۳۲۲ ق م

ڈی ماس تھینز! اگر تیرے دل کی قوت اور تیری شجاعت ہموزن ہوتی تو مکدونیا کا مریخ ہرگز یونان پر غالب ہونے پاتا،

اسکے گیارہ لیکچرون کے مجموعہ کا جو اس نے ۱۵ برس مین دیے تہے۔ انگریزی مین ترجمہ ہوچکا ہے۔ مینے سنا ہے کہ خطبات فلیپیہ کے نام سے کسی شامی عیسائی نے عربی مین ترجمہ کیا ہے۔

(مترجم ابو النصر آہ دہلوی)

عربی تعلیم کا اردو مین ایک مفید اور مختصر سلسلہ

کتاب الصرف کتاب النحو عربی بول چال

(مصنفہ جناب حافظ عبدالرحمن صاحب امرتسری سیاح ممالک اسلامیہ)

یہ تین کتابین عربی صرف ونحو وادب کا مکمل کورس ہین جسمین ان فنون کے تمام اشکال اور پیچیدگیان رفع کر کے نہایت صاف اور سہل اردو مین ضروری مسائل ترتیب دیے گے ہین۔ یہ تین مختصر سی کتابین (جنکے پڑھ لینے کے بعد نہ کافیہ شافیہ کے مطالعہ کی ضرورت ہے اور نہ شرح جامی کے پیچیدہ طرز بیان مین تضیع وقت کی) تھوڑے سے عرصہ مین اتنی قابلیت پیدا کرسکتی ہین، کہ عربی کی عبارت صحت کے ساتھ پڑھ لی جائے۔ اسکے مطالب سمجھ مین آجائین۔ عربی مین بلا تکلف خط وکتابت کرسکین۔ اور عربی گفتگو مین دقت نہ ہو اور اتنی عربیت اس زمانے مین کافی سے زیادہ ہے۔ بلکہ قدیم طرز کی کتابین نہ بول چال کی قابلیت پیدا کرتی ہین۔ اور نہ انکے رٹ لینے سے اسقدر قوت آسکتی ہے کہ بلا تکلف عربی مین تحریر وتقریر کی لیاقت آجائے۔ انجمن حمایت اسلام نے پہلی دو کتابوں کو اپنے تعلیمیہ مدرسہ مین داخل نصاب کیا ہے۔ اور پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ یہ کتابین مڈل اسکول اور ہائی اسکول کے کتب خانون کی فہرست مین شامل کی جائین۔ ملک نے ان کتابون کو جن قبولیت کی نگاہون سے دیکھا اسکا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ تھوڑی سی مدت مین یہ کتابین پانچ چار مرتبہ چھپ چکی ہین اور ملک کی مانگ اسیطرح بڑھ رہی ہے۔

یہ تمام کتابین جناب حافظ صاحب کے "ایجینسی ایجنسی" کشمیری بازار لاھور کے پتہ سے مل سکتی ہین۔

عرفت ربی بفسخ العزائم!!؟؟

جنوری سنہ ۱۹۰۵ء کا نمبر (۳) مضمون تک لکھا
جا چکا تھا اور اشاعت مین صرف ایک ہفتہ کی دیری
کہ یکایک علالت کے ایک سخت حملہ نے اڈیٹر کو
دو مہینے کیلئے بستر کش بنا دیا! ہم خوب جانتے ہین
کہ ہماری ذاتی مجبوریاں کسی پبلک کام کے لئے
معقول عذر کا کام نہین دے سکتین! لیکن جبکہ
اردو رسالون کی غریب حالت زمانہ پر ظاہر ہے
جسکی زندگی اور زندگی کے تمام لوازم صرف ایک
شخص کی قوت اور اطمینانی حالت سے
تعلق رکھتے ہین۔ تو ایسی حالت مین ہم کیون
نہ صاف صاف عرض کرکے قدردان
لسان الصدق سے معافی کے خواستگار ہون
تین مہینے کی غیر حاضری نے سلسلہ ترتیب مین
چونکہ بہت بڑا انقطاع پیدا کر دیا ہے اس لئے
اس جدید اشاعت کا سلسلہ پہلی سہ ماہی چھوڑ کر
اپریل سنہ ۱۹۰۵ء سے شروع کیا جاتا ہے ابتدائی
نوٹون کا تعلق اگرچہ زیادہ تر جنوری سنہ ۱۹۰۵ء سے
ہے لیکن چونکہ نتیجہ کے لحاظ سے ہر زمانہ کے لئے
مفید ہین اس لئے اپریل کے نمبر مین ان کا شائع
کرنا مجبوری پر نظر کرتے ہوئے زیادہ نا موزون
نہین ہے۔ اڈیٹر

دربار سید اعظم

اس نمبر کے ساتھ ایک دلچسپ گروپ خریداران
رسالہ کی خدمت مین نذر کیا جاتا ہے جو غالبا
اردو رسالون مین پہلا واقعہ تسلیم کیا جائے گا
اکبر اعظم کا نورتن دنیا کے بڑے بڑے بادشاہون
کے دربارون مین ایک خاص امتیاز کی نظر سے
دیکھا جاتا ہے لیکن مجددان اعظم کے دربارون
مین سید اعظم کا نورتن بھی ہمیشہ ممتاز نظر
سے دیکھا جائیگا اکبر اعظم نے اپنی شمشیرون کی
کمال سے فائدہ اٹھا کر اگر ہندوستان کی بڑی بڑی
مقامات کو فتح کر لیا تھا تو سید اعظم نے اپنے
مشیرون کی ہمدردی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستانیون
کے سخت دلونکو فتح کر لیا یہ گروپ ایسی صورت مین حاضر
کیا جاتا ہے جو چوکھٹون مین لگاکر کمرونکی زینت کا کام
دے سکے ورنہ دوسری حالت مین رسالہ کے ساتھ یہی
غیر موزون حالت مین رہتا! یہ گروپ درحقیقت ایک
ادنی نمونہ ہے ان بیشمار تصویرون کا جو آئندہ خریداران
لسان الصدق کی خدمت مین حاضر ہوا کرینگے اڈیٹر

خضاب لاجواب

حضرات! یکم جون ۱۹۰۴ء سے خضاب لاجواب تیل نہایت اعلیٰ درجہ کا تیار ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ خوشخبری سنا دینے کے قابل ہے کہ شیشیاں خضاب لاجواب کی بہت بڑی ڈبل کر دی گئی ہیں۔ اور قیمت بھی وہی مثل سابق ایک روپیہ ہے (عہ) پانچ منٹ میں سفید بال کالے بہنور چمکدار ملایم بنا دیتا ہے امید ہے کہ آپ اس خضاب لاجواب کو استعمال میں لاکر از حد درجہ خوش ہونگے اور براہ مہربانی اپنے احباب میں اس خضاب مذکور کو مشہور فرما کر مجھے اپنا ممنون و شکر گذار بنائیں گے۔

دیگر

ایک سرمہ نہایت اعلیٰ درجہ کا تیار ہے جو موتی وغیرہ قیمتی چیزون سے تیار کیا گیا ہے ہر ایک آنکھہ کی بیماری کو مجرب ہے فی تولہ قیمت پانچ روپیہ ہے دو آنیکے (۲) ٹکٹ آنے پر نمونہ روانہ کیا جاےگا۔

حضرت مولانا عاشق یزدانی سید نور شاہ ہمدانی گولی محلہ بمبئی

ایک ضروری صراحت

لسان الصدق ۸/۲۶x ۲۰ تقطیع پر شائع ہوتا تھا۔ لیکن مسطر تمام شماروں کا ایک نہیں، نہ کتابت میں یکسانیت ہے۔ بعض شماروں کا مسطر چوڑائی میں، بعض کا لمبائی میں زیادہ ہے۔ بعض شماروں کی کتابت دو کالمی ہے، بعض صفحات کے اطراف میں کئی کئی سطریں تھیں۔ ہمیں چوں کہ یہ پرچہ ۱۶/۳۶x ۲۳ تقطیع میں چھاپنا تھا۔ اس لیے تمام شماروں کے صفحات کا یکساں سائز میں عکس نکالنا نہایت مشکل ہو گیا۔ ایک پرچے کے تمام صفحات میں ایک ایک دو جگہ سے بین السطور کم کرنا پڑا۔ اس کے باوجود صفحات کی لمبائی مسطر کی آخری تک پہنچ گئی ہے اور بعض جگہ حد سے تجاوز کر گئی لیکن امید ہے کہ تمام سوادِ تحریر طباعت میں ضرور آجائے گا۔ جلد سازی میں احتیاط کی تاکید کر دی جائے گی کہ کہیں کوئی سطر کٹنے نہ پائے۔

جس حد تک احتیاط کی جا سکتی تھی، اس میں کوتاہی نہیں کی گئی۔ خدا کرے یہ سعی کامیاب ہو۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

۲۰۔ جنوری ۱۹۹۶ء

لسان الصدق

ایڈیٹر۔ ابوالکلام آزاد دہلوی